


حصہ دوم (جلد اوّل)

شمس التواریخ

مترجم

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد

شمس التواریخ

جلد دوم (حصہ اول)

مترجم

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد

حاجی شیخ غلام محمد اینڈ سنز تاجران کتب

مائسمہ بڈشاہ چوک، سرینگر کشمیر

نام کتاب	:	شمس التواریخ (جلد دوم) (حصہ اول) (فارسی تاریخ حسن کا اُردو ترجمہ)
مصنف	:	حسن شاہ کھویہامی
مترجم	:	پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد
سن اشاعت	:	2019
صفحات	:	460
زیر اہتمام	:	شیخ محمد فیاض
I.S.B.N	:	978-93-84019-42-6

ناشر

حاجی شیخ غلام محمد اینڈ سنز تاجران کتب

مائسمہ بڈشاہ چوک، سرینگر کشمیر

فون:0194-2472206

تقسیم کار: **زہرا پبلشگ ہاوس**

بڈشاہ نگر نٹی پورہ سرینگر

عرض ناشر

ریاست جموں وکشمیر کے کُتب فروشوں میں اوّلین نام مرحوم شیخ عبدالغفار کے طور پر جانا جاتا ہے۔ مرحوم نے پہلی بار آزادی ملک سے پہلے اپنی فرم وادی کے علاقہ چھتہ بل سرینگر میں قائم کر کے تشنگانِ علم کیلئے چشمہ در صحرا کا کام انجام دیا۔ پہلی بار اوراد فتحیہ کو لاہور سے چھاپ کر ریاست کے مسلمانوں کیلئے راحت کا سامان بہم پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اُن کے فرزند مرحوم حاجی شیخ غلام محمد صاحب نے تجارتی مرکز مہاراج گنج میں میسرز **شیخ غلام محمد تاجران کُتب** کے نام سے اس فرم کی از سرِ نو بنیاد ڈالی۔ مرحوم حاجی صاحب نے کئی نادر اور نایاب کتابوں کو حاصل کر کے تشنگانِ علوم کیلئے مہیا کر کے اور ہندوستان وپاکستان کے علاوہ عرب ممالک سے کتابیں لاکر ریاست کے لوگوں کو بہم پہنچائیں۔ مہاراج گنج میں کام کی وسعت اور جگہ کی تنگی کے باعث اُنہوں نے سرینگر کے مشہور مرکزی علاقہ مائیسمہ بازار بڈشاہ چوک میں اپنی دکان "**حاجی شیخ غلام محمد اینڈ سنز**" کے نام سے شروع کی۔ جہاں اُنہوں نے تفسیر قرآن، حدیث شریف، تاریخ، سیرت رسولؐ وغیرہ کے علاوہ مروجہ تعلیمی نصاب کی کتابیں بیرون ریاست سے منگا کر مہیا رکھی۔ ریاست کے کئی ادبی، تعلیمی، ثقافتی مراکز کیلئے ان کتابوں کو ہمیشہ وافر اسٹاک کر کے اداروں سے وابستہ دانشوروں، محققوں اور طالب علموں کیلئے راحت جان کا سامان کیا۔

حاجی صاحب خود بھی علمی ذوق کے حامل انسان تھے۔ اُنہوں نے خود بھی کئی کتابیں مرتب کر کے شائع کیں۔ اور ریاست کے ادبی اور علمی شخصیتوں کو ایک پلیٹ فارم عطا کر کے اُن کی لکھی ہوئی کتابیں چھاپ کر ریاست اور بیرون ریاست اُن کو متعارف

کرایا۔ مرحوم نے ہمیشہ معیار کو پیش نظر رکھا۔

حاجی صاحب نے کئی اہم اور تاریخی کتابیں چھاپی ہیں۔ جن کو کافی پذیرائی حاصل ہوئی۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اُمید ہے کہ اس کتاب کو زیادہ پذیرائی حاصل ہوگی (انشاء اللہ) قارئین کو اگر کوئی خامی یا کمی نظر آئیں تو ہمیں مطلع فرما کر مشکور فرمائینگے۔

والسلام

شیخ محمد فیاض

مالک میسرز حاجی شیخ غلام محمد اینڈ سنز

شمس التواریخ

(فارسی تاریخ حسن کا اُردو ترجمہ)

(جلد دوم) (حصہ اول)

مترجم

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد

فہرست مطالب

سخنِ مترجم

اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے کہ اس نے مجھے تاریخ حسن کی دوسری جلد کا اُردو ترجمہ مکمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ یہ اس کا خاص فضل ہے۔ الحمدللہ!

شمس التواریخ کے نام سے ہی تاریخ حسن (فارسی) کی پہلی جلد کا ترجمہ مفصل تعارف کتاب کے ہمراہ نیز مؤلف پیر غلام حسن کو یہامی کے دستیاب حالات مع مختصر خاندانی تذکرے کے بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے اس کی تکرار بے محل ہے۔

اس بات کا اعادہ البتہ بے محل نہیں کہ یہ اُردو ترجمہ محض اُردو ترجمہ ہے۔ کتاب میں متن کے نیچے جو ذیلی یاداشتیں درج ہیں گو میں نے اُن کا بھی ترجمہ کیا ہے لیکن ان کی درستی یا نادرستی شائع کرنے والے ادارے پر ہے اور مذکورہ یاداشتیں لکھنے والے پر۔ مجھ پر نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ فارسی متن میں تاریخوں کا مشکوک ہونا بعید نہیں لیکن یہ میرے ترجمے کرنے کے کام سے تعلق نہیں رکھتا کہ ان کی تحقیق کی جائے۔ اس لئے صحیح تاریخوں سے کتاب کو مطابقت دینا تاریخ کے علماء کا کام ہے نیز تاریخی واقعات کی تحقیق بھی اُن کے لئے موجب دلچسپی ہوگا۔ لیکن بہر حال مجموعی طور پر کشمیر کی قدیم تاریخ سے لے کر مؤلف کے عہد تک (۱۸۸۵ء) یہ تاریخ معتبر ترین فارسی تواریخ میں سے ہے۔

خدا کرے شمس التواریخ نامی تاریخ حسن کا یہ اُردو ترجمہ قارئین کرام کو پسند آئے۔

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد

شمس التواریخ

یعنی

تاریخ حسن

(جلد دوم) (حصہ اول)

کا اُردو ترجمہ

از

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد

بُرج بخت آور۔ آستان پور روڈ

راول پور سری نگر، کشمیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلَ اَللّٰھُمَ مالِکُ المُلکِ تُوتی المُلکَ منُ تشاءِ وُ تنُزِعُ المُلکُ ممَن تَشاءُ وتِعِزُمنُ تشاءُ وتُذِلُ مَنُ تَشاءُ.

دنیا کی آبادی کے پیدا ہونے اور اقوام و مذاہب کے دلائل کی تمہید و بیان میں

جان لو کہ زبان و عالم کے امر میں اس کے حدوث وقدم میں مختار مذاہب تین ہیں۔ پہلا حُدوثِ مطلق (بالکل حادثاتی) اور یہ مذہب اکثر اہل مجوس وملل کا ہے۔ دوسرا قدم مُطلق (مطلق قدیم) یعنی اصل عالم کی قدمت جیسے افلاک، مادّہ، عناصر اور ان کی صورتوں کی بے منقطع پیوستہ اقسام۔ یہ فلسفیوں اور آبادینوں کے مذہب کی دلیل ہے۔ تیسرا نوع کی قدمت سے اور شخص سے حادث۔ اور یہ یہودی مذہب ہے۔ البتہ زمین کے مرکز اور دائرہ آسمان کے وجود میں آنے اور دنیا کی آبادی کی تدوین اور اس کی باقی عمر کے بارے میں کسی شخص کو بھی بنی نوع انسان میں سے واقفیت نہیں ہے۔ بہر حال علمای اقوام اپنے طبعی افکار سے دنیا کی مدت کو قیاس کے ترازو میں تول کر کسی نہ کسی طور سے معتقد کراتے ہیں لیکن ان کے مختلف اقوال ایک دوسرے کے نہ موافق ہیں اور نہ ہی مطابق۔ اس لئے کثرت

اختلاف کی وجہ سے اُن کی اطلاعات اصحاب خیر کے اعتماد میں مفید نہیں ہے۔

پیرہ زال دہر را محرم نگشتہ ہیچکس

چون عُروس احتلامی ہر کسی دیدش بخواب

(زمانے کی بوڑھی عورت کو کوئی جان نہ پایا۔ انزالی دلہن کی طرح ہر کسی نے اسے خواب میں ہی دیکھا)

فارس کے حکماء معتقد ہیں کہ دنیا قدیم ہے اور قدیم کی نہ ابتدا ہوتی ہے نہ ہی انتہا۔ اور انہوں نے اپنی اصطلاح میں ایک سو ہزار کو سلام، اور ایک سو سلام کو شمار اور ایک سو شمار کو اسپار کا نام دیا ہے۔ اور ایسے ہی وہ زُحل کے ایک دور کو جو تیس سال کا ہے، ایک دن خیال کرتے ہیں اور ان ہی تیس دنوں کو وہ ایک مہینہ شمار کرتے ہیں۔ اور اسی طرح سے بارہ مہینوں کو ایک سال قیاس کرتے ہیں۔ اور ایسے ہزار بار ہزار سالوں کو فرد کہتے ہیں، اور ہزار فرد کو ورد اور ہزار ورد کو مرد اور ہزار مرد کو جاد اور ہزار جاد کو داد اور تین ہزار داد کو زاد کہتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ پہلے بڑے دور میں جو شخص باقی رہا مہ آباد تھا جس نے ایک سو زاد سالوں تک اس خاندان کو حکومت اور رونق بخشی۔ اس کے بعد ایک اسپار سالوں تک الادبان کی حکمرانی رہی۔ پھر سروری اور شائیوں نے ایک شمار برسوں تک حکومت کی۔ پھر پاسائینوں نے نوے سلام برسوں تک، اور درائی اور کلشائیوں نے چھ ہزار تیس سال تک حکومت کا ڈنکا بجایا اور زردشت کے بعد سب نے دین بھی کو زندہ رکھنے کی کوشش کی۔

اور خطا اور ایغر کے حکماء نے دنیا کے تین وَن مقرر کئے ہیں جیسے شانک ون، جانک ون اور خاون۔ اور ہرون کی مدت دس ہزار برس ہے۔ اس کے مطابق دنیا کی عمر تین لاکھ اور ساٹھ ہزار وَن مقرر کر چکے ہیں جن میں سے سال ۱۳۰۰ھ تک اسی ہزار آٹھ سو چونسٹھ

دَن اور دو سو تیرہ سال بیت چکے ہیں اور دو لاکھ انیس ہزار ایک سو پچانوے دن اور نو ہزار سات سو ستاسی سال ابھی باقی ہیں۔

ہندوستان کے مذہبی پیشواؤں کا کہنا ہے کہ خالق قضا وقدر نے پہلے اپنی قدرت کامل سے خیر وشر کے عالم کے کارگذاروں میں سے تین اشخاص یعنی برہما، بشن اور مہیشر کو پیدا کیا اور تینوں کو ایک خصوصیت اور خاص طاقت بخش کر انہیں اپنے ارادہ وقدرت کا مظہر بنا دیا ہے۔ چنانچہ برہما کو پیدا کرنے کی، بشن کو حفاظت کرنے کی اور مہیشر کو فنا کر دینے کی طاقت دی ہے۔ اس طرح قضا وقدر کے اُمور کو ترتیب دینے اور خیر وشر کے اہم کاموں کو منظّم کرنے کا کام ان ہی بلند پایہ تین اشخاص سے تعلق رکھتا ہے۔ ان اُمور میں سے بنی نوع انسان کی پیدائش برہما سے منسوب ہے جسے حقیقی آدم جانتے ہیں اور اس کے ظہور کی ابتدا سے ہی بنی نوع انسان کی پیدائش دنیا میں خیال کرتے ہیں۔ کہتے ہیں دنیا کی عمر برہما کی عمر کے ایک سو سال کے برابر ہے اور اُس کی عمر کا ایک دن ایک ہزار دور کے برابر ہے اور ہر ایک دور کو چار یگ میں بانٹ دیا گیا ہے۔ پہلا ستیہ یگ۔ اور اس کی تعداد سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار سال ہے۔ دوسرا ترتیا یگ۔ اور اس کی مدت بارہ لاکھ اور چھیانوے ہزار سال ہے۔ تیسرا دَواپر یگ۔ اور اس کی عمر آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار سال ہے۔ چوتھا کل یگ اور اس کا شمار چار لاکھ بائیس ہزار سال ہے۔ ان چاروں یگوں کی مجموعی تعداد تینتالیس لاکھ بیس ہزار سال ہے جو ایک دور پر مشتمل ہے اور برہما کی عمر کے ایک ہزار دَور جو ایک دن کے برابر ہیں، گذر چکے ہیں۔ ہندی زبان میں اسے کلپ کہتے ہیں۔ ہر کلپ میں چودہ منو یعنی چودہ آدم وجود میں آتے ہیں اور ہر آدم کی اولاد کی زندگی ستر دَور سے ذرا اُوپر ہوتی ہے۔ غرض اب تک چھ آدم کی نوبت اختتام تک پہنچ چکی ہے اور ساتویں آدم کے ستائیس دَور بیت گئے

اور اٹھائیسویں دَور کے کل یگ کی ابتدا تک اُٹھتیس لاکھ اٹھاسی ہزار سال ختم ہوئے۔ اب اس وقت کل یگ گذر رہا ہے۔

نیز ہندوستان کے حکماء کہتے ہیں کہ ۱۳۰۰ھ کے آخر تک دنیا کی عمر کے ایک ارب پچانوے کروڑ اٹھاون لاکھ چار ہزار اور نوسو اکیانوے سال گذر چکے۔ اور ہندوستان کے قدماء میں سے عمر شناس لوگوں کا کہنا ہے کہ شمسی تین لاکھ ساٹھ ہزار سال ختم ہو جانے کے بعد دنیا مٹ جائے گی اور ہلاکت کی اتنی ہی مدت میں رہ کر پھر سے لوٹ آئے گی۔ اس معلوم مدت کے بیت جانے کے بعد پھر نابود ہو جائے گی اور پھر لوٹ کر آئیگی۔ اسی طرح سے ہمیشہ لانہایت تک چلتی رہے گی۔

کہتے ہیں ہجری سن کی ابتدا تک موجودہ دنیا کی مدت کے ایک لاکھ گیارہ ہزار سات سو بیس سال گذر چکے اور اس کے ختم ہو جانے تک ابھی دو لاکھ اٹھتالیس ہزار سال باقی ہیں۔

اور فارس کے نجومیوں کا کہنا ہے کہ دنیا کی عمر کے سال ۱۳۰۰ھ تک کے آخر تک ایک لاکھ اسی ہزار نوسو اکسٹھ سال بیت گئے۔ بابل کے حکماء جیسے یُوزاسپ وغیرہ معتقد ہیں کہ دنیا کی کل عمر تین سو ہزار اور اسی ہزار سال ہے۔ مصر کے حکماء کہتے ہیں کہ عالم کی پیدائش کی ابتداء میں منطقۃ البروج، معدل النہار سے قایمہ زاویوں سے منقطع تھا اور ایک سو سال کی مدت میں ایک منٹ مایل ہو جاتا ہے۔ جب ایک دوسرے کے ساتھ پھر سے جڑ جائیں گے تو دنیا مٹ جائے گی۔ اس کے مطابق طوفانِ نوح چار لاکھ پندرہ ہزار اور دوسو پنتالیس سال پہلے اس دنیا میں واقع ہو چکا ہوگا۔

اور بربر کے حکماء کہتے ہیں کہ طوفانِ نوح سے پہلے معدل (النہار) منطقۃ

(البروج) سے جڑ چکا تھا۔ اس لئے پیدائش کی ابتدا اُن کے خیال میں مصریوں کے خیال سے چار کروڑ چھیاسی لاکھ پہلے ہوئی ہوگی۔

ابو معشر نے کہا کہ فارس کے نجومیوں کا اعتقاد ہے کہ دنیا کی عمر بارہ ہزار سال ہے۔ بارہ بُرجوں کے مطابق، جس کے پہلے ایک ہزار سال حمل سے منسوب ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان ہزاروں میں سے ہر ایک ہزار کے بعد زمانہ مشکل ہو جاتا ہے اور بہت سی بلائیں دنیا میں آجاتی ہیں کیونکہ ہر برج کا آخر نحوست کے حدود میں ہوتا ہے۔

اور نجومیوں کی ایک جماعت کہتی ہے کہ دنیا کی عمر انیس ہزار سال ہے۔ بارہ برجوں اور سات سیاروں کے مطابق۔ اور ایک اور نجومی گروہ نے کہا ہے کہ دنیا کی عمر نو ہزار سال ہے، نو کواکب کے مطابق۔ راس اور ذنب کے ہمراہ۔ چنانچہ علوی کواکبِ ثلاثہ کی تدبیر میں لوگوں کی عمر لمبی ہوتی ہے اور سفلی کواکب کے آخر میں عمریں گھٹ جاتی ہیں۔ فلسفیوں کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ دنیا کی عمر اٹھتر ہزار سال ہے جن میں سے بارہ ہزار سال تدبیر حمل، گیارہ ہزار سال بُرجِ ثور اور دس ہزار سال بُرجِ جوزا کی تدبیر سے منسلک ہیں اور لوگوں کی عمر اس چوتھائی میں لمبی اور زمانہ بھی عمدہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد دوسری چوتھائی کی تدبیر چوبیس سال کی مدت میں ہوتی ہے اور اس میں لوگوں کی عمر پہلی چوتھائی کے مقابلے میں چھوٹی ہوتی ہے۔ اور تیسری چوتھائی کی تدبیر پندرہ ہزار سال ہے اور چوتھی چوتھائی کی تدبیر کی مدت چھ ہزار سال۔

روم، یورپ، شام، ترکی اور عرب کے حکماء اس پر متفق ہیں کہ دنیا کی ابتدا اور آدم کے نزول سے لے کر ہجری سن کے واقع ہونے تک چھ ہزار ایک سو اکتیس سال بیت چکے۔ یہودی علماء اور بعض مورخین یونانی تورات کی روایت سے جسے محققین اور مورخین قبول

کرتے ہیں اور بطلمیوس مجسطی میں اس کی تصدیق کرتا ہے، دنیا کی عمر کو نزول آدم سے لے کر ہجری سن کی ابتدا تک چھ ہزار دو سو سولہ سال شمسی ثابت کرتے ہیں۔ اور یہودی قوم کی ایک جماعت موسیٰ (علیہ السلام) کے قول کو جوڑ کر معتقد ہے کہ دنیا کی عمر ستر ہزار سال ہے۔ ایک ہزار جیل پر منحصر اور ہر جیل ستر سال کا ہوتا ہے۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) کے قول کے مطابق زبور میں آیا ہے "اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے ساتھ وعدہ کیا کہ ایک ہزار جیل تک نوع بشر دنیا میں باقی رہیگی" اور اسی سے یہودی قوم کا اعتقاد ہے کہ دنیا کی عمر ستر ہزار سال ہے۔

اسلامی علماء میں اس مسئلہ پر اختلاف ہے۔ سعید بن جبیرؒ نے عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ دنیا ایک جمعہ ہے آخرت کے جمعوں میں سے، جس کی تعداد آخرت کے سالوں میں سے ساتھ ہزار سال ہوگی۔ سفیان ثوریؒ نے کعب احبارؓ سے روایت کی کہ دنیا کی عمر چھ ہزار سال ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا "بیت گئے دنیا کی عمر کے پانچ ہزار چھ سو سال۔ ہم نہیں جانتے ہیں اس زمانے کی پوری حقیقت کو اور ان پیغمبروں کی کیفیت کو جو اس زمانے میں تھے۔ ہم نے کہا: دنیا کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا: چھ ہزار سال۔" ابو ہریرہؓ نے کہا: حقب آخرت کے سالوں میں سے اسی سال ہیں، جس کا ایک دن دنیا کا چھٹا حصہ ہے۔ کتاب الاکلیل میں ابو محمد بن حسن الہمدانی نے حقب کی شرح کی ہے۔ وہ کہتا ہے: دنیا کل ایک جُز ہے چار ہزار ساتھ سو تیس جزوؤں میں سے اور حقب کے اجزاء میں تیسرا اجزو۔ چنانچہ قمری سن تین سو چون دن اور پانچ اور چھ یوم ہے۔ جب کہ دنیا چھ ہزار سال کا ہے، جس کا ایک دن ایک ہزار سال کا ہے۔ اس کے بموجب قمری سال چھ ہزار ہزار ہوتے ہیں۔ اس طرح سے اگر ہم اسے ایک جزو مان لیں اور حقب کے اجزا سے جو چار ہزار سات سو بیس اور تین ثلث ہیں، ضرب میں تو اس سے آٹھ ہزار ہزار اور تین سو ہزار اور چالیس ہزار

ہزار سال نکلتے ہیں۔ چونکہ دنیا آخرت کے جمعوں میں سے ایک جمعہ ہے اس بنا پر چھ حصے اور بڑھا دیں تو یہی دنیا کی عمر ہوگی۔

اور ابوالحسن علی بن حسین مسعود کتاب اخبار الزمّان میں بیان کرتا ہے کہ چاند کی منزلوں کے مطابق روئے زمین پر اٹھائیس اُمتیں مختلف صورتوں میں تھیں۔ اور ہر منزل کے ساتھ ایک خاص اُمت منسوب تھی جو اس منزل کی مناسبت سے جانی جاتی تھی اور وہ کواکب ثابتہ کو ہر چھوٹے بڑے اُمور کے منتظم جان کران کی عبادت کرتی تھی اور آسمان کی خبریں سیکھ لیتی تھی۔ پھر اُن میں سے ایک قوم نے سرکشی کر کے خونریزی اور فساد برپا کیا اور ایک جماعت خدا کی اطاعت پر باقی رہی۔ ابلیس بھی اسی قوم سے ہے۔ کہتے ہیں یہ پنتیس قبیلے تھے اور ہر قبیلے کا ایک بادشاہ ہوتا تھا۔

بعض اسلامی مورخوں کا کہنا ہے کہ دنیا میں بہت سے قبیلے اور اُمتیں تھیں جن میں سے الطم، الرم، الجن، البن، الحس اور البس تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو فرشتوں سے رونق دی اور زمین کو جنوں سے آباد کیا یہاں تک کہ خون بہانے کے گناہ میں ان کو فرشتوں کے ہاتھوں قتل اور قید کروایا۔ اور آدمؑ کو پیدا کر کے اسے سجدہ کرنے کی راہ سے فرشتوں اور ابلیس کی آزمائش کی۔ پھر ہوا جو ہوا۔ تب زمین بنی آدم سے آباد ہوئی۔

صاحب حجج الکرامۃ لکھتا ہے کہ عام محدثین اور ملت محمدیؐ کے محققین اور مسلمان مورخین متفق ہیں کہ پیدائش کی ابتدا کا معاملہ لوگوں کی دانست سے خارج ہے۔ سوائے خالق کل کے کوئی ایک بھی شخص اس سے واقف نہیں اور نہ ہوگا۔ اور صحیح حدیث شریف ماالمسول عنها با علم مِن السائل اور قرآنی آیات کریمہ زمانے کے علم کی نفی اور دنیا کی ابتدا اور اس کے فنا ہونے کے علم کی نفی پر حجت قاطع اور روشن دلیل ہیں۔ آیت کریمہ

ہے: اَلَم یاتِکُم نبا الذین کَفرو امنِ قبلِکُم قَومَ نُوحِ وَعادٍوَثمودُ وَالّذین مِن بِعدِھِم لَا یَعلیمھُم اِلّا اللہ۔

بیت ؎

در بہار آن زاد و مرگش در وی است

پشہ کی داند کہ این باغ از کی است

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عمر کی ثابت کرنے میں اقوام و مذاہب کے علماء اور حکماء میں بہت بعید اختلافات ہیں، جن کے بموجب کسی ایک قول سے بھی اطمینان خاطر نہیں ہو پاتا۔ اہل اسلام اس مسئلہ کو جاننے سے خود کو عاجز اور قاصر سمجھتے ہیں کیونکہ اُن کا سارا اعتبار اور وثوق قرآن اور حدیث پر ہے اور ان کے متون سے انہیں کوئی سند نہیں ملی ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث سے ہی وہ اس کے علم کی نفی ثابت کرتے ہیں اور مورخوں کے قول پر مطلق اعتماد نہیں کرتے ہیں۔ یہ جو بعض مورخین حضرت سید الکونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہجرت تک چھ ہزار دوسو سولہ سال ثابت کرتے ہیں یہ یہودیوں کا قول ہے جنہوں نے اس کی اصل یونانی تورات سے لی ہے۔ دین محمدیؐ کے محققین کو یہودیوں کی بات پر کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ جو بعض اہل خلاف اپنی لاعلمی سے اس بارے میں مسلمان علماء کو رد کرتے ہیں محض فضول ہے اور ان کی فہم کا قصور۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ ماضی کا زمانہ کسی پر بھی واضح نہیں۔ اہل اقوام جو کچھ کہتے ہیں محض سطحی باتیں ہیں۔ کل کم و بیش پانچ چھ ہزار سال کے کوائفِ زمانہ وقت کی راہ پر یادگار رہ چکے ہیں۔ ناسخ التواریخ کا مؤلف کہتا ہے کہ بنی نوع انسان کی پیدائش کا زمانہ دنیا کے وجود میں آنے کی ابتدا سے قدیم تواریخ کی رُو سے مطلق ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے بغیر زمانے کے اس حصے میں اختراع اور اسباب واوزار اور گذری

ہوئی صدیوں کے حکماء کے صنائع کے موجود نے کی کوئی چیز نظر نہیں آتی کیونکہ سبھی حرفتیں اور صنعتیں کل یگ کے دور سے دنیا میں رائج ہوئی ہیں۔ چنانچہ کیومرث کے زمانہ حکومت تک لوگ درختوں کی کھال اور پتوں کا لباس پہنتے تھے۔ یورپ کے لوگ ایڈورڈ اوّل کے عہد تک حیوانات کی کھال کو بلوط درخت کے گوند سے منقش کر کے پہنتے تھے۔ ناچار راجہ کرشن کے برہمن نامی وزیر، جو طہومرث کا ہمزمان تھا، نے نجاری و آہنگری کی حرفت اور لکھنے پڑھنے کا فن نکالا اور طہومرث اور جمشید وغیرہ کے زمانے سے زمانہ حال تک وقت بہ وقت بافندگی، روئی دُھننے، کپڑا بنانے، لباس بنانے، گھوڑا سواری، ہاتھیوں پر سواری، گھریلو حیوانات کی تربیت کرنے، کشتیاں تیار کرنے اور سامان جنگ بنانے اور حکمت عملی سے کام لینے کی حرفتیں کام میں لائی جاتی ہیں۔ اگر گذشتہ صدیوں میں بنی نوع انسان کی پیدائش ہوتی تو بیشک ان کی صنعت و حرفت سے زمانہ خالی نہ رہتا۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا کی پیدائش کے آغاز سے کئی ہزار لوگ آئے اور پھر پوشیدگی کے پردوں کے پیچھے چلے گئے۔ لیکن وہ خاکی فطرت نہیں تھے۔ بعضوں کی اصل ہوا کی تھی اور بعضوں کی اصل آگ کی تھی۔ جب ایک آدمی کی پیدائش تمام ہو جاتی تھی تو ایک دوسرا آدمی جو کسی اور عنصر سے ہوتا تھا پہلا ہو جاتا تھا۔ ہندو مورخین نے بظاہر ان کو خاکی نہاد آدمی خیال کیا ہے کیونکہ ان لوگوں کے عظیم حیئت اور لمبی عمر والے ہونے کے بارے میں وہ جو کچھ کہتے ہیں اور جو عجیب و غریب کام ان سے منسوب کرتے ہیں وہ بشر کے موافق حال نہیں۔ یہ سب محض خالی خولی باتیں ہیں۔ بالفرض اگر ہونگے بھی تو قریب الوقت راجاؤں کی قوم سے ہونگے۔ چنانچہ ہندو مورخین جو راجہ اکھواک کے زمانے سے حال کے زمانے تک کا عرصہ چالیس لاکھ سال لکھتے ہیں وہ کسی تحقیق کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ مصنوعی ہے۔

چنانچہ یورپی حکماء نے کمال جستجو وتحقیق کے ساتھ اکچھواک کے زمانے سے حال کے زمانے تک چار ہزار سال کی مدت کی تصدیق کی ہے۔اور دوسری اقوام کے مورخین کے اقوال بھی کچھ باعث اطمینان خاطر نہیں کہ نزول آدم کے عہد سے اب تک کل ساتھ ہزار تین سو سال گذر چکے ہونگے۔ دنیا میں کوئی قدرتی روزنامچہ بھی موجود نہیں جس پر مکمل اعتماد کہا جائے۔

واللہ اعلم بحقَایقِ الامُور۔

حالِ ماضی ھیچکس را غیر حق تحقیق نیست
خواب اگر الہام باشد لائق تصدیق نیست

(ماضی کا حال اللہ کے بغیر کسی پر تحقیق نہیں۔خواب اگر الہام ہو جب بھی لائق تصدیق نہیں)

پہلا تخت

چونکہ قدیم مورخین اور محققین زمانہ گذشتہ کی تشریح و توضیح کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے کشمیر کے وقایع نگاروں نے بھی اطلاعات کی بے اعتباری کے سبب اگلے زمانے کے احوال لکھنے سے اپنے قلم روک کر صرف کل یگ کے دور کے آغاز سے زمانہ حال تک کے چند راجاؤں اور سلاطین کا حال لکھا ہے۔

ناسخ التواریخ کا مؤلف لکھتا ہے کہ کلجوگ (کل یگ) کے دور سے پہلے کشمیر میں بہت سے نامی گرامی راجے ہوئے ہیں۔ چنانچہ پرس رام کشمیر کے راجا کا ہی نواسا ہے۔ اور بعض مورخوں نے ثابت کیا ہے کہ سری رام چندر (۱) نے کشمیر کو فتح کیا تھا اور اپنے عہد حکومت میں وہ خود کئی بار کشمیر کی سیر کرنے آیا تھا اور یہاں کے کئی تیرتھوں (۲) پر عبادت کی تھی۔ چنانچہ اُتر پرگنہ میں پہاڑ کے اُوپر چار عجیب چشمے رام گنڈ، سیتا گنڈ، لچھمن گنڈ اور ہنومان گنڈ اُن ہی کے نام سے معروف ہیں اور گذرے ہوئے زمانے میں رام چندر مندر وہاں پر آباد تھا۔ نیز راجا للتادت نے شیر وردن نامی گاؤں میں ایک قدیم مندر کو جو زمین کے نیچے پوشیدہ تھا، نمودار کیا۔ جس کے دروازے پر کندہ پتھر پر لکھا تھا کہ اس مندر کو سری رام چندر اور لچھمن نے بنایا۔

معیار الاخبار کا مؤلف اس بات کو ثابت کر کے لکھتا ہے کہ سلطان سکندر ذوالقرنین کشمیر کے راستے سے چین اور خطا گیا ہے۔ لیکن کشمیر کے مورخ اسے قلم کی زبان پر نہیں

لاتے البتہ وقائع کشمیر کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ہندوستان پر حملہ آور ہوتے وقت سکندر فیلقوس نے برسات کا کچھ عرصہ کشمیر میں گذارا۔ لیکن ہندوستان کے مورخین اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ **وَاللہ اعلَمُ بحقایق الاُمور!**

رتنا گر کا مترجم لکھتا ہے کہ قدیم زمانے میں کشمیر کے گل زمین میں دیو اور راکھشس (۳) رہتے تھے۔ چنانچہ جلد بو کی لوٹ کھسوٹ اور تباہی و بربادی اور تین کارن (۴) کے ساتھ اُس کی لڑائی مشہور ہے۔ جلد بو کے مٹ جانے کے بعد بنی نوع انسان کی آبادی یہاں وجود میں آگئی اور دیر وقت تک انہیں دیوؤں کے مظالم سہنے پڑے اور لوگ فقط گرمیوں کے موسم میں یہاں آ کر زمینداری وزارت کا کام کرتے تھے اور جاڑوں میں برف و بارش کی کثرت اور دیوؤں اور راکھشسوں کے خوف و ہراس سے ہندوستان واپس چلے جاتے تھے اور ایک لمبے عرصے تک یہی طور طریقہ رائج رہا۔

قصہ:

ایک زمانے میں چندر دیو نامی ایک پیر فرتوت برہمن جو علم و عمل میں ممتاز تھا، بوڑھاپے اور ناتوانی کے سبب یہاں ایک غار میں چھپ کر خوراک و سامانِ موسم سرما فراہم کر کے خدا کی یاد کرنے میں مصروف رہا۔ برف و بارش کی حالت میں چونکہ دیو بھاری تعداد میں آگئے تو انہوں نے اس پیر فرتوت برہمن کو اس کی کمین گاہ سے باہر نکالا۔ دو خوفناک دیو چشمہ نیلہ ناگ، جو نا گام کے پہاڑ کے دامن میں واقع ہے، کے دو کناروں پر آ کر کھڑے رہے اور اس برہمن کو دونوں کھیل میں اس کنارے سے اُس کنارے پر ایک دوسرے پر پھینکتے رہے۔ اچانک برہمن چشمہ کے بیچ میں گر کر نیچے ڈوب گیا اور نیچے اس نے ایک وسیع و عریض ملک دیکھا جہاں ایک عالی شان اُونچے مکان میں ایک بادشاہ تخت نشین ہو کر

حکمرانی کرتا تھا۔ برہمن ہاتھوں کو باندھ کر اس کے آگے گیا ور اپنی کیفیت اور دیوؤں کے مظالم نیز کثرت برف و باران سے لاحق پریشانی و تشویش جو بنی نوع انسان کے آگے آئی تھی، کا سارا حال اس کے سامنے بیان کیا۔ بادشاہ نے جو دراصل خود نیلہ ناگ تھا، رحم و انصاف سے کام لے کر اس برہمن کو اپنے قریب بٹھا کے رکھا اور کتاب نیل مت پوران جو اُس کی اپنی تصنیف تھی اُسے دے دی اور وصیت کی کہ دیوؤں اور راکھشسوں کو کتاب میں مفصل طور پر درج عملیات کے مطابق متبرک جگہوں پر نذر و خیرات پیش کئے جائیں اور وظیفوں اور منتروں پر قائم اور متوجہ رہا جائے اور خدا کی پرستش و عبادت میں وقت گذارا جائے تاکہ دیوؤں کے فتنہ و فساد اور راکھشسوں کے ظلم و جور اور برف و بارش کی کثرت سے محفوظ رہیں۔

اس کے بعد بہار کے موسم میں اس عمدہ اطوار والے برہمن کو چشمے کے ساحل پر پہنچا دیا۔ بہار کے موسم کے اوائل میں لوگ ہندوستان سے آ کر اس ناتوان برہمن کی زندگی کی کیفیت کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور اس کی زبان سے حقیقت حال سن کر اور اس نیک فال کتاب کو دیکھ کر اسے اپنے بادشاہ دریا دیو کے سامنے پیش کیا اور خوشیاں منائیں۔ اس کے بعد دریا دیو کے فرمان سے اس کتاب پر عمل کرتے تھے، یہاں تک کہ دیوؤں اور راکھشسوں اور برف و بارش کی کثرت سے خدا کے امان میں محفوظ رہے اور گرمیوں اور سردیوں کے موسم میں اس گلستان میں بود و باش اختیار کی۔

اس کے بعد ایک دوسرے سے کثرت تولّد اور نسل آفرینی سے دیہات آباد ہو گئے ۔ دیہات کے اکابر لوگ حکمرانی کرنے لگے یہاں تک کہ لوگوں میں سرکشی کرنے اور غلبہ پانے کی اہلیت پیدا ہو گئی اور دیہات کے افسروں میں سے ہر ایک نے چند گاؤں اپنے قبضے

میں لائے اور اُونچی جگہوں اور تنگ درّوں پر مناسب مقامات میں قلعے تعمیر کر کے انہیں کوٹ کا نام دیا۔ اس کے بعد سارے ملک میں کوٹ راج کا رواج ہو گیا۔ ان میں سے بعض کوٹ ابھی تک مشہور ہیں جیسے اندرکوٹ، زینہ کوٹ، شیرہ کوٹ، سودرہ کوٹ، سیالکوٹ، دردکوٹ، پٹہ کوٹ وغیرہ۔ اس زمانے میں کوٹ کے افسروں کو سنز کہتے تھے اور کشمیر کے ملک میں ایک لمبی مدت تک کوٹ راج جاری تھا۔ پھر بعض کوٹ راجاؤں نے بعضوں پر غلبہ پالیا اور لوٹ مار اور قتل و غارت کر کے ایک دوسرے کا خون بہایا۔

گر نہ باشد بقوم حاکم و دین   یکدگر راخوروند لحم ازکین

(قوم کا اگر نہ کوئی حاکم ہو اور نہ دین، تو انتقام میں ایک دوسرے کا گوشت کھائیں گے)

چونکہ لوگ فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑوں سے تنگ آ گئے تو بعض مغلوب اور بدحال کوٹ راجاؤں نے جموں کے راجا سے رجوع کیا اور اُس کے حق میں سلطنت کے اُمور کو منظّم کرنے کے عوض چھٹا حصہ شاہی خراج کے طور پر دینا مقرر کیا۔ اور اُس کے دیا کرن نامی بیٹے کو بھاری لشکر کے ساتھ اپنے ہمراہ لے آئے۔ اُس نے سرکشوں کا صفایا کر دیا اور اس ملک میں سلطنت و حکومت قائم کر دی ہے۔ کہتے ہیں چھ سو ترپن سال کے عرصے میں جموں کے راجا کے پچپن اولادوں نے پشت بہ پشت ملک کشمیر میں کمال مضبوطی کے ساتھ حکومت کی۔

لیکن اس قوم کی حکومت کی توضیح وران کے ناموں کی تفصیل زمانے کے مورخوں میں سے کسی نے بھی نہیں لکھی۔ کہا جاتا ہے اس قوم کا آخری راجا سوم دت تھا جو کوروؤں اور پانڈوں کے جنگ مہابھارت کے معرکہ میں ساٹھ ہزار جنگجو سواروں کے ساتھ قتل ہوا اور اس طرح سے اس ملک کی حکومت کا جھنڈا خاک میں سرنگون ہو گیا۔ اس کے بعد سلطنت کے

امرا کے باہمی اتفاق سے آدگونند راجگی کے مسند پر بیٹھا۔

۱۔ راجہ آدگونند

ملک کے اعیان کی صوابدید سے کلجوگ سے بیس سال پہلے کشمیر پر حکومت کرنے سے سرفراز ہوا۔ اور بعض مورخین کے بقول جموں کے راجاؤں کی قوم سے تھا۔ جب کہ بعض اسے راجہ متھرا کی اولاد سے جانتے ہیں۔ اس نے سلطنت کے چراغ کو انتظام کی خوبی سے روشن کیا اور ایام حکومت خوشحالی میں بسر کئے۔

اس زمانے میں ہندوستان کے ملک میں جراسند نامی متھرا کا راجا تھا۔ اس نے سری کرشن جی کے مقابلے میں مخالفت اور جنگ وجدل کا جھنڈا بلند کر کے خونریزیاں کیں اور آدگونند، جو جراسند کا رشتہ دار تھا، بھاری فوج لے کر اسکی مدد کرنے کے لئے دریائے جمنا کے کنارے پر پہنچا اور سری کرشن کی فوج کے ساتھ جنگ کی۔ بہت زیادہ قتل وخون اور جنگ ہونے کے بعد آدگونند کے بہادر فوجی پست ہمت ہو کر بھاگ گئے اور خود آدگونند نے مردانگی اور شجاعت کا مظاہرہ کیا لیکن بالآخر سری کرشن کے بھائی بل بھدر جی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ سترہ سال تک حکومت کی۔

۲۔ راجہ دامودر

باپ کے انتقال کرنے کے بعد اعیان کشمیر کے اتفاق سے کلجوگ سے تین سال

پہلے راجگی کا تاج سر پر رکھا اور عدل و احسان اور رعایا پروری پر عمل پیرا ہوا اور اپنے تسلط و غلبگی کی راہ سے اکثر راجاؤں کو ذلیل و خوار کیا۔

ان ہی ایام میں راجہ قندہار کی بیٹی کی شادی کی شہرت ملکوں اور شہروں میں مشتہر ہوئی ۔ اطراف کے راجے سوئیمبر (۵) میں شریک ہونے کے لئے وہاں آ گئے ۔ سری کشن بھی اُس طرح روانہ ہوئے ۔ دامودر جو ہمیشہ اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام کی فکر میں رہتا تھا ، یہ خبر سن کر اپنے باپ کا قصاص لینے کی نیت سے قندہار کی طرف نکل پڑا اور سری کشن کے خلاف قتل و خون و جنگ و جدل میں اُتر آیا ۔ آخر سری کشن کے ہاتھوں مارا گیا ۔ اس کی جشومتی رانی جو حاملہ تھی سری کشن کے حکم سے حکمران ہوگئی ۔ راجا دامودر کی سلطنت تیرہ سال تھی ۔

۳ ۔ جشومتی رانی

سنہ ۱۰ کل یگ میں اقبال مندی کے ساتھ تخت پر بیٹھی اور سلطنت کے اہم اُمور کو انجام دینے میں کارہای مردانہ کئے ۔ چونکہ راجا دامودر سے حاملہ تھی تو مقررہ ایام گذر جانے کے بعد اس سے بال گونند پیدا ہوا ۔ پندرہ سال تک حکومت کی ۔

۴ ۔ بال گونند

سلطنت کے اُمراء کے مشورے سے سنہ ۲۵ کل یگ میں بالغ ہو کر حکومت سنبھالی

۔سلطنت کے ضبط و انتظام کے عمل میں نیک نامی پائی۔آخر ہرن دیو کے ہاتھوں قتل ہوا۔
چالیس سال تک حکومت کی۔

یادداشتیں

(۱) راجا جسرتھ کا بیٹا راجا رام چندر ہندوستان میں ایک عظیم الشان راجا تھا۔ لیکن عالم شباب میں اپنی سوتیلی ماں کی خواہش پر اسے ملک سے نکال دیا گیا اور حمل پرگنہ کے ڈنڈک ون میں جنگل نشین ہوکر بارہ سال تک بھیک مانگتا رہا۔ آخر کار ہندوستان جاکر باپ کے ملک پر قابض ہوا اور لنکا کے حکمران راجا راون کے خلاف بڑی جنگ لڑی۔ بڑا نامی گرامی راجا تھا۔ اس کی حکایت راماین میں درج ہے۔

(۲) تیرتھ۔ سنسکرت زبان میں ہندوؤں کی عبادت کرنے کی جگہوں کا نام جیسے چشمے، عبادت خانے اور مندر وغیرہ۔

(۳) راکھشس۔۔ دیوؤں کی ایک قسم۔

(۴) تین کارن یعنی برہما، بشن، مہیشر۔

(۵) اگلے وقتوں میں جب ہندوستان کے راجاؤں کی بیٹیاں بالغ ہوجاتی تھیں تو ہندوستان بھر میں مشتہر کرا کے سبھی شہزادے وہاں جمع ہوجاتے تھے اور لڑکی کسی کو اپنے لئے پسند کرتی تھی اور اسی کے ساتھ اس کی شادی کردی جاتی تھی۔ اس عمل کو سوئمبر کہتے تھے۔

دوسرا تخت

پانڈوؤں کے بیان میں

وقائع کشمیر کے دیباچہ میں ملا احمد لکھتا ہے کہ ''یہ ناچیز مہابھارت کا ترجمہ کرنے کے بعد پادشاہ نور افشان، سایہ الٰہی، کجکلاہ، شہنشاہ، عادل، رعایا پرور، دین متین کے حامی سلطان زین العابدین، اللہ اس کی دلیل کو روشن کرے، کے حضور سے خاص طور پر کشمیر (اللہ تعالیٰ اس ملک کو تمام آفتوں اور ہلاکتوں سے محفوظ رکھے!) کے راجاؤں کی تواریخ کا ترجمہ کرنے پر مامور ہوا۔ واجب تعمل فرمان کی اطاعت کرنے کی عظیم کوشش ہوئی اور پُرانوں (۱) کی جستجو و تلاش اور قدیم زمانے کی ترنگنیوں (۲) جن کی تعداد پندرہ تک سننے میں آئی تھی اور جوذُوالچو کے حملے کے حادثہ اور بت شکن بادشاہ کے غالب آجانے کے باعث ہندوؤں کی پرانی کتابیں بالکل ہی نابود اور مفقود ہو چکی تھیں، کی بازیافت کی کوششوں کے نتیجے میں کافی جستجو کے بعد دستیاب ہوئیں۔ البتہ صرف کلہن پنڈت اور کھمیند را اور چھولا کر اور پدمہ مہر کی راز ترنگنیاں۔ ان میں کھمیندر کا قلمی نسخہ سخت مبالغہ گوئی کی وجہ سے فائدہ رسان نہیں تھا البتہ رازہ ترنگنیی وغیرہ کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اختتام تک پہنچا۔ اس کے بعد کئی سال بیت جانے پر پرجا پنڈت کی سعی و کوشش سے پنڈت رتنا گر کی تصنیف کی ہوئی تاریخ کے چند اجزا، جو بوجھ پتر کے ورقوں پر لکھے ہوئے تھے، دوران مطالعہ دستیاب ہوئے۔ ان

اوراق کے متن سے زمانہ کل یگ کے اوائل کے پنتیس راجاؤں ، جنہیں کلہن پنڈت نے اطلاعات کی تصدیق ہو جانے اور کتاب کے نایاب ہونے کی بنا پر بالکل ہی نظر کر دیا تھا، کا حال معلوم ہوا اور پادشاہ زمان (سلطان زین العابدین) کے حکم پر میں نے اپنے ترجمہ کے متن میں رتنا گر کی کتاب کا اضافہ اور اس کی تکمیل کر کے زمانے کے اصحاب دانش کے لئے خوشی و مسرت کا سامان مہیا کر دیا"۔ اس نامہ نگار (۳) نے صاحب وقائع کشمیر کے ترجمہ کے مطابق کلہن پنڈت کے نظر انداز کئے ہوئے راجاؤں کے حال سے شروع کیا اور گونند ثانی کے عہد تک احوال کی تصدیق اُسی کی تحریر سے ہے۔

۱۔ راجہ ہرن دیو

راجہ پریخت کے دوسرے بیٹے نے جو پانڈوؤں کی نسل سے تھا، اپنے بھائی جنمہ جے کے خلاف مخالفت کا جھنڈا بلند کیا۔ چونکہ اسکے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اس لئے اپنے مددگاروں کی ایک جماعت کے ساتھ چمنبہ کے پہاڑوں میں جا کر چھپ گیا۔ اور وہاں ایک پہاڑ کی غار میں ایک فقیر کو پایا جو نفسانی لذتوں کو ترک کر کے خداوند خالق قیوم کو بے خور و خواب مشغلہ کی راہ سے یاد کرتا تھا۔ بھاگ کر آیا ہوا راجا، جو زمانے کے ظلم کے ہاتھوں مقہور ہو چکا تھا، اس ریاضت کیش عابد کی قوم بوسی سے سرفراز ہوا اور وہیں پر اپنے نحوست کے ایام بیقراری و اضطراب میں گذارنے لگا۔

ایک روز یہ فقیر کامل اُس کے حُسن خدمات سے خوشدل ہوا اور اس کے دل کو

کامیابی کی خوشخبری اور کشمیر کی حکومت پانے کی بشارت دے کر خوش کر دیا۔ اُس کی بات پر یقین کر کے ہرن دیو مشرقی پہاڑوں کی راہ سے اپنے معاونین کے ہمراہ کشمیر کی جانب روانہ ہوا اور بال گونند کی فوج میں ملازمت کا رتبہ حاصل کرلیا اور ازلی خوش نصیبی اور فطری لیاقت سے راجا کی وزارت و وکالت کا افسر کل بن گیا اور سخاوت و خیرات سے فوج کے افسروں اور امراء دربار کو اپنا مطیع و فرمان بردار کرلیا۔ اور فرصت پا کر بال گونند کو اس کے متعلقین کے ہاتھوں قتل کرا دیا۔

اس کے بعد قسمت کی یاوری اور ارکان سلطنت کی معاونت سے ملک کا بادشاہ اور سلطنت کا مالک بن گیا۔ سخاوت و بخشش اور خیرات و انعام سے سب کے دل جیت لئے اور رعایا پروری و رحم دلی سے کام لے کر سروری کا ڈنکا بجایا۔ ملک کے اطراف میں ربط وضبط قائم کر کے ملک میں جمعیت و آبادی اور فوج و ذخایر کی کثرت ہوئی۔ تیس سال تک حکومت کرنے کے بعد اس فانی دنیا کو چھوڑ دیا۔

۲۔ راجہ رام دیو

سنہ ۹۵ کل یگ میں باپ کی جگہ حکومت کا جھنڈا بلند کر کے سلطنت کے ضبط و انتظام اور ملک کے بندوبست کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ بے حد احسان سے کام لے کر اپنی رعایا کے لئے شاہی خراج کا دسواں حصہ مقرر کیا اور مٹن ٹیلے پر بابل نامی شہر آباد کیا جو خاصا وسیع و عریض تھا اور جس میں عمارتوں کی تعداد گیارہ لاکھ لکھی گئی ہے۔ مارتنڈ میشور مندر جو ابھی بھی

ایک یادگار ہے، کو بھاری صاف وشفاف، رونما منقش اور اُبھرن کار متین و مضبوط پتھروں سے بنایا جس کی اُونچائی پچاس گز سے بھی اُوپر تھی۔ پتھروں کے جوڑ میں غور و گہرائی کے ساتھ دیکھنے پر معمولی سی شگاف بھی دیکھنے میں نہیں آتی جیسے پتھر کے ایک ہی ٹکڑے سے بنایا گیا تھا۔ بعض پتھر تین چار گز سے بھی زیادہ لمبے اور چوڑے ہیں۔ اس وقت بھی اگر ایک ہزار لوگ جمع ہو جائیں تو یہ پتھر ہل نہیں سکیں گے۔ باہر کے وسیع احاطہ میں ایک بلند دیوار بوجھل پتھروں کی ایوان کی تعمیر کے ساتھ جس کے چھجے دار طاقوں کے سامنے چاروں اطراف میں پہلو دار صاف وشفاف اور منقش اور طلا کاری سے ملع کئے ہوئے ایک سو بیس جفت ستونوں کی قطار کھڑی ہے، بطور یادگار باقی چھوڑی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس قسم کے مضبوط واستوار اور دل نشین تعمیر روئے زمین پر بہت کم دیکھنے کو ملے گی۔ دچھن پارہ کے پہاڑوں سے پانی کی نہر لا کر شہر کی شادابی وطراوت کو اس حد تک بڑھا دیا کہ اس کی نظیر دینا کے آباد حصے میں ممکن نہیں تھی۔

جب ملکوں کو فتح کرنے کے لئے جھنڈا بلند کیا تو پنجاب اور کابل اور ملتان کو فتح کرنے کے بعد مارواء کی طرف بڑھا اور اس ملک کو کچھواہہ کے تسلط سے آزاد کر کے وہاں کے سرداروں کی بیٹیوں کو اپنے محل خانے میں داخل کر دیا۔ اس کے بعد لکھنؤ جا کر اس پر قبضہ کیا اور وہاں کی حکومت اپنے بھتیجے کو سونپ دی اور وہاں سے بہت سا مال غنیمت لے آیا۔ تین سال کا عرصہ بیت جانے کے بعد قنوج چلا گیا اور وہاں دو سال تک ٹھہر کر مالوہ پر چڑھائی کی اور اسے اپنے قبضے میں لے آیا اور بہت سے قصبے آباد کئے۔ نرور قلعہ کی مرمت کی اور بیجانگر کے راجاؤں کی بیٹیوں نیز شیوہ رائے کی بیٹی کو اپنے عقد میں لے آیا۔ دو سال تک کوندہ وارہ میں رہا اور اکثر زمینداروں کو خاک میں ملا دیا۔ پھر وہاں سے سوالک کی پہاڑیوں

میں آکر وہاں کے اطراف کے تمام راجاؤں کو اپنا باج گذار بنایا اور کمایوں کے راجا سے جنگ کر کے اسے مغلوب کیا۔ آخر اُس کی بیٹی لے کر اسے حکومت لوٹا دی۔ وہاں سے نگرکوٹ کی طرف بھاگ پھیر دی اور اس جگہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ہنکوٹ پہنچا۔ وہاں سے دُرگا مندر کے پھیرے کرنے کو گیا اور وہاں کے راجا نے تحایف پیش کیئے اور نگرکوٹ کے راجا کی بیٹی کو اپنے بیٹے کے لئے نامزد کیا۔ وہاں سے قلعہ جموں کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں کے راجا نے کوئی صاجزی ظاہر نہیں کی اور جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ آخر شکست کھائی اور قلعہ فتح ہو گیا اور لوگوں کی کثیر تعداد کو قیدی بنالیا اور کافی مال و اسباب سمیٹ لیا۔ وہاں سے کشمیر لوٹ آیا۔ اور سال کے بعد پھر ہندوستان جانے کا عزم کیا اور ملتان سے کشتیوں میں سوار ہو کر بنگال کے حدود اور سمندر کے ساحل کی سیر کر کے قریب پانچ سو راجاؤں کو باجگذار بنا دیا اور لعل و جواہرات، مال و دولت اور ہاتھیوں کا ایک ہجوم پا کر قنوج کی راہ سے کشمیر لوٹ آیا اور ایک عظیم جشن ترتیب دیا۔ لاوروں پر نوازشیں کیں اور مال غنیمت کا تیسرا حصہ لوگوں میں بانٹ دیا۔

اہل ہند متفق ہیں کہ رام دیو جیسا عظیم الشان راجا کوئی نہیں تھا۔ اپنی ساری عمر میں تین لاکھ گائیں خیرات کیں اور فقیروں اور سادھوؤں کی بڑی خدمت کرتا رہا اور ان کو بخشش و انعامات دینے میں جوانمردی دکھائی۔

قصہ:

سِلَٹ (۴) کے ملک سے ہاروسوامی اور ماروسوامی دو کامل فقیر اُس سے ملے تھے جو ملکوں کو فتح کرنے کی مہموں میں ہمیشہ مدد کرنے اور معاونت کے لئے اُس کے ہمراہ جاتے تھے۔ یہ فقیر روحانی کمالات سے دربار میں سے غائب ہو جاتے تھے اور پھر لوٹ بھی آتے

تھے۔ مدتوں کھانے پینے بلکہ پاخانہ کرنے کی طرف رغبت نہیں کرتے تھے اور لوگ نہیں دیوتا یعنی فرشتہ صفت مانتے تھے۔

انہتر سال تک حکومت کر کے راجا نے اپنے فرزند کو جانشین بنایا اور خود ہرن کی کھال پہن کر پارتیشور کے مندر میں، جسے بھون چشمے پر بنایا تھا، اپنے مرشدوں کے ساتھ دس سال تک شریک صحبت و اُلفت رہا۔ اس کے بعد تینوں آدمی مندر سے غائب ہو گئے اور عنصر جسد کے ساتھ دینا سے چلے گئے۔

۳۔ راجہ بیاس دیو

۶۴ سمہ کل یگ میں شوکت وعظمت کے ساتھ تاج وتخت سنبھالا۔ باپ کی طرح عادل، سخی اور خیر خواہ تھا۔ ہندوستان کے اطراف سے وید پڑھنے والوں کو بلایا اور نادر علوم کو رائج کر کے جگہ جگہ مدرسے کھول دئے۔ سپاہ ورعیت کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتا تھا اور عدل و احسان اور بخشش وسخاوت اور انعامات کی راہ سے ملک کو شاداب و سرسبز اور پر رونق بنا دیا۔ اس کے باپ نے پانی کی نہر جو بابل شہر میں جاری کروائی تھی وہ جاڑے میں یخ بندی کی وجہ سے بند ہو جاتی تھی۔ راجا نے لوگوں کی بھلائی کے لئے شہر کے وسط میں ایک وسیع وعمیق تالاب جو چاروں طرف سے سنگین سیڑھیوں سے کھلا تھا بنوایا، جس کے فیض جاری سے شہر کے لوگ مستفیض ہوتے تھے۔ اس کے بعد ہندوستان کے مندروں کو دیکھنے کے لئے فقیری کا لباس پہن کر اکیلا چلا گیا اور لاکھوں روپے خرچ کئے۔ ان ہی دنوں میں مارواڑ کے حکمران

راجہ جسونت نے اپنی بیٹی کلا بون کے حق میں سوئمبر کو مشتہر کیا تھا۔ بیاس دیو جشن کے موقع پر اکیلا پہنچ گیا۔ دلہن نے دُور سے ہی دیکھ کر اسے پسند کر لیا اور اُس کے ساتھ بیاہ کر کے کافی سازو سامان کے ہمراہ کشمیر لوٹ آیا۔ سونے چاندی کے بنے مہادیو کے ایک ہزار بُت اور ننانوے عدد سالگرام بھی ہندوستان سے اپنے ساتھ لا کر انہیں مارتنڈ یشور کے مندر میں پرشش کے لئے رکھ دئے۔ چھپن سال تک حکومت کر کے وفات پائی۔

۴۔ راجہ دُرنا

باپ کی وفات کے بعد ۲۲۰ ھ (ک) میں تخت سلطنت کو رونق بخشی اور ملک کے ضبط و انتظام کا کام اپنی دلی مراد کے مطابق انجام دیا۔ معمولی لباس پہن کر اپنے باپ کے مندر کے دروازے پر بیٹھ کر صبح سے شام تک مظلوموں کی دادرسی کیا کرتا تھا۔ انصاف کے موقع پر ملزم کو دو فلوس کا جرمانہ کرتا اور بال برابر بھی کسی کو اذیت نہیں دیتا تھا۔ ظالموں کو سزا دینے کے لئے اپنے سامنے ایک شکنجہ کھڑا کروایا تھا اور پوری عمر میں صرف ایک آدمی کو شکنجے میں کس دیا تھا۔

راجہ جانداروں کا گوشت کبھی بھی نہیں کھاتا تھا اور نہ ہی بتوں کی پرشش کرتا تھا۔ کہتا تھا کہ پرستش کرنے سے افضل کام ہے انصاف کرنا۔ دکاندار لوگ اپنی دکانوں میں تالا لگائے بغیر ہی کھلا چھوڑ کر گھر جاتے تھے۔ اس کے زمانے میں لوگ ماؤں کی گود میں بچوں کی طرح آسودہ تھے۔ اس کی رانی مارگی دیوی نے کوٹھیر گاؤں میں مارگیشوری مندر بنایا۔ اٹھاون سال تک حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔

۵۔ راجہ سہم دیو

۲۷۸ھ (ک) میں باپ کی جگہ حکمرانی کا لباس پہن لیا اور سخاوت و فروان احسان سے لوگوں کے دلوں کو خوش کیا اور اپنی عمر عزیز کو سخت ریاضتوں اور بُت پرستی میں گذار دیا۔ ساری عمر جانداروں کے گوشت کو اپنے اُوپر حرام کیا اور دیہات اور مندروں کو از حد آباد کیا۔ سہم پور گاؤں میں اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ کشمیر کے اندر لوگوں کی آبادی کی جب کوئی گنجایش نہ رہی تو وہ پہاڑوں کے اُوپر جا کر رہے۔

اس کے چچازاد بھائی وشا گانے ایک زمیندار کی بیٹی پر عاشق ہو کر اس کے دامن عصمت پر ہاتھ ڈالا۔ انصاف پسند راجا نے اس بد باطن کو جان سے مار ڈالا اور اس کی ماں نے اس صدمہ جانکاہ سے اس کے شمشان (۵) پر جا کر خود کو آگ میں جلا ڈالا۔ اس واقعہ کے عمل میں آنے سے راجا نے چار دن تک درد جان سوز میں مبتلا رہ کر وفات پائی۔ اس کی مدت حکومت چوون سال لکھتے ہیں۔

۶۔ راجہ گوپال چند

۳۳۲ھ (ک) میں باپ کے مسند حکومت پر جلوس کیا اور جسمانی بیماریوں کی سختی اور اعضای بدن کی کمزوری کی وجہ سے ملک کے اہم اُمور کو دلی مراد کے مطابق انجام نہ دے سکا

اور ششو پال، جو اس کا وزیر با تدبیر تھا، ملک اور رعایا کے کاموں کو دیکھتا تھا۔ اس زمانے میں ختن کے راجہ نے کاشغر کے ملک پر چڑھائی کر کے اس پر قبضہ کیا اور وہاں کا حکمران جو گوپال دیو کا سالا تھا قتل ہوا۔ تب ششو پال نے بھاری لشکر کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے میں پہل کی اور ٹونگ نامی پہاڑ پر فریقین میں جنگ وکشت وخون ہوا۔ ششو پال کی فوج کی چھاؤنی پہاڑی درّہ کے ڈھلوان کے وسط میں تھی اور پہاڑ کی چوٹی سے پتھروں کے گولے بے درنگ طور پر لڑھکتے آتے تھے، جس کی وجہ سے ششو پال کی لشکر کے فوجی نہنگ مرگ کے چنگل میں آکر ہلاک ہو گئے۔ اس صدمہ کے واقع ہو جانے سے گوپال دیو ٹوٹ گیا اور جگر کے مرض میں مبتلا ہوا۔ اس کی حکومت تیرہ سال اور تین ماہ تھی۔

۷۔ راجہ وِزیانند

گوپال چند کا بھائی تھا اور ۳۴۵ (ک) میں تاج شاہی سر پر رکھا۔ سلطنت کے ضبط وانتظام کے بعد پچاس ہزار جنگجو سواروں کے ہمراہ اور ایک لاکھ پیادہ سپاہیوں کے ساتھ کاشغر پر چڑھائی کی اور ختن کے راجا سے عظیم جنگ کی اور قسمت کی یاوری سے ختن اور کاشغر کو مسخر کر لیا اور صلح کی حالت میں ختن کے راجا کی بیٹی کے ساتھ بیاہ کیا اور ختن کی حکومت اسے واپس کر کے لوٹ آیا۔

اطراف میں نظم وضبط اور عدل وانصاف کرنے میں باپ کی طرح توفیق پائی۔ بیج بہاڑہ میں کمال استحکام اور سنگینی ورنگینی کے ساتھ تین سو گز اُونچا وزیہ ایشری مندر بنایا اور اس

کے درمیان مقناطیس کے زور سے یا طلسم کی طاقت سے ایک گائے کو معلق کروایا جس کا جسم دھاتوں کی صنعت گری تھا۔ اس مندر پر ملمع کاری کرنے میں دس لاکھ اشرفیاں خرچ کیں۔ پچیس سال تک حکومت کی۔

۸۔ راجہ سوکھ دیو

گوپال چند کا بیٹا تھا اور ۳۷۰ھ (ک) میں سلطنت کی دلہن سے بغل گیر ہوا۔ ہمیشہ عیش وعشرت اور سیر وشکار میں مصروف رہا۔ ملک داری کی بھاگ دیانند کے بیٹے رامانند کے ہاتھ میں دی اور ملک کے ضبط وانتظام کے قائم ہونے میں فتور آ گیا۔ چنانچہ پنجاب کے حدود پر دہلی کے حکمران راجا چتراتھ کا قبضہ ہو گیا اور ترکستان کے ممالک بھی ہاتھ سے چلے گئے اور ملکی ذخائر اور فوج میں کمی آ گئی۔

اس کے بعد رامانند نے بغاوت اور سرکشی کر کے سوکھ دیو کو امرناتھ کی پہاڑیوں میں شکار کرتے ہوئے گرفتار کیا اور لبوڈری دریا میں غرق کر کے جان سے مار ڈالا اور خود کمال آزادی کے ساتھ بادشاہی تخت پر بیٹھ گیا۔ سوکھ دیو کی حکومت چوالیس سال تک رہی۔

۹۔ راجہ رامانند

۴۱۴ھ (ک) میں شان وشوکت کے تخت پر بیٹھا۔ کشمیر کے مضافات میں ربط وضبط

قائم کیا اور جموں کے راجا کی صحیح چارہ جوئی کر کے نگر کوٹ کو فتح کیا۔ رعایا کے حق میں شاہی خراج کا پانچواں حصہ مقرر کیا اور اکثر سرکشوں کو تلوار کی کاٹ سے گذار دیا۔ ملک کے انتظامی اُمور کی طرف متوجہ رہ کر بندگان خدا کے دل خوش کر دئے۔ اس کی حکومت ستاون سال تک رہی۔

۱۰۔ راجہ سندیمان

باپ کا جانشین ہو کر ۱۷۴۱ء (ک) میں عدل و احسان کے ساتھ عروس مملکت کو آراستہ کیا اور شمالی پہاڑوں کے دامن میں سندمت نگر نام کا ایک وسیع شہر بسایا جس کے بیچ میں سے بہت (٦) دریا بہتا تھا۔ اس دریا کے کنارے بلند عمارتیں اور اُونچے اُونچے شاہی قصر تعمیر کئے اور اکیس سنگین مندر بھی بنوائے جن میں مہادیو مندر کافی بلند اور سخت محکم تھا اور اس میں سونے اور چاندی کے بنے تین سو بت مہادیو کے رکھ دئے تھے اور ان میں دو بت مرصّع کار اور عجائب روزگار تھے۔ زیشٹیشور مندر جو کوہ سلیمان پر واقع ہے کو بھی اس نے نیک کاموں کی یادگار چھوڑ دیا ہے۔

اس کے بعد بھاری لشکر کے ساتھ ہندوستان کا عزم کر کے قنوج تک فتوحات کیئے۔ ہندوستان میں کئی جگہوں اور مندروں کو دیکھنے کے بعد اس نے کابل اور قندہار پر چڑھائی کی اور قندہار کے راجا نے پناہ میں آکر اپنی بیٹی پارتی دیوی پیشکش کی۔ وہاں سے لوٹ کر اٹھک (۷) دریا میں کشتی ڈوب گئی اور پارتی دیوی نہنگ مرگ کا لقمہ بن گئی اور راجا نہایت مغموم و محزون ہوا۔ قندہار کے راجا نے اپنی دوسری بیٹی جو پہلی سے بہت خوبصورت

تھی، بھیج دی اور اس کا دل خوش کر دیا۔ پانسٹھ سال تک حکومت کی۔

۱۱۔ راجا مرہن دیو اور کامن دیو

باپ کے انتقال کرنے کے بعد مرہن دیو نے ۵۳۶ھ (ک) میں حکومت کا تاج سر پر رکھا اور اپنے چھوٹے بھائی کامن دیو کو وزارت کا رتبہ دیا۔ کچھ عرصہ بعد فساد و جھگڑے کی بنا پر دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے اور جنگ و جدال تک نوبیت آ گئی۔ ملک کے امراء نے کشمیر کو اُن میں دو حصوں میں بانٹ دیا۔ مشرقی حصہ پر مرہن دیو قابض ہو گیا اور شمالی حصہ پا کامن دیو۔ مرہن نے مرہامہ گاؤں آباد کیا اور وہاں ایک اُونچا مندر بھی بنوایا اور عدل واحسان اور کثرت سخاوت سے خدا کے لوگوں کے دل خوش کر دئے۔ کامن دیو نے سندمت نگر کو اپنا حکومتی مرکز بنا کر رعیت پر ظلم و جور کیا اور بندگان خدا کو بہت رنج دئے۔ چنانچہ اکثر لوگ وطن چھور کر مرہن دیو کی حکومت میں آ کر آسودگی سے رہنے لگے۔

اسی زمانے میں دُمدار ستارہ طلوع ہوا جو رات کو کامل چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اسی سال کثرت سے بارش برستی رہی۔ چکدر کے مقام پر ایک عظیم البدن سانپ آسمان سے گرا جو دو دنوں تک حرکت میں رہا۔ سال بھر تک اس کی لاش ضائع نہیں ہوئی۔ اس زمانے میں بالائی حصے کو مرہن راج اور نچلے حصے کو کامن راج کہتے تھے۔ آہستہ آہستہ مراج اور کامراج ناموں سے مشہور ہوئے۔ مرہن نے پچپن سال تک حکومت کی۔

۱۲۔ راجہ چندردیو

591ھ (ک) میں باپ کی وفات کے بعد کامن دیو کو جادو کے زور سے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا اور اس کے بیٹے دُرگہہ دیو کو قید کر دیا۔ پھر اس کے بعد کامل آزادی کے ساتھ رات دن عیش و سرور میں مست رہا اور رعایا کے اُمور میں غور و خوض کرنے سے قاصر۔ تین سو ساٹھ عورتیں بیاہ میں تھیں اور سال بھر کے ایام میں ہر ایک کے ساتھ لہو و لعب میں مشغول رہتا تھا۔ باون سال تک حکومت کی۔

۱۳۔ راجہ آنند

چندردیو کا بھائی تھا۔ ۶۴۳ھ (ک) میں راجگی کا لباس پہننے کے بعد ظلم و جبر کا جھنڈا بلند کیا۔ بے حد ظالم اور بے خوف آدمی تھا اور بھائی کے برعکس سزا دے دے کر ہزار ہا لوگوں کو پھانسی کے تختے پر چڑھایا۔ اٹھائیس سال تک حکومت کر کے وفات پائی۔

۱۴۔ راجہ دُرپتا دیو

باپ کی وفات کے بعد ۶۷۱ھ (ک) میں راجگی کا تاج سر پر رکھ کر رعایا پروری

اور انصاف گستری کو اپنا شعار بنالیا۔ شارگاؤں میں جوالا مکھی مندر بنوایا۔

قصہ:

کہتے ہیں راجا بہت دلاور اور طاقتور تھا۔ ایک دن راہ میں ایک پتھر دیکھا جو ایک سو من سے زیادہ وزنی تھا۔ بائیں ہاتھ سے اٹھا کر اسے ایک طرف کو رکھ دیا۔

آخر اس کے بھائی ہرنام دیو نے بغاوت کی اور فریقین نے جنگ و جدل میں خونریزیاں کیں۔ اچانک دُرتپا دیو کی آنکھ میں ایک تیر آکر لگا جس سے اس کی جان گئی۔ اکیاون سال تک حکومت کی۔

۱۵۔ راجہ ہرنام دیو

۲۲ھ (ک) میں حکومت کا ڈنکا بجا کر شراب خوری، نغمگی اور عیش اور عشرت میں مشغول رہا۔ انگور کے باغ لگوا کر گھر گھر میں شراب خانے بنوائے اور اعلیٰ و ادنیٰ کو شراب نوشی کی طرف راغب کر دیا۔ اس کے شاہی محل کے صحن میں شراب سے پر ایک حوض تھا جہاں سے عموماً شراب پیتے تھے اور نشے کی حالت میں سخت سزا دیتا تھا اور لوگوں کی عورتوں کو جبراً لے لیتا تھا۔

آخر اس کے سپہ سالار دُرگا نے اسکی بدبختی کی وجہ سے مخالفت کا جھنڈا بلند کیا اور ایک دوسرے کے خلاف جنگ کی اور خون کی ندیاں بہائیں۔ بالآخر دُرگا فتحیاب ہوا اور اس نے شاہی محل میں آگ لگادی اور بابل شہر کا ایک حصہ بھی خاکستر کر ڈالا۔ اس کے بعد شہر کے

لاکھوں لوگ اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے دُرگا کی فوج پر حملہ کر کے اسے زیروزبر کیا اور دُرگا کے بدن کو تیر و تلوار کے زخموں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کی پاداش میں راجہ ہرنام دیو نے رعایا کے خراج کو دو سال تک معاف کر دیا۔ چند مہینوں کے بعد دُرگا کے بیٹے رنگو نے بدمعاشوں کے ایک گروہ کے ساتھ مشورہ کر کے راجہ نامور کا اپنے باپ کے قصاص میں شکار گاہ میں موت کا شکار کیا۔ اُس نے اُنتالیس برسوں تک حکمرانی کی۔

۱۶۔ راجہ سُلکن دیو

۶۱ھ (ک) میں باپ کی بادشاہی کے تخت پر حکمرانی کا تاج سر پر رکھا۔ دن رات عیش و نشاط اور لہو و لعب میں مصروف رہا کرتا تھا۔ البتہ انصاف اور عدل و داد سے کام لیا۔ ہفتے میں سنیچر کے دن ملکی اُمور انجام دیتا تھا اور انصاف و سزا سے کام لیتا تھا۔ باقی چھ دن عیش و عشرت میں گذارتا تھا۔ اٹھائیس سال تک حکومت کر کے فوت ہوا۔

۱۷۔ راجہ سینادت

۸۹ھ (ک) میں باپ کا تاج سر پر رکھا۔ بے وقوفی اور غرور میں نادرۂ زمان تھا۔ ایک دن ہاتھ میں آئینہ لے کر اپنے حسن کا مشاہدہ کر رہا تھا اور اس کی بیوی اس کے کندے پر سر رکھ کر آئینہ میں ظاہر ہوئی۔ اس پر راجہ نے اس کو سخت تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ تجھے اس

آئینہ والے کے ساتھ عشق ہوگا۔ یہ کہہ کر فوراً ہی اس کی ناک کاٹ دی۔

کہتے ہیں اپنے وزیر کو حکم دیا کہ میرے لئے جنت کی ایک حور ہونی چاہیئے۔ وزیر مجبور ہوا اور اس نے ایک حسین وخوش صورت لڑکی کو لباس وزیور سے آراستہ کر کے پیش کیا کہ یہ جنت کے داروغہ کی بیٹی ہے اور ایک کروڑ سونے کے دنیار مہر کے طور پر چاہتا ہے۔ راجہ نے فوراً ایک کروڑ دینار اس کو دے دئے۔ وزیر اپنے دل کے مراد کے مطابق ملکی کام انجام دیتا تھا اور راجہ فقط دیوار پر ٹنگے ہوئے ایک نقشے کی مانند تھا۔ سترہ سال تک حکومت کر کے وفات ہوئی۔

۱۸۔ راجہ منگلا دت

۸۰۶ء (ک) میں اپنے بھائی کو اس کی خوابگاہ میں قتل کر کے اُمرای ملک کی اعانت سے حکومت کا تاج سر پر رکھا۔ انگور کے باغات کو ترقی دینے میں بہت کوشش کی کہ ہر گھر میں شراب خانے جاری کر دئے۔ شراب کو اس حد تک ترقی دی کہ شراب کی آمدنی سے خزانے میں لاکھوں روپے جمع ہوگئے۔ ساز وسرور سے کبھی بھی غافل نہیں رہتا تھا اور قمار بازی اس حد تک پہنچی کہ اعلیٰ اور ادنیٰ سب اس میں مشغول رہتے تھے۔

اس کے زمانے میں ہوا میں دھواں پیدا ہو گیا، جس کے بخارات سے بہت سے لوگ مر گئے۔ انتالیس سال تک حکومت کی۔

۱۹۔ راجہ کھیمہ اندر

۸۴۵ء (ک) میں باپ کے مسند حکومت پر بیٹھا۔ اطراف میں ربط و ضبط قائم کرنے کے بعد عیش و عشرت کی طرف مائل ہوا۔ سیر و شکار کا بہت شوقین تھا۔

قصہ:

کہتے ہیں کہ راجہ نے جادو منتر سیکھ لیا تھا کہ جادو کے زور سے لوگوں کے گھروں میں داخل ہو کر کوئی اُس کو نہیں دیکھ پاتا تھا اور بیگانی عورتوں کے ساتھ بدکاری کر کے اپنا منہ کالا کرتا تھا۔ ایک دن اپنے وزیر دُرنا کے گھر میں گھس کر اس کی بیوی کے ساتھ مباشرت کی اور وہاں پر اُس کے ہاتھ کی سونے کی انگوٹھی گر گئی جو وزیر کے پاس پہنچی۔ وزیر نے انگوٹھی کو پہچان لیا اور اس کے سینے کی بھٹی میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور رات کے وقت راجا کو اس کے اپنے ملازموں کے ہاتھوں قتل کروا دیا۔ راجہ نے عدل و انصاف کے ساتھ چھیاسٹھ سال گذارے۔

۲۰۔ راجہ بھیمہ سین

۹۱۱ء (ک) میں ملک کے اُمراء کی اعانت سے باپ کے مسند حکومت پر بیٹھا۔ بہت بہادر اور دلاور آدمی تھا اور بیباکی و سخت دلی میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا اور شرانجوری و

بدکاری سے بھی لحظ بھر دُور نہیں رہتا تھا۔ رعایا کے باج وخراج میں اضافہ کر کے کثرت کے ساتھ بدعتوں کو رائج کیا۔

دریائے بہت کے کنارے پر کوٹیشور مندر بنایا۔ سمپور گاؤں بھی اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔

ختن کا راجا چونکہ کاشغر کے ملک پر پہلے ہی قابض تھا اس لئے راجہ بھیمہ سین نے ایک بھاری لشکر کو اس پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جب وہ قراقرم پہاڑ پر پہنچے تو سب کے سب برف کے نیچے غرق ہو گئے اور ایک کو بھی زندہ نہیں پایا گیا۔

راجا کے زمانے میں ترجُن نامی ایک جادوگر ہندوستان سے آیا جو جادو کے زور سے لوگوں کو اندر سے بیمار کر دیتا تھا اور ظاہر میں ایک طبیب کی صورت میں مریض سے زر کثیر لے کر اس کو پھر سے ٹھیک کرتا تھا۔ ایک روز اس نے جادو سے رانی کو مریض کر دیا اور اس سے ایک ہزار اشرفیاں لے لیں۔ اس کے شاگرد نے راجا کو آشکار کیا اور جادوگر ندکور پھانسی پر چڑھایا گیا۔

قصہ:

کہتے ہیں پھانسی کے تختہ پر اُس نابکار کی صورت ریچھ کی سورت میں بدل گئی۔

راجا نے اکسٹھ سال سات ماہ تک حکومت کی۔

۲۱۔ راجہ یندر سین

۹۷۲ھ (ک) میں اُس کے بیٹے یندر سین نے حکومت کا خلعت پہن کر ملک میں

فسق و فجور اور شراب خوری اور جوا کھیلنے کے کاموں کو رواج دیا۔ خاص اور عام لوگ بُرے کاموں میں اس حد تک مبتلا ہوئے کہ خدا کے نام تک کو بھول گئے۔ اور ملک کی جاہ و ثروت اور آبادی اس حد تک بڑھی کہ ہر کوئی فرعون کی طرح مغرور ہو گیا۔ راجہ خود عیش و نشاط اور لہو و لعب میں مصروف رہا کرتا تھا اور اس کا وزیر شور اِندر حکومت کا انتظام سنبھالتا تھا۔

آخر راجا اپنے وزیر سے بد دل ہو گیا اور فوراً اسے عہدے سے معزول کیا۔ وزیر نے شورش کر کے جنگ میں اسے مغلوب کیا۔ بالآخر وزیر اپنے گھوڑے سے (میدان جنگ میں) لڑھک کر گر گیا اور راجا کے ہاتھوں اسیر ہوا۔ راجا نے اس کے بدن سے کھال اُتار دی۔ نیز نگرکوٹ کے راجا نے راجا سے سرکشی کی اور جنگ میں قتل ہوا۔

راجا کی حکومت کی مدت چھیالیس سال تھی۔

۲۲۔ راجہ سُندر سین

سنہ ۱۰۱۸ (ک) میں اُس کا بیٹا سندر سین راجگی کے تخت پر قدم رکھتے ہی عیش و سرور اور فسق و فجور میں مشغول ہو گیا۔ اَلنّاسُ عَلٰی دِینِ مُلوکِھِم (لوگ بادشاہ کی راہ و روش پر چلتے ہیں) کے مطابق لوگ راجا ہرنام دیو کے عہد کے ابتداء کی طرح فسق و فجور، شراب خوری اور قمار بازی کا ارتکاب کرنے لگے۔ وہ خدا کے نام تک کو بھی زبان پر نہیں لے آتے تھے۔ اور فرعونی قوم کی مانند خدائی نعمتوں سے منہ موڑ کر خالق حقیقی سے سرکشی کر کے گلی کوچوں اور بازاروں میں بلا کسی خوف کے حیوانوں کی طرح بدکاری کیا کرتے تھے۔

کہتے ہیں ایک شخص اپنی بیٹی کے ساتھ بدکاری کا مرتکب ہوا تھا۔ اس کے شوہر نے راجا کے سامنے استغاثہ پیش کیا۔ راجا نے راز کو فاش کرنے کے جرم میں فریادی کو جیل بھیج دیا اور ملزم کو رہا کیا۔

مالک حقیقی نے اس قوم کو آگاہ اور نصیحت کرنے کے لئے ایک عابد و زاہد اور ریاضت کیش شخص کو جو کمہاروں کی قوم سے تھا اور نندہ گپت نام رکھتا تھا، الہام بھیجا کہ جا کر اس مفسد قوم کو وعظ ونصائح کے ساتھ بدکاری اور گناہوں کے ارتکاب کرنے سے باز رکھے اور سعادت وہدایت کی راہ دکھائے۔ خدا کے حکم سے یہ کمہار اس بد بخت قوم کو کافی وعظ و نصیحت اور بے حد پند و وصیت کی راہ سے نجات کے راستے پر لانے کی کوشش کرتا رہا لیکن کسی ایک نے بھی رضا مندی کے کانوں سے اس کی نصیحتیں نہیں سنیں بلکہ مخول و تمسخر کے ساتھ پیش آئے اور اسے اذیت پہنچائی۔ تب مالک حقیقی کے الہام سے وہ کوزہ گر اس پہاڑ پر پناہ گزین ہوا جسے کرالہ سنگر کہتے ہیں اور اُس حقیقی انتقام گیر کے حکم سے رات کا ایک پہر ڈھلنے کے بعد ایک سخت بھونچال آگیا، جس کے ایک جھٹکے سے شہر کے وسط کی زمین دھنس گئی اور سخت زور کے ساتھ پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا، جسے اس وقت وُلرناگ کہتے ہیں اور اسی زلزلے کے صدمے سے بارہ مولہ کی طرف کھادہ نیار کے متصل پہاڑ کا ایک حصہ لڑھک کر نیچے آیا، جس سے پانی کی راہ مسدود ہوگئی۔ اس وجہ سے پانی کا ایک سیلاب جوش میں اُبھر آیا جس نے اس قوم اور شہر کو پل بھر میں سزا وعتاب کے گرداب میں غرق کر دیا۔ چنانچہ اس شہر کی نشانیاں اور علامتیں اُولر جھیل میں ابھی بھی موجود ہیں۔ اس کی کیفیت جھیل اُولر کے بحث میں بیان کی گئی۔ سندر سین کی حکومت اکتالیس سال تک رہی۔

آگاہی:

پوشیدہ نہ رہے کہ پانڈوں کے فرقے کے راجاؤں کی بائیس پشتوں تک ایک ہزار سال تک اس ملک میں حکومت رہی اور خدا کی نعمتوں کو ٹھکرانے اور گناہوں کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے جس پر کئی پشتیں اُن کی اصرار کرتی رہیں، قہر الٰہی سے فوراً مٹ گئیں۔ ان کی حکومت کے مٹ جانے کے بعد کشمیر میں دو ایک مہینوں تک استحکام نہیں رہا۔ پہاڑوں کے اُوپر اور دامن کوہ میں جو لوگ موجود رہ گئے تھے انہوں نے باہمی اتفاق سے راجہ لو کو جو مالوہ کے راجاؤں میں سے لولاب کے حدود میں رہتا تھا۔ راجگی پر فائز کر کے اس کی اطاعت کا طوق اپنی گردن میں ڈال دیا۔

یادداشتیں

(۱) پوران ہندوؤں کی مذہبی اور علمی کتابیں ہیں اور سنسکرت میں لکھی گئی ہیں۔ تواریخ کی کتابیں بھی اسی نام سے مشہور ہیں۔

(۲) ترنگینی کے معنی ہیں گہرا سمندر۔ اور رازہ ترنگینی کے معنی ہیں راجاؤں کے حوال کا سمندر۔

(۳) مُصنف۔

(۴) سلہٹ (بنگال)۔

(۵) وہ جگہ جہاں پر ہندو اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔

(۶) دریائے جہلم۔

(۷) اٹک دریا۔

تیسرا تخت

ا۔ راجہ لَو

ملک کے اُمراء کے اجتماعی مشورے سے ۱۰۵۹ (ک) میں حکومت کے تخت پر بیٹھ کر رعایا کی بہبودی، اُن سے انصاف کے ساتھ پیش آنے اور عام لوگوں کو خوش رکھنے میں نیک نامی پائی اور کشمیر کے اطراف میں ربط وضبط قائم کر کے دشمنوں کو ڈرانے دھمکانے کا کام عمدگی کے ساتھ انجام دیا اور اپنی زندگی کو کامرانی وشادمانی میں بسر کیا۔

درہ لولاب میں شہر لولو کو کثیر عمارتوں، دلپزیر دکانوں اور سڑکوں کے ساتھ بسایا جس میں کلہن پنڈت کے بقول اسی لاکھ مکان اور بقول رتنا گر اسی ہزار مکان بنائے جانے کی بات مشہور ہے۔ راجا کی حکومت ساٹھ سال تک رہی۔

۲۔ راجہ کوشی شی

راجا لَو کے بیٹے کوشی شی نے ۱۱۱۹ (ک) میں حکومت کا تاج سر پر رکھ دیا اور کولر گاؤں (ا) کو برہمنوں کی جاگیر میں دے دیا۔ اس کی مدت حکومت ستر سال تھی۔

۳۔ خگندر

۱۱۳۶ھ (ک) میں اُس کے بیٹے نے تخت آرا ہو کر شہر کا کا پور اور کھونہ مُوہ، جواب دو گاؤں ہیں، کو اپنے حکومتی شہر بنانے کے لئے بسایا اور تیس سال تک حکومت کر کے فوت ہوا۔

۴۔ راجہ سُورِ اندر

۱۱۶۶ھ (ک) میں باپ کی جگہ حکومت کا تاج سر پر رکھا۔ سُوند (۲) اور شورت (۳) گاؤں بسا کر برہمنوں کو دے دئے۔ کہتے ہیں اس کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ صرف کتابوں نام کی چاند جیسی حسین بیٹی تھی، جو حسن سیرت و خوش صورتی سے آراستہ اور تمام علوم وفنون سے پیراستہ تھی۔ ایک روز ایران سے ایک سوداگر نفیس ہیرے جواہرات کے ساتھ راجا کے پاس آیا۔ جوہر شناسی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے راجا نے اس کی طرف کوئی زیادہ توجہ نہیں کی۔ سوداگر جب مایوس ہو گیا تو اس نے خود کو راجا کی بیٹی کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے تاجر مذکور سے سارے جواہرات خرید کر شایانِ مال قیمت اور بہت سا انعام دے کر اسے خوشدلی کے ساتھ رخصت کیا۔

اس کے بعد سوداگر نے اس لڑکی کی تعریف وتوصیف ایران کے بادشاہ بہمن اسفندیار کے پاس کی۔ بہمن اُس کے حسن و جمال اور اطوار و کردار پر عاشق ہوا اور حکیم

طاماسپ کولڑکی خواستگاری کے لئے راجا کے پاس بھیج دیا۔ راجا نے کتابوں کا عقد اس کی رضا کے مطابق بہمن کے ساتھ منعقد کر کے بہت سے تحائف ونفائس کے ساتھ اس کے دُودھیا بھائی لولُو کے ہمراہ بہمن کے پاس روانہ کر دیا اور بہمن کمال خوشنوی سے اپنی اس انیس جان کے ساتھ عیش وکامرانی کی زندگی بسر کرتا رہا۔ چند برسوں کے بعد لولُو کی غداری کے باعث، جو اسکی بیوی کا دُودھیا بھائی تھا، اس فانی دنیا سے چل بسا اور اپنی سلطنت بھی کھو دی۔ آخر لولُو بھی اپنے کردار کا قصاص پا چکا۔ راجا کی حکومت سنتالیس سال تک رہی۔

۵۔ راجہ گودر

راجہ گودر نے، جو ایک دوسرے خاندان سے تھا، ۱۲۱۳ھ (ک) میں حکومت کا تاج سر پر رکھا۔ ہست ھیل (۴) اور گودھر آباد (۵) گاؤں بسائے اور اُن کو برہمنوں کے لئے وقف کر دیا۔ بتیس سال تک حکومت کی۔

۶۔ راجہ سوَرن

راجہ گودر کا بیٹا راجہ سورن ۱۲۴۵ھ (ک) میں باپ کی جگہ پر بیٹھا اور پرگنہ آڈون کو بسایا اور اسکی شادابی وطراوت کے لئے سُونہ من نہر نکالی۔ رعایا پروری میں مدت تک بہت یاد کیا گیا ۔ پنتیس سال تک حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔

۷۔ راجہ جنک

باپ کی جگہ پر ۱۲۸۰ھ (ک) میں حکومت پر مقرر ہونے کے بعد نیک نامی کے ساتھ ایام بسر کئے۔ کامراج کے حددو میں دو گاؤں بسائے۔ ایک کا نام زالُور رکھا اور دوسرے کا باغ زالُور۔ خیرات وسخاوت میں بتیس سال تک حکومت کر کے فوت ہوا۔

۸۔ راجہ سچی نر

۱۳۱۲ھ (ک) میں باپ کی حکومت کا لباس پہن کر ربط وضبط اور نظم ونسق بعمدگی کے ساتھ قائم کیا۔ کوٹھار میں شانکس گاؤں اور وُہور پرگنہ میں شارنامی گاؤں بسائے۔ چالیس سال تک حکومت کی۔

۹۔ راجہ گلگندر

سچی نر کا بھتیجا تھا اور ۱۳۵۲ھ (ک) میں حکومت کے مسند کو رونق بخشی۔ عدل و احسان کثیر کے ساتھ سب کو آسودہ رکھا اور مضافات میں نظم وضبط اور قانونی معاملات کو دل

پسند آئین کے ساتھ جاری کیا۔ کامراج کے حدود میں ایک اُونچے ٹیلے پر نونگر نام کا ایک شہر بسایا، جس کی عمارتوں کی تعداد مورخوں نے تیرہ لاکھ لکھی ہے۔ رنبی آرہ ندی کی سر بندی کر کے شہر کے درمیان ایک نہر جاری کی۔ شہر میں بہت سے مندر یادگار چھوڑے۔ پینتالیس سال تک حکومت کر کے وفات پائی۔

۱۰۔ راجہ بلدیو

۱۳۹۷ھ (ک) میں باپ جانشین ہوا اور عدل و رافت اور سخاوت کی راہ سے سعادت پانے میں کامیاب تھا۔ بلہ پور گاؤں بسایا۔ کہتے ہیں راجہ بھبیکم اُجین کا حکمران تھا۔ اس نے کشمیر پر تسلط کرنے کے لئے ایک کثیر فوج بھیج دی۔ راجا بلدیو اُس سے مقابلہ کرنے نکلا اور دشمن کو لڑائی میں مغلوب کیا۔

راجہ کی ایک بیٹی تھی جس کا نام ھیہ مال دیوی تھا اور اُس کے حسن و جمال پر جنوں کی قوم کا ناگی ارجن نامی ایک جن عاشق ہوا۔ آخر کافی مصائب برداشت کرنے کے بعد دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ عقد ہو گیا لیکن ان کی پھر سے جدائی ہو گئی۔ یہ قصہ پنڈت رتنا گر نے بہت طول دے کر لکھا ہے۔ جس کی خواہش ہو اس کے متن میں ڈھونڈ لے۔ راجا نے ترپن سال تک حکومت کر کے وفات پائی۔

۱۱۔ راجہ نل سین

۱۴۵۰ء (ک) میں باپ کی سلطنت سنبھالی ۔ بے حد ظالم اور خونریز راجا تھا۔ خدا کے لوگوں کو مصیبتوں اور تکلیفوں سے بہت ستایا۔

قصہ: کہتے ہیں اپنی حکومت کے دوران اس نے ایک لاکھ آدمیوں کو قتل کیا۔ اس کا نام خونریزی میں ابھی تک ہر خاص و عام کی زبان پر مشہور ہے کہ نیچ کمینے لوگوں کو نل سین کہتے ہیں۔ آخر اس کے شاہی محل میں آگ لگ گئی اور اپنے تین بیٹوں اور بیوی سمیت آگ کے نہنگ کی غذا بن گیا ۔

آہ مظلومان کند فرزند ظالم را کباب

(مظلوموں کی آہ ظالم کے فرزندوں کو بھون ڈالتی تھی)

خونریزی اور بیا کی میں پچیس سال گذار کر مر گیا۔ لعنۃ اللہ علی الظالمین (لعنت ہو اللہ کی ظالموں پر!)

۱۲۔ راجہ گوکرن

راجہ گوکرن نے ، جو جموں کے راجاؤں کی قوم سے تھا، اُمراء کے اتفاق سے ۱۴۷۵ء

(ک) میں حکمرانی کا جھنڈا بلند کیا اور خدا کے بندوں کے دل عدل وانصاف اور انعام و خیرات سے خوش کر کے ہر بلند و پست کو راضی رکھا۔

جب ہندوستان کی عبادت گاہوں اور مندروں کو دیکھنے کی خواہش میں ہندوستان گیا تو قنوج کے راجا نے اس پر لشکر کشی کی لیکن آخر میں صلح کر لی۔ اس کے بعد راجا نے تیرتھوں کا طواف کر کے لاکھوں روپے خیرات کیے اور تین سال کے بعد لوٹ آیا اور پردمن پیٹ (۶) پہاڑ کے دامن میں شارکا دیوی مندر کمال بلندی کے ساتھ تعمیر کیا اور برنڈ گاؤں اس کے مصرف کے لئے جاگیر کے طور پر وقف رکھا۔ چھتیس سال تک حکمرانی کی۔

۱۳۔ راجہ پرہلاد

اس کا بیٹا راجا پرہلاد ۱۵۱۱ھ (ک) میں تخت شوکت پر بیٹھا اور شیرہ کوٹ (۷) پہاڑ پر تیشورنامی مندر بسایا۔ دُرنا نامی ایک فقیر ہاتھ لگا جس کی تربیت پا کر دنیا سے اس کی تسلی ہو گئی اور اپنے وزیر بمبور کو حکومت دنیا پر مقرر کر کے خود سنیاسیوں (۸) کا لباس پہن لیا۔ گیارہ سال تک حکومت کی۔

۱۴۔ راجہ بمبُور

۱۵۲۲ھ (ک) میں راجگی کا تاج سر پر رکھا۔ رعایا پروری اور عدل گستری میں ممتاز

تھا۔ حسن انتظام مملکت سے ہر خاص و عام کے دلوں کو خوش کر دیا۔ اچانک اپنے چچیرے بھائی کی بیوی پر، جس کا نام لُولرِی تھا عاشق ہو گیا اور ایک عرصے تک اندرونی سوزش سے دلخون تھا۔ بالآخر نالہ وفریاد کرنے لگا کہ

عشق و مشک را نتوان نہفتن

(عشق اور خوشبو کو چھپایا نہیں جاسکتا)

اور مجنون کی مانند صحراؤں کی طرف نکل کر کچھ کھائے پیئے اور سوئے بغیر بے قراری و اضطراب میں سیماب کی طرح تڑپتا رہا اور عاشقانہ ترانے گاتا رہا اور دردمند گیت کہنے لگا۔ رات دن اُس کی زبان پر لولو۔ لولو رہتا، چنانچہ لُولُو اور لُولَری اور بمنبُرو کے گیت مشہور ہیں۔ بالآخر لُولری بھی اُس پر عاشق ہو گئی اور دنوں کو قید میں ڈال دیا گیا یہاں تک کہ بمبُور جان سے گیا اور اُسی لمحہ لُولری نے بھی اپنی جان دے دی اور دنوں کو ایک ہی شمشان میں جلا دیا گیا

قصہ: اُس کے شمشان سے اُسی وقت نرکل کی شاخیں پھوٹ نکلیں۔

راجا کی حکومت آٹھ سال تک رہی۔

۱۵۔ راجہ پرتاپ شیل

راجہ پرتاپ شیل نے راجہ گلگندر کی قوم سے تھا راجا بمبور کے جنون عشق میں مبتلا ہو جانے کے بعد شہر کے رئیسوں کی اتفاق رائے سے ۱۵۳۰ (ک) میں حکمرانی کا تاج سر پر رکھا اور ملک کی دلہن کو عدل واحسان کے لباس سے زینت دی۔ کوہ اُلر کے دامن میں

پرتاب نگر نامی شہر بسایا اور پرتاپیشور مندر بھی مچھ بھون میں تعمیر کیا۔

قصہ: کہتے ہیں راجا پر ایک جادوگرنی عاشق ہوگئی تھی۔ اُسے سالگرام (۹) پتھر کی طرح جان کر جیب میں ڈال کر غائب ہوگئی۔

راجا نے چھتیس سال تک حکومت کی۔

۱۶۔ راجہ سنگرام چند

پرتاپ شیل کا بیٹا راجہ سنگرام چند ۱۵۶۶ھ (ک) میں کشمیر کا تاج دار بنا۔ سنگرام پور گاؤں بسایا اور خدا کے لوگوں کو عدل و احسان کے ساتھ نوازا۔ کل ایک سال چار ماہ تک حکومت کر کے وفات پائی۔

۱۷۔ راجہ لارک چند

راجہ سنگرام چند کے بھائی راجہ لارک چند نے ۱۵۶۸ھ (ک) میں راجگی کا تاج سر پر رکھا۔ ملک کے نظم و نسق اور اُمور سلطنت کو سنبھالنے میں بے مثال تھا۔ وُتر گنگ پہاڑ، جولار پرگنہ میں ہے، کے دامن میں لارک نگر نام کا ایک وسیع شہر بسایا اور اس کے بیچ میں سے پہاڑ کے دامن سے ایک نہر جاری کی۔ کہتے ہیں اس شہر میں مکانوں کا ہجوم اور بھیڑ اس قدر تھی کہ

مشرق کی طرف سے ایک بکری کا بچہ چھت پر جو چڑھا تو مغرب کی آخری حد تک پار کر گیا اور کہیں بھی درمیان میں کوئی فاصلہ نہ تھا۔ مکانوں کی بنیادیں ابھی بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ لار کی ندی جو اس وقت لار کے قصبے سے گذرتی ہے اسی راجا کے کارناموں میں سے ہے۔ اکتیس سال حکومت میں گذار دئے۔

۱۸۔ راجہ بیرم چند

اس کا بیٹا راجہ بیرم چند ۱۵۹۹ء (ک) میں حکمرانی کے تخت پر بیٹھا۔ رات دن عبادت وریاضت میں گذارتا تھا۔

قصہ: کہتے ہیں ہر صبح ایک سو تیرتھوں سے نہا کر ایک سو مندروں میں پوجا کرتا تھا۔ دن میں جو کچھ باج وخراج کی صورت میں اکٹھا ہو جاتا اسے شام کے وقت مسکینوں اور غریبوں میں بانٹ دیتا اور رات کے لئے کچھ بھی ذخیرہ نہیں کرتا تھا۔ ایک دن معمول کے نذر وخیرات سے فارغ ہو چکا تھا کہ ایک برہمن نے اپنا دست سوال بڑھایا۔ راجا نے کہا ''اس وقت مجھے معاف رکھیں۔ کل آپ کا دل خوش کر دوگا''۔ برہمن نے کہا ''اگر تم کل تک زندہ نہ رہے تو میں کس سے مانگ لوں گا؟'' راجا نے خود کو اس کے حوالے کر دیا اور کہا: ''مجھے بازار میں بیچ ڈالو''۔ برہمن راجا کو بازار میں لے گیا اور وہاں اچانک ایک تاجر نے اسے پہچان لیا اور ایک ہزار اشرفیوں کے عوض خرید لیا۔ راجا رات کو تاجر کے گھر میں رہا۔ کل اسے ایک ہزار اشرفیاں سے دیں لیکن تاجر نے لینے سے انکار کیا ور کہا ''آپ جیسے راجا کو

خرید چکا ہوں۔ میں مفت میں آپ کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔" راجا نے اسے دس ہزار اشرفیاں دیں۔ تاجر نے کہا: اگر دس ہزار لاکھ بھی دو گے تب بھی نہیں مانوں گا۔ راجا نے کہا: تو پھر کیا چاہتے ہوں؟ تاجر نے کہا: ساری عمر تم میرے گھر میں رات کا کھانا کھاؤ گے تب ہی اپنا حق تجھے بخش دوں گا۔ راجا نے دل و جان سے تاجر کی بات مان لی اور تین سال اس کے گھر میں رات کا کھانا کھاتا رہا۔

راجا کے عہد میں ملک کی آبادی پہلے زمانے کے درجے تک پہنچ گئی۔ پینتالیس سال تک حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔

۱۹۔ راجہ بھبیکن

اس کے بیٹے راجہ بھبیکن نے ۱۶۴۴ (ک) میں سلطنت کی دلہن کو عدل و شفقت کے زیور سے رونق بخشی۔ عقل و تدبر سے بے نصیب تھا لیکن اس کی بیوی چکرہ رانی بے حد عقلمند تھی اور وہی اپنی صحیح اور سلامت رائے کے ساتھ ملک کے اہم اُمور کو سنبھالی تھی۔

قصہ: کہتے ہیں کہ چکرہ رانی لباس تبدیل کر کے رات کو شہر کا دورہ کرنے کے لئے نکلتی تھی۔ ایک سخت اندھیری رات میں دیکھا کہ ایک رشی زکل کی بنی ہوئی اپنی جھونپڑی میں بیوی سے باتیں کر رہا تھا۔ بیوی نے اسے کہا کہ چکرہ رانی بہت بہادر اور دانا عورت ہے۔ تعجب ہے کہ لباس بدل کر وہ رات کو مردوں کی طرح پھرتی رہتی ہے۔ اگر یہ عورت مرد ہوتی اور اس کا شہر عورت ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ رشی نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ اسی وقت چکرہ رانی

نے اپنے اندر مردی کے آثار پا کر اظہار حیرانگی کیا اور رشی کے پاؤں پر پڑ کر سخت عاجزی اور منتیں کیں۔ رشی نے کہا یہ ماجرا تو ہونا ہی تھا۔ اب جاؤ کہ تمہارے شوہر میں نسوانی علامتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ جب چکرہ رانی گھر پہنچی تو وہاں اپنے شوہر کو عورت کی صورت میں پایا اور اسے رشی کی باتوں سے آگاہ کیا۔ راجہ غم والم میں ڈوب گیا اور ایک ماہ تک چھپا رہا۔ آخر زہر کھا کر مر گیا۔ چکرہ رانی نے سیناسیوں کا لباس پہن کر ساری عمر رشی کے پاس گذاری۔ راجہ نے سترہ سالت ک حکومت کی۔

۲۰۔ راجہ بھگونت

بھبیکن کے بھائی راجہ بھگونت نے چکرہ رانی کی اعانت سے ۱۶۶۱ھ (ک) میں حکمرانی کا گراں مایہ لباس پہنا اور سلطنت کے ضبط وانتظام کو اچھی طرح سے انجام دیا۔ تین مندر بنائے اور چودہ سال حکومت میں گذارے۔

۲۱۔ راجہ اشوک

راجہ اشوک جوشکنی کے بیٹے سچی نر کی اولاد میں سے تھا ۱۶۷۵ھ (ک) میں کشمیر کی سلطنت کے تخت پر رونق افروز ہوا۔ کھاور پارہ پرگنہ میں سیر نامی شہر کو بلند و بالا عمارتوں اور دل پسند محلات کے ساتھ بسایا۔ جن کی تعداد موروخوں نے چھ لاکھ مکانوں تک لکھی ہے اور

اس کے ساتھ ایک فیصل سے گھرا ہوا استواری اور کمال مضبوطی کے ساتھ ایک قلعہ بھی تعمیر کیا ۔پنگلن اور پتوت گاؤں آباد کر کے برہمنوں کو بخش دیئے ۔اور اپنے لئے راجا نے جین مذہب یعنی بدھ مذہب ،جس کا ذکر ہم حصہ اول میں کر چکے ہیں ،اختیار اور پسند کر لیا اور اس مذہب کو رائج کرنے میں دل وجان سے کوشش کی اور اس کے احکام کو اس ملک میں منتشر کیا ۔بیج بہاڑہ قصبے کے تمام قدیم مندروں کو مسمار کر ڈالا اور ان کی جگہ اپنے مذہب کے مندروں کو کمال سنگینی و بلندی کے ساتھ تعمیر کیا۔انہی کے متصل ایک اور اشوکیشور نامی مندر کی بنیاد رکھی ۔ہوکھ لترہی (۱۰) اور وترہیل (۱۱) گاؤں میں بہت سے بُدھ مندر بسائے۔

بالآخر ملیچھوں (۱۲) کی مخالفت اور ان کی نافرمانی کی وجہ سے دنیا کو ترک کر کے بُدشیر پہاڑ کے دامن میں نراین ناگ چشمے پر بُوتیشری نامی مندر، جو ابھی تک موجود ہے، کو آباد کر کے اسی میں اپنی عزیز عمر گذاری ۔اکیاون برس تک حکومت کرنے بعد فوت ہوا۔

۲۲۔راجہ جلوک

۱۷۲۶ (ک) میں راجہ اشوک کے بھائی راجہ جلوک نے حکومت کا جھنڈا بلند کرنے کے بعد مخالفوں کی بیخ کنی کی اور سخاوت وخیرات اور عدل وانصاف سے کام لے کر نیک نامی پائی ۔ملک کو آباد کرنے کے لئے بہت کوشش کرتا رہا۔لار میں بارہ ولہ گاؤں اسی کا بسایا ہوا ہے۔کلہن پنڈت اسے فرشتہ سیرت خیال کر کے اس کے پسندیدہ صفات کی بڑی تعریفیں کرتا ہے ۔پنڈت اودھ بھٹ ، جو زمانے کا موحد اور وقت کا ایک یگانہ شخص تھا ،اس کا مربی

بن گیا اور اُسی کی تعلیم و تلقین سے راجا نے فوراً ہی بدھ مذہب کو چھوڑ کر، اپنے باپ کے برخلاف، شو مذہب اختیار کیا اور روز یہ ایشری اور ننده کیشو رمندروں کی پوجا کرنا اپنے اُوپر لازم قرار دیا۔ سخت ریاضتوں اور صفای باطن کے بل پر معمول کے عادات سے بالاتر کام کرنے میں مشہور زمانہ ہو چکا تھا۔

قصہ: کہتے ہیں ہر روز لار، بیج بہاڑہ اور بارہمولہ کے بتوں کی پوجا کرنے کے لئے گھوڑوں پر سوار ہو کر جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے ایک سانپ کو مسخر کر لیا تھا جس پر سوار ہو کر روز جہاں چاہتا جایا کرتا تھا۔ اور سانپوں کی بڑی اچھی طرح سے حفاظت کرتا تھا۔ اکثر شو مندروں کو کمال زینت و تکلیف کے ساتھ آراستہ کیا جس کی وجہ سے بدھ مذہب کے لئے کوئی رونق باقی نہیں چھوڑی۔

قصہ: مشہور ہے کہ ایک عورت نے اسے سوال کیا کہ مجھے خیرات میں کچھ دیجئے۔ راجہ نے کہا جو مانگو گی دے دوں گا۔ تب یہ عورت ایک دیوی کی صورت میں آ گئی اور راجہ سے انسان کا گوشت طلب کیا۔ لیکن راجا کسی کے قتل ہونے پر راضی نہیں ہوا اور خود کو پیش کیا۔ اس عورت نے کمال خوشنودی کا اظہار کر کے راجہ کے حق میں توفیق عبادت کی دعا کی۔

اس کے بعد راجا نے ممالک کو فتح کرنے کا پختہ ارادہ کر کے ہندوستان کے ملک سے قنوج و بہار تک کے بہت سے شہروں کو اپنے اقتدار کے قبضے میں لایا اور تمر ناشک کے بقول قندہار اور باختر تک کے ملکوں کو فتح کر کے اپنے لئے اقتدار و اعتبار حاصل کیا۔ ممالک و اطراف کو مسخر کرنے اور ربط و ضبط مملکت کو انجام دینے کے بعد جب لوٹ آیا تو اہل صنعت و

حرفت اور سوداگر لوگوں کی ایک جماعت کے ہمراہ آیا اور ان سب کو کشمیر میں بسایا اور ملک کی ثروت اور آبادی وشوکت کو اس حد تک پہنچایا کہ ہر اعلیٰ وادنیٰ کے دل پھولوں کی مانند کھل اُٹھے۔اس کے زمانے تک کشمیر میں ملکی عہدہ داروں کا کوئی نظام نہیں تھا۔راجا نے مملکت کے اہم اُمور کے انتظام کی خاطر عہدہ دار مقرر کیئے اور ہر ایک کے لئے ایک عہدہ متعین کیا۔ پہلا دیوانی عہدہ ملکی لین دین کے انتظام کے لئے۔دوسرا خانسامانی کا عہدہ آمدنی اور خزانوں کا محافظ۔تیسرا قور خانہ کا داروغہ یعنی اسلحہ وسامان واشیاء کا محافظ۔چوتھا بخشی کا عہدہ،فوجوں کے انتظام کیلیئے۔پانچواں وزارت کا عہدہ مشورہ واستصواب کے لئے۔چھٹا داروغہ صدر، خیرات و بخشش کی تقسیم کے لئے۔ساتواں نقیب کا عہدہ ، سپاہیوں اور زمینداروں کی خبر گیری اور محصّلی کے لئے۔غرض ملک داری کے انتظام میں اثر انداز ہونے اور عدل واحسان اور راستی ودرستی کے انجام دینے میں بے نظیر تھا۔

کہتے ہیں گوٹی پند نام کی ایک دوائی پائی تھی جس سے کیمیا گری کرتا تھا اور علم سیمیا کو بھی اچھی طرح سیکھ لیا تھا۔ بالآخر کپال موچن کے مقام پر سون گل ندی کے منبع قصبۂ شوپیان میں وفات پائی۔

اس کی بیوی ایشان دیوی بہت صاحب ہمت اور مرتاض تھی۔اس نے ماتر چھکر اور ہست ہال بنوا کر محتاجوں کو دئے دے اور بیاس دیو کے شاگرد سے نندی پوران پڑھ کر نندیشور کے عقیدہ کو لازم جانتے ہوئے بدھ مذہب سے انکار کیا۔راجا نے ساٹھ سال تک حکومت کی۔

۲۳۔ راجہ دامُو در

راجہ جلوک کا بھائی راجہ دامُو در جو ساری پسندیدہ صفات میں اس کا ہمسر تھا، ۱۷۸۶ھ (ک) میں شاہی تخت پر بیٹھا اور خدا کے لوگوں کو عدل و احسان سے آسودگی پہنچائی۔ گوڑہ ستھو (۱۳) اسی کا بنایا ہوا ہے اور دامودر ٹیلے پر ایک شہر کثیر عمارتوں کے ساتھ اپنے حکومتی شہر کے لئے بنوایا۔

قصہ: ایک دن شراد (۱۴) کے سلسلے میں دریای بہت کے کنارے کی طرف نہانے کے لئے جا رہا تھا۔ راستے میں دو برہمنوں نے اس سے غذا طلب کی۔ راجا نے کہا نہانے اور شراد کے بعد آپ لوگوں کو سیر کردوں گا۔ دونوں برہمنوں نے اس کے حق میں بددعا کی اور راجا سانپ کی شکل میں آکر میدانوں میں پھرنے لگا۔ اس کی کیفیت دامودر ٹیلے کے ذکر میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ راجا کی حکومت تیس سال تک رہی۔

۱۔ حضرت سلیمانؑ کے بابرکت قدم کشمیر میں

ملا احمد، پنڈت رتنا گر کے ترجمہ میں لکھتا ہے کہ دامودر کے مسخ ہوجانے کے بعد اس کا بیٹا زندر ۱۸۱۵ (ک) میں حکمرانی کے تخت پر بیٹھا اور چند دنوں کے بعد سندیمان نامی ایک شخص، جو ملک مغرب کے بزرگ رشیوں میں سے تھا، کشمیر میں داخل ہوا۔ سخت ریاضتوں کی راہ سے اس نے حضرت خداوند کبریا سے ایسا رتبہ پایا تھا کہ اس کا ویمان یعنی اڑان کھٹولا (تخت) ہوا میں چلتا تھا۔ جنوں کی قوم اور پرندے اس کے حکم کے تابع تھے اور وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔

شہباز کی طرح جب اس کا تخت کشمیر کے تمام حدود کی سیر کر چکا تو چیٹ لدرک پہاڑ یعنی کوہ سلیمان پر اتُر کر ٹھہرا۔ یہ حال دیکھ کر خواص و عوام وہاں جمع ہوگئے اور اسکی شان و شوکت کا مشاہدہ کر کے انگشت بدندان رہ گئے۔ یہ خبر سنتے ہی راجہ نرندر حاضر ہوا اور اس کے حضور سے بہت شفقت و عنایت پا کر مسرور ہوا اور ہر کوئی اپنی مراد و حاجت پا کر اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔

چونکہ سندمت نگر شہر کے ڈوب جانے کے وقت سے کشمیر کی اندرونی سطح بیج بہاڑہ تک ہمیشہ سیلاب کی زد میں آتی تھی اس لئے لوگ غلہ کی تنگی کے باعث ہمیشہ عاجز ہوجاتے تھے۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں پانی کو نکالے جانے کی استدعا کی۔ سندیمان کے حضور سے جنوں کی ایک جماعت پتھروں کو، جو بھونچال کی وجہ سے کھادہ نیار کے مقام پر دریا

میں لڑھک کر گر گئے تھے، ہٹانے پر مامور ہوئی۔ سند یمان کے فرمان کے مطابق جنوں کی لشکر نے پتھروں کو پانی کی گہرائیوں سے نکال کر پانی کو روانی دی، جس سے اندرونی سطح نمودار ہوگئی۔ راجہ نرندر آنجناب کی مصاحبت کو اپنے لئے اختیار کر کے اس ملک کی حکومت سے دستبردار ہوگیا اور سند یمان نے اسکی خواہش منظور کر کے اسے اپنی خاص مصاجت وہم نشینی سے سرفراز کیا۔

کہتے ہیں ترکستان کے شاہزادوں میں سے آپ کے تخت عالی میں تین اشخاص ہمراہ تھے، ہشک، کنشک اور زشک۔ یہاں آکر آپ نے اُن کو اُن کی فطری خواہش کے مطابق کشمیر کا ملک جاگیر میں بخش دیا۔ نیز آپ نے اس ملک کے بہت سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ ایک ہفتہ تک کشمیر کی سیر وسیاحت کرنے کے بعد آپ واپس چلے گئے۔

مترجم یعنی ملا احمد کا کہنا ہے کہ اس سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ سند یمان، حضرت سلیمانؑ ہی ہونگے۔ کیونکہ اہل مشرق اس کو سند یمان یعنی مرتاض آدمی کہتے تھے اور دنیا میں ہر آدمی جانتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا تخت ہوا میں اُڑتا تھا اور پرندے اور جن اس کے مطیع ہو چکے تھے۔ نیز کشمیر کے لوگوں نے تجنیس لفظی کی وجہ سے سلیمان کو سند یمان کہا ہے پھر اس کے بعد سے لدرک جیٹ پہاڑ کو کوہ سلیمان اور کوہ سند یمان کہا کرتے ہیں اور ملک کشمیر کو باغ سلیمان کا نام دیا گیا ہے۔

۲۔ ہشک، کنشک، زشک

۱۸۱۸(ک) میں حضرت سلیمانؑ کی اعانت سے کشمیر کی حکومت پر استقلال پایا اور عدل واحسان سے خدا کے لوگوں کے دل خوش کر دئے۔ تینوں نے تین گاؤں بسائے۔ ہشک نے کروہن پرگنہ میں اشکورہ، کنشک نے وُہو پرگنہ میں کانسپور اور زشک نے پھاک پرگنہ میں زُکرو گاؤں بسایا۔ اس کے علاوہ زُکرو گاؤں کو آباد و شاداب رکھنے کے لئے زشک سندلار سے پانی کی ایک نہر بھی لے آیا۔ اس کے بعد تینوں نے اکتالیس سال تک متفق ہو کر حکومت کی اور بہت سے لوگوں کو اپنے مذہب میں لے آئے۔

اس سے پہلے شاکھ سہم نامی ایک شخص پچھلے ڈیڑھ سو سال سے اس وقت تک کشمیر میں بدھ مذہب کو پھیلاتا رہا اور اس نے بہت سے لوگوں کو اس مذہب میں داخل کر لیا تھا۔ اس کے پیروؤں میں سے ناگ سین نامی ایک آدمی ہارون گاؤں میں بدھ مذہب کی اشاعت کرنے میں دل و جان سے کوشاں تھا۔ ان ایام میں برہمنوں کا جین مذہب (۱۵) کے لوگوں سے مذہبی معاملات میں جھگڑا ہو گیا اور دونوں طرف سے قتل و غارت اور جنگ و ستیز میں خونریزیاں ہوئیں۔ چونکہ ہشک اور کنشک میں فوجی استعداد نہیں تھی اس لئے اس معاملے کو نپٹانے میں عاجز آ گئے۔ تب برہمنوں کے باہمی اتفاق سے، ابھی مینو جو راجہ بیرم چند کی اولاد میں سے دچھن پارہ میں جاگیردار تھا، تخت سلطنت پر بیٹھا اور ہشک اور کنشک حکومت سے معزول ہوئے۔

۳۔ راجہ ابھی منیو

۱۸۳۹ (ک) میں عوام کے اتفاق سے حکومت کا تاج سر پر رکھا اور بدھ مذہب کے لوگوں کی بیخ کنی کی۔ اسی زمانے میں چندر آچارج نامی ایک کامل عالم و فاضل آدمی تھا جو ہندوستان سے مہا باش کتاب لے آیا اور یہاں کے برہمنوں کو اسے پڑھایا اور اپنی تصنیف کی ہوئی چندرہ بیا کرن نامی کتاب کو بھی عام کردیا۔ چونکہ شاکھ ہم اور ناگ سین کی تلقین و تعلیمات سے لوگ اپنے مذہب سے منحرف ہو چکے تھے اور بُدھ مذہب کی لازمی اطاعت کے نتیجے میں اپنے معمول کے وظایف اور اوراد و عبادات کو ترک کر کے بُرے کاموں میں مبتلا ہو گئے تھے جن کی نحوست سے اس ملک میں کثرت سے برفباری ہوئی ،جس کی وجہ سے جاڑے کے موسم میں راجہ اور یہاں کے باشندے پنجاب اور بھمبر کے اطراف میں ہر سال وطن چھوڑ کے چلے جاتے تھے۔ چندر آچارج لوگوں کو تہذیب نفس اور تالیف قلوب کی راہ سے اُن کے قدیم مذہب پر استقامت کرنے پر اُکساتا اور ترغیب دیتا تھا۔ اس کے بموجب یہاں کے لوگوں نے بدھ مذہب کو ترک کر کے اپنے قدیم مذہب کو اختیار کیا اور نیلہ مت پوران کتاب پر عمل کر کے نذر و خیرات کرنے لگے جس کی برکت سے برف کی آفت سے محفوظ رہے۔

راجہ ابھی منیو نے بانگل پرگنہ میں ابھ پور گاؤں بسایا اور اسے برہمنوں کو بخش دیا۔ چندر آچارج کو جاگیر دی اور احترام و تعظیم کے ساتھ اس کی پرورش کی۔ اور بدھ مذہب کے

لوگوں کے ساتھ ہمیشہ بحث و مباحث کی مجلسیں منعقد کیا کرتا تھا اور بدھ مذہب کے لوگوں کو بہت خراب و تباہ کر دیا۔ حکومت میں تئیس سال گذار کر دنیا چھوڑ دی۔

گلزار کشمیر کا مؤلف لکھتا ہے کہ یہی چندر آچارج نیلہ ناگ سے نیلہ مت پوران کتاب لایا ہے یا اسے خود لکھا ہے واللہ اعلم! (اور خدا بہتر جانتا ہے!)

یاداشتیں

(۱) دچھن پارہ میں واقع ہے۔

(۲) پرگنہ اسلام آباد میں۔

(۳) دیوہ سر پرگنہ میں۔

(۴) سائرا مواضع پائین میں۔

(۵) دیوہ سر پرگنہ میں۔

(۶) کوہ ماران۔

(۷) شیرہ کوٹ، کویہامہ میں باباشکورالدین ٹیلے کا نام ہے۔ قدیم زمانے میں اسے بوسنگری کہتے تھے۔

(۸) دنیا کو ترک والے درویش۔

(۹) سالگرام ایک صاف وشفاف لکیر دار بیضوی صورت کا ایک پتھر ہوتا ہے جسے گندکا ندی دریا سے لاتے ہیں اور ہندو اس کی پرشش کرتے ہیں۔ بعض کارشناس سالگرام پتھر کو بڑے پتھروں کو پھاڑ کر نکالتے ہیں۔ لعل بدخشان کی طرح جو پتھر میں چھپا ہوتا ہے۔

(۱۰) دینسو پرگنہ میں۔

(۱۱) دنیسو پرگنہ میں۔

(۱۲) ملیچ اور چور اور چمار اور چنڈال یہ چاروں طائفے بت پرست ہیں اور مردہ جانداروں کا گوشت کھاتے ہیں اور ہر جماعت کے جھوٹے کھانے کو حلال جانتے ہیں۔ کتے، بلی، گیدڑ وغیرہ جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں۔

(۱۳) اچھہ پرگنہ میں۔

(۱۴) ہندوؤں کی اصطلاح میں ایک مقررہ نذرونیاز ہے جسے وہ مردوں کے روز وفات پر ادا کرتے ہیں۔

(۱۵) جین ہندو مذہب کا ایک فرقہ ہے۔

چوتھا تخت

ا۔ راجہ گونند سوم

راجہ گونند سوم جوراجالو کے قبیلے سے تھا نے ۱۸۶۲ (ک) میں حکومت کا تاج سر پر رکھا اور عدل واحسان سے کاٹنے اور عام لوگوں کی بھلائی کے لئے اپنے دل کی مراد کے مطابق کوشش کر کے خدا کے بندوں کو آسائش وآرام پہنچایا۔ اسکے عقاید کی خوبی اور عمال کی نیکی سے بدھ مذہب کا غلبہ اور برف کی کثرت اس ملک سے دُور ہوگئی۔ پنتیش سال تک حکمرانی کر کے اس فانی دنیا سے چلا گیا۔ اس کی حسن نیت کی برکت سے اس کی بہت سی اولادوں اور ذریات نے اس ملک پر حکومت کی اور دو ہزار چھ سو سال تک حکمرانی کا جھنڈا لہراتے رہے۔

۲۔ راجہ وبھیشن

۱۸۹۷ (ک) میں باپ کے تخت پر جانشین اور صاحب تاج ہو کر رعایا کی آسودگی میں ساڑھے ترپن سال گذارے۔

۳۔ راجہ اِندر جیت

۱۹۵۱ھ (ک) میں باپ کی جگہ پر بیٹھا اور کشمیر اور ہندوستان کے اطراف پر قابض ہوا اور اپنے ملک کو انصاف و عدالت کے ساتھ آباد کیا۔ پنتیس سال اور چھ ماہ تک حکومت کی۔ نرد بازی کرنے کے بعد زندگی کی بساط پلٹ ڈالی۔

۴۔ راجہ راون

باپ کی وفات کے بعد ۱۹۸۶ھ (ک) کی میں حکومت کا تاج سر پر رکھنے کے بعد ہندوستان کے ملک کے بہت سے شہر فتح کیے۔ تیس سال تک حکمران تھا۔ بتوں کی پوجا کرنے کے لئے وٹیشور مندر بنایا۔ گلدستہ کشمیر کا مؤلف اسے بڈشاہ کا مندر خیال کرتا ہے جو غلط ہے۔ رتناگر کے مترجم نے بڈشاہ مندر کو لوکیشوری مندر کے نام سے یاد کیا ہے۔

۵۔ راجہ وبھیشن دوم

راجہ وبھشین دوم (۱) راجہ روان کا بیٹا ۲۰۱۶ھ (ک) میں تخت پر بیٹھا۔ چونکہ موسیقی

کا علم اچھی طرح سے سیکھ لیا تھا ہمیشہ ساز و سرود سننے میں مشغول رہتا تھا۔ طبیعت بھی موزون پائی تھی اور اسے ایک بڑا شاعر مانا جاتا تھا۔ چھتیس سال حکومت کرنے میں گذارے۔

۶۔ راجہ نَر

راجہ نر نے ۲۰۵۲ (ک) میں باپ کی جگہ پر تاج وافسر پہن لیا۔ اگر چہ عادل اور سخاوت مند تھا لیکن اپنی رانی کے ساتھ بے انتہا دلی لگاؤ رکھتا تھا اور دن رات اسی کی صحبت و ہمنشینی میں گذارتا تھا۔ رعایا کی طرف متوجہ ہونے اور ان کے اُمور میں غور و پرداخت کرنے کی اسے زیادہ فرصت نہیں ملتی تھی۔

قصہ: بدھ مذہب کا ایک زاہد کاز گاؤں میں رہتا تھا۔ وہ جوگ مایا کے زور سے ایک طلسم بناتا تھا کہ خود ہر کسی کو دیکھ پاتا تھا لیکن اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس طلسم سے وہ لوگوں کے گھروں میں گھس کر ان کی عورتوں سے فساد کاری کرتا تھا۔ حتیٰ کہ راجا کی رانی کے ساتھ بھی مداخلت کی۔ یہ خبر سنتے ہی راجا کے قہر و غضب کی آگ بھڑک اٹھی اور اس نے بدھ مذہب کے لوگوں کے تمام مندروں اور ان کے گھروں کو آگ میں خاکستر کر دیا اور ان کی جاگیریں اور مال و دولت کو چھین کر برہمنوں کو دے دی۔

راجہ نے بیج بہاڑہ کے متصل چکدر کے مقام پر ایک شہر بسایا اور اس میں اپنا شاہی محل بھی کمال بلندی و آراستگی کے ساتھ تعمیر کیا۔

قصہ: مورخین لکھتے ہیں کہ اس کی حکومت میں بشاک نامی ایک برہمن تھا۔ اس

نے شیشرم ناگ کی بیٹی کے ساتھ بیاہ کیا ور راجہ نر اس پر عاشق ہو گیا اور وصل و مباشرت کے لئے اس پر جبر کیا۔ شیشرم ناگ نے غضبناک ہو کر قہر کیا اور مذکورہ شہر پر آگ کی بارش کی اور ایک لحظہ میں شہر اور شہریوں کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ اس کے بعد شیشرم ناگ کی بہن رمتی نے غضبنا کی کے جوش میں بیس میلوں تک سنگباری کر کے مذکورہ شہر کو فنا کر دیا۔ اس کی داستان شیشرم ناگ کے ذکر میں پہلے بیان ہو چکی ہے۔ راجہ نر کی حکومت انتالیش سال اور نو ماہ تک تھی۔

۷۔ راجہ سِدھ

راجہ نر کا بیٹا جو سنہ ۲۰۹۱ (ک) میں باپ کے حادثہ کے وقت بیج بہاڑہ سے اپنی دُودھالی ماں کے ساتھ باہر چلا گیا تھا، باپ کے مرجانے کے بعد تخت حکومت پر بیٹھا۔ عدل وانصاف اور سخاوت و شجاعت میں لاثانی تھا۔ رعایا کی آسودگی اور بہبودی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتا تھا۔ ساٹھ سال حکومت کر کے عدم کو سدھارا۔

۸۔ راجہ اُوت پلاک

سنہ ۲۱۵۲ (ک) میں باپ کی جگہ پر بیٹھ کر ہمیشہ رعایا کی بہبودی میں کوشاں تھا۔ تیس سال حکومت میں گذارے۔

۹۔ راجہ ہرنیا کھ

۲۱۸۲ھ (ک) میں باپ کے تخت کو تازہ رونق بخشی۔ زِنل (۲) گاؤں بسایا اور ستئیس سال سات ماہ حکومت میں گذارے۔

۱۰۔ راجہ ہرنیہ کُل

راجہ ہرنیہ کل اُس کا بیٹا ساٹھ سال تک عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ ۲۲۷۹ھ (ک) میں وفات پائی۔

۱۱۔ راجہ وَسہ کُل

اس کے بیٹے راجہ وسہ کل نے ساٹھ سال تک حکومت کی اور ۲۳۳۹ھ (ک) میں دنیا سے چلا گیا۔

۱۲۔ راجہ مہرہ کُل

وسہ کل کے بیٹے راجہ مہرہ کل نے ۲۳۳۹ھ (ک) میں حکومت کا جھنڈا بلند کیا۔

خونریزی، بے باکی اور خشمناکی میں یکتای زمانہ تھا کہ معمولی سے گناہ پر لوگوں کو قتل کیا کرتا تھا اور کسی دن بھی خونریزی کیئے بغیر اسے آرام نہیں آتا تھا اور نہ کسی پر رحم کرتا تھا۔ گوشت کھانے کی اُمید میں جانور اور درندے اس کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس کے زمانے میں ترکستان کے ایک حکمران نے کشمیر حملہ کیا۔ راجا نے کمال مردانگی اور جرأت کے ساتھ جنگ وقتل وغارت کر کے اسے شکست دی۔

راجا نے کھاہور پارہ میں چندرکل نامی نہر کھدوائی اور آمرو آگر (۳) پہاڑ سے ایک بڑا پتھر لڑھک کر اس نہر کا سدراہ بن گیا۔ کسی بھی طور وتدبیر سے پتھر اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ راجا سخت فکر میں پڑ گیا اور پوجا کے بعد اس نے ایک آدمی کو خواب میں دیکھا جس نے اسے کہا ہر اس عورت کے چھونے سے پتھر نابود ہو جائے گا جو فسق وفجور سے پاک اور پاکدامن ہوگی۔ اس غیبی الہام کے مطابق راجا نے ہر طرف سے عورتوں کے ہجوم در ہجوم بلوائے لیکن کسی ایک بھی عورت کے ہاتھ لگانے سے پتھر اپنی جگہ سے متحرک نہیں ہوا، یہاں تک راجا نے خشم گین ہو کر عورتوں کا زنا کاری اور بچوں کا حرامزادگی کے بہانے سے اور لوگوں کا دیوث ہونے کی تہمت سے قتل عام کیا۔

قصہ: مورخوں نے عورتوں، بچوں اور مردوں کی اس قتل عام میں تین کروڑ اور بعضوں نے تین لاکھ تک تعداد لکھی ہے۔ آخر چندرَوتی نام ایک کمہار کی بیٹی کو پیش کیا گیا۔ اس نے سخت عتاب کے ساتھ راجا سے مخاطب ہو کر کہا اے راجا! تم نے پہلے ہی دن کیوں اپنی عورتوں سے اس سخت حکم کی تعمیل کرنے کو نہیں کہا کہ وہی پاکدامنی کی طاقت سے ایک لحظہ میں اس پتھر کو ہٹا دیتیں اور اس طرح سے بیگناہوں کا یہ بھاری خون تمہاری گردن کا بوجھ نہ بن جاتا اور اگر ان کے چھونے سے پتھر نہ ہلتا پھر بھی ہم دیکھ لیتے کہ یہ سزا تم نے جو لوگوں کو دی کیا خود اپنوں پر بھی روا رکھتے؟ یہ کہہ کر اس نے اپنا دست حق پرست پتھر پر رکھ دیا اور پتھر

کو اپنی جگہ سے اٹھا کر ایک طرف میں پھینک دیا۔ ایک روز اپنے حرم سرا میں آ کر دیکھا کہ اسکی رانی کی گود میں کپڑے پر راجا سنگا لدیپ (۴) کی زرتاروں سے بنائی گئی صورت رکھی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر اسکے قہر کی دیگ اُبلنے لگی اور قسم کھائی جب تک راجا سنگالدیپ کو سزا نہ دوں گا کوئی اور کام نہیں کروں گا۔ اسی روز سامان جنگ اور اسباب حرب ترتیب دے کر ایک بھاری لشکر کے ہمراہ سنگارلدیپ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں لمات، چول اور کرناٹ کے راجاؤں کو اپنا مطیع بنا لیا۔ وہاں سے کشتیاں مہیا کروا کے سنگالدیپ تک عبور کیا اور کافی کشت و خون کے بعد وہاں کے راجا کو بے شمار فوج سمیت قتل کر ڈالا اور اس کی جگہ پر کسی اور کو بٹھا کر حکم جاری کیا کہ اب کے بعد کپڑوں پر سورج کی تصویر نہ بنائی جائے۔

واپس لوٹتے وقت ہر جگہ لوٹ مار اور قتل و غارت کر کے کافی مال و دولت سمیٹ لی ۔ جب پیر پنچال پہاڑ پر پہنچا۔ اچانک ایک ہاتھی ایک ٹیلے سے لڑھک کر نیچے جا گرا اور لڑھکتے ہوئے اس نے بہت شور و غوغا کیا۔ راجا کو ہاتھی کی یہ آواز اچھی لگی اور ایک سو ہاتھیوں کو وہیں پر نیچے لڑھکایا اور ان کی چیخ و پکار سے خوش ہوتا رہا۔ تب سے اس جگہ کو ہست ونج کہا جاتا ہے۔ اور کشمیر میں پہنچنے کے بعد ہول لاڈ کے مقام پر مہر پور نامی شہر بسایا اور قندہار کے برہمنوں کو جاگیریں عطا کیں۔ بہر حال اُس ظالم کے گونا گون مظالم کو ضبط تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ ستر برس تک حکومت کرنے کے بعد بالآخر ایک سخت اور دردناک مرض میں مبتلا ہو گیا۔ ایک روز ہون (۵) کے لئے آگ جلائی تھی اور اس وقت کی جگہ خود کو اس میں ڈال کر جل کر راکھ ہو گیا۔

قصہ: حاضرین نے غیب سے آواز سنی کی مہرہ کل نے تین کروڑ خون کر کے نجات پائی۔ وَالعهدةُ عَلَى الرّاوى (اور یہ کہنے کی ذمہ داری اس کے راوی پر ہے)۔

۱۳۔ راجہ بک

باپ کی موت کے بعد ۲۴۰۹ء (ک) میں ملک کی دلہن کو انصاف و احسان کے زیور سے آراستہ کیا۔ بکیشور کے مقام پر بک سوامی مندر بسایا اور بک نامی نہر بھی زر کثیر خرچ کر کے بنوائی۔ اور پہاڑ کے درہ میں پنوچھ شہر بسایا۔

اس کے زمانے میں بٹھا نامی ایک جوگن (٦) ظاہر ہوئی جس کے حسن و جمال پر راجا فریفتہ ہو گیا۔ ایک دن یہ جادوگرنی قربانی کی تقریب پر راجا کو مع اس کے ساتھیوں، دوستوں اور رشتہ داروں کے کھانا کھلانے کے لئے جگ (۷) کی مجلس میں لے گئی تھی۔ اس جادوگرنی نے وہاں جادو کے زور سے سب کو مار دیا اور صرف راجا کا ایک کھتی نند نامی فرزند زندہ رہا۔ راجا نے باسٹھ سال اور نو ماہ تک حکومت کی۔

۱۴۔ راجہ کھتی نند

سلطنت کے امرا کے اتفاق سے ۲۴۷۲ء (ک) میں تخت پر بیٹھ کر تیس سال تک حکومت کی۔

۱۵۔ راجہ وسہ نند

۲۵۰۲ھ (ک) میں باپ کی جگہ حکمرانی کے مسند پر رونق افروز ہوا۔ بہت جوانمرد اور دانا آدمی تھا اور دانشمندوں کی عزت اور ان کا احترام کرتا تھا۔ بہت سی عشقیہ کتابیں لکھی ہیں۔ کامیابی کے ساتھ باون سال تک حکومت کر کے عالم فانی کو چھوڑ دیا۔

۱۶۔ راجہ نر

باپ کی وفات کے بعد ۲۵۵۴ھ (ک) میں تاج سر پر رکھا اور ساٹھ سال حکمرانی میں بسر کر کے موت اس کے سر سے گذر گیا۔

۱۷۔ راجہ اچھ

راجہ نر کا بیٹا راجہ اچھ ۲۶۱۴ھ (ک) میں سلطنت کی دلہن کو ساٹھ سال تک اپنی گود میں لے کر دنیا سے چل بسا۔ اچھ بل اسی کا بنایا ہوا ہے۔

۱۸۔ راجہ گوپادت

باپ کی وفات کے بعد ۲۶۷۴ھ (ک) میں ملک کا فرمانروا بن گیا اور کشمیر کے تمام

حدود کو اپنے قبضہ اقتدار میں لے آیا۔ رعایا پروری اور انصاف پسندی میں بے مثال تھا۔ نارہ واو میں کھلی گاؤں، بیروہ میں کھاگ گاؤں، کروہن میں ہایہ گام، بانگل میں اسکندر پورہ، اور شانگس اسی کے بسائے ہوئے ہیں۔ برہمنوں اور درویشوں کو بہت سے گاؤں جاگیر میں دئے اور کئی مندر آباد کئے۔ کوہ سلیمان پر زشٹیشور مندر (۸) کی تجدید و ترمیم کی اور گوپہ کار اور بچھوارہ گاؤں اس مندر کے لنگر کے لئے وقف کئے۔ راجا نے اپنے ملک میں کسی کو بھی جانور کشی کرنے نہیں دی۔ ساٹھ سال چھ ماہ تک حکومت کر کے فوت ہوا۔

۱۹۔ راجہ گوکرن

۲۷۳۴ھ (ک) میں اس کے بیٹے راجہ گوکرن نے اقبال مندی کا تاج سر پر رکھا اور اٹھاون سال تک حکومت کر کے وفات پائی۔

۲۰۔ راجہ نرندر آدت

باپ کے انتقال کرنے کے بعد ۲۷۹۲ھ (ک) میں ملک کا تخت آرا ہوا اور چھتیس سال تین ماہ تک حکومت کر کے فوت ہوا۔

۲۱۔ راجہ اَندھ جدشتر

۲۸۲۸ (ک) میں باپ کا جانشین ہوا۔ چونکہ اس کی بہت ہی چھوٹی آنکھیں تھیں یا ان میں روشنی بالکل ہی نہیں تھی۔ اس لئے اسے اَندھ یعنی نابنیا (اندھا) کا لقب دیا گیا تھا۔ ابتدا میں عدل وانصاف کے ساتھ رعایا پرور تھا لیکن بعد میں شریر و ذلیل لوگوں کی صحبت میں رہنے سے اس کا مزاج بدل گیا اور ظلم و جفا، شراب نوشی، حرام کاری، فسق و فجور اور فساد عناد کی راہ اختیار کی۔ لوگوں کی عورتوں کو زور و جبر سے لے جاتا تھا اور دانشمند عالموں اور بزرگوار لوگوں سے نفرت کرتا تھا اور ظالم و فاسق اور شریر و رذیل لوگوں سے اُلفت بڑھاتا تھا۔ بیبا کی و خونریزی سے کام لینے میں کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھی۔ یہاں تک بالآخر رعایا اور سپاہی اس سے نفرت کرنے لگے اور اطراف کے حاکم بھی جو قدیم زمانے سے یہاں کے راجاؤں کے اطاعت گذار تھے رووگردان ہو گئے۔ حکومت کے امراء اور ارکان مملکت نے متفق ہو کر اسے برخاست کر دینے پر مشورہ کیا۔ جدشتر ابنای روزگار کی بے مروتی سے خوفزدہ ہو کر دو تین آدمیوں کے ساتھ ہندوستان کی طرف فرار ہو گیا۔ وہاں ایک راجا نے اس پر قابو پا کر اسے مار ڈالا۔ اس کی حکومت اٹھاون سال تک رہی۔

رتنا گر کا مترجم لکھتا ہے کہ اندھ جدشتر کی حکومت کے آخری ایام میں سکندر فیلقوس نے جسے مشرق کے لوگو مہایوں کہتے تھے، بھاری لشکر کے ساتھ ہندوستان پر فتح پانے کے لئے حملہ کیا۔ جب نیلاب دریا (۹) کو عبور کیا تو ہندوستان کے راجا تذبذب میں پڑ گئے۔

راجا اندھ جدشتر کا ابیستر نامی بھائی، جو بیرونی پہاڑوں کے اطراف میں حکومت کرتا تھا۔ سکندر کی بساط بوسی کے لئے تحائف ونفالیس کے ساتھ سرفراز ہوا اور سکندر سے اپنے بھائی اندھ جدشتر کو مغلوب کرنے کے لئے مدد مانگی۔ سکندر نے اسکی مدد کے لئے ایک لشکر کو مامور کیا اور خود میں بھائی کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا کر اندھ جدشتر ہندوستان کی طرف بھاگ گیا اور ابیستر ملک کشمیر پر قابض ہو گیا۔ اندھ جدشتر نے راجا پُورن (۱۰) سے امداد طلب کی اور وہ خود سکندر کے خلاف لڑ رہا تھا۔ جنگ میں اندھ جدشتر اپنے معاون کی مدد کرنے کے دوران مارا گیا۔ اسی دوران جنوبی پہاڑوں کی راہ سے سکندر کشمیر چلا آیا اور کچھ عرصہ سیر وشکار میں گذارا۔

ایک دن قضای الٰہی سے شکار میں سکندر کے بازو پر تیر لگا۔ جب تیر چلانے والے سے باز پرس کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ راجا ابیستر کی طرف سے سکندر کو قتل کرنے پر مامور تھا۔ سکندر خشم گین ہوا تو اس نے ابیستر کو اس کے ساتھیوں کے سمیت قتل کر دیا۔ اور کشمیر کی حکومت راجا پرتاب کو بخش دی جو مالوہ کے راجاؤں کے جدّ بکر ماجیت کی اولادوں میں سے تھا اور خود اپنے دار الملک کی طرف لوٹ کے چلا گیا۔

سکندر فیلقوس

ہندوستان کے مورخ لکھتے ہیں کہ سکندر فلیقوس (۱۱) حضرت عیسیٰؑ سے تین سو پچاس سال پہلے دار الملک روم میں ظہور میں آیا اور کم عرصے میں عراق اور روم اور عرب اور

یورپ کے ملکوں کو فتح کیا۔ عیسیٰؑ سے تین سو اکتیس برس قبل فارس کو مسخر کرنے کے لئے حملہ کیا اور تیسرے حملے میں وہاں کے بادشاہ دارا ابن داراب بن بہمن کو قتل کر ڈالا اور ایران و خراسان کے ممالک کو اپنے قبضے میں لے آیا۔

چونکہ داراب کے زمانہ حکومت میں ملک ہندوستان کے راجا ایران کے باجگذار اور فرمان بردار ہو چکے تھے، سکندر نے ایران اور خراسان کی مملکتوں کو ربط وضبط میں لانے کے بعد اسی خیال سے ہندوستان کو مسخر کرنے کا ارادہ کر کے عیسوی سن سے تین سو ستائیس سال پہلے بیشمار لشکر کے ہمراہ نیلاب دریا (۱۲) کو پار کیا اور ہندوستان کے راجاؤں کو اپنی بہادری و شجاعت سے تزلزل میں ڈال دیا۔ چونکہ تین چار برسوں سے شاہی افواج نے برفانی پہاڑوں کے درمیان سفر کی بے حد سختیوں اور دشواریوں کو برداشت کیا تھا اور جنگ وکشت و خون میں شریک رہ کر نڈھال اور افسردہ ہو گئے تھے، نیز پنجاب میں گرمیوں کے موسم میں پہنچ کر بخار کی بیماری میں مبتلا ہو کر اکثر مریض ہو چکے تھے، اس لئے انہوں نے ہندوستان پر حملہ کرنے میں پہل نہیں کی۔

اس زمانے میں ہندوستان میں تین نامور راجے تھے۔ ایک ابیستر کشمیر اور اسکے اطراف میں پہاڑوں کا حکمران، دوسرا ٹیکسائلز، دوآبہ اور سندر ساگر کا راجہ جو سند اور جہلم کے درمیان واقع ہے۔ تیسرا اہستناپور کا راجہ پُور۔

ابیستر نے تحایف و نفایس کثیر کے ساتھ سکندر کا استقبال کیا اور ٹیکسائلز نے خدمت میں حاضر ہو کر سکندر کی اپنے گھر لا کر دعوت کی اور کمال شان و شوکت کے ساتھ شایان اور مرتبہ ضیافت کا اہتمام کیا۔ اس طرف سے راجہ پورن نے فوجوں کی کثیر جماعت کے ساتھ حملہ کرنے کی خاطر دریا کے اس پار جنگی صفیں ترتیب دیں۔ دریائے جہلم میں

برسات کی وجہ سے طغیانی تھی۔ سکندر کے لئے دریا کو عبور کرنا مشکل ہوگیا۔ آخر دس میل اوپر چل کر دریا کو پار کر گیا۔ راجہ پورن کو کافی جنگ وجدل کے بعد اسیر کرلیا اور رحم دلی کا مظاہرہ کر کے اسے پھر سے اس کے ملک پر قائم رکھا۔ وہاں سے وقائع کشمیر کی روایت کے مطابق کشمیر کی سیر کو آیا۔ لیکن ہندوستان کے مورخوں نے سکندر کے کشمیر جانے کی بات نہیں لکھی ہے۔ البتہ صاحب وقایع کشمیر (۱۳) کی تحریر کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

غرض سکندر نے ملک دوآبہ اور پچ (۱۴) راجا پورن کو بخش دیئے اور خود چناب اور راوی کو عبور کرلیا اور سنگلا کے مقام پر سولہ ہزار آدمیوں کو، غالباً تاتاری قوم کے، قتل کر ڈالا۔ وہاں سے بہار کے ملک کو فتح کرنے کا خیال سکندر کے دل میں تھا لیکن فوجوں نے ہندوستان پر حملہ کرنے کی بات ہرگز نہیں مانی۔ مجبور ہو کر دوسری نوبت پر فتح ہندوستان کو موقوف کر کے واپس لوٹ جانے کا ارادہ کرلیا۔ فوراً ہی دو ہزار کشتیاں بنوائیں اور ایک لاکھ بیس ہزار سپاہوں اور دوسو ہاتھوں کو کشتیوں میں سوار کر کے دریائے سندھ سے روانہ کیا اور باقی لشکر نے دریا کے دونوں طرف کے کناروں پر سے خشکی کی راہ سے کوچ کیا۔ سکندر نے دریا کی آزمایشوں کے شوق میں خود دریا کی ہی راہ اختیار کی اور پانچ سو کُروہ کا فاصلہ طے کر کے سمندر کے دہانے پر پہنچا۔ وہاں سے سکندر خود خشکی کی راہ سے روانہ ہوا اور اس کے امیر البحر نیارکس نے سات ماہ کے اندر دریائی سفر مکمل کرلیا۔

سکندر نے عیسوی سن سے ۳۲۳ سال قبل وفات پائی۔

۲۳۔ راجہ پرتاب اُدت

۲۸۸۶ء (ک) میں سکندر کے حکم سے یا کشمیر کے اعیان سلطنت کے باہمی اتفاق سے کشمیر کی حکومت کا تاج سر پر رکھا اور اُمور مملکت کو چلانے کا کام نیز رعایا و سپاہ کی آسودگی کو پورے عزم کے ساتھ انجام دینے کی بہت کوشش کی۔ بتیس سال تک حکومت کی۔

۲۴۔ راجہ جلوک ثانی

۲۹۱۸ء (ک) میں حکمرانی کا خلعت پہن کر بتیس سال تک حکمرانی کی۔

۲۵۔ راجہ قونجین

۲۹۵۰ء (ک) میں باپ کے مسند حکومت پر بیٹھا۔ اسکی رانی واگ پشتا بڑی عقلمند عورت تھی اور اس کی رہنمائی میں سپاہ و رعایا کے دلوں کے باغ کو سرسبز و شاداب رکھا۔ ہمیشہ بخشش و سخاوت کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ تنگیشور مندر اور ہرداس مندر بیج بہاڑہ کے متصل بسائے اور کنگ نامی شہر بھی اُونچی اُونچی عمارتوں کے ساتھ بسایا۔ شہر کے مضافات میں

اُماشری مندر بنوایا جس کے گنبد کی طلاکاری پر ایک لاکھ اشرفیاں خرچ کی تھیں۔

قصہ: کہتے ہیں مراج کے حدود میں بیشمار درختوں کے پودے لگوائے اور حسن نیت کی وجہ سے ان سے فوراً ہی شگوفے پھوٹ نکلے اور پھلوں سے بوجھل ہوئے۔

بہادروں مہینے میں اتنی کثرت کے ساتھ برفباری ہوئی کہ فصلیں تباہ ہوگئیں اور ایک عظیم قحط چھا گیا۔ راجا نے خزانے خالی کردئے اور لعل وجواہر اور نقد و جنس کی صورت میں جو کچھ سرمایہ اس کے پاس تھا، اسے محتاجوں میں بانٹ دیا۔ اس کے باوجود قحط نہیں ٹلا۔

قصہ: نیک نام راجا کوئی تدبیر کرنے سے عاجز ہوا اور اس نے خود کو مار ڈالنے کا ارادہ کرلیا۔ اس کے اس فیصلے سے اُس کی بیوی واقف ہوئی اور اس نے اپنے خاوند کو خودکشی کرنے سے منع کیا۔ رات کے وقت دونوں میاں بیوی خدا کی بارگاہ میں دعا و نالہ وزاری کرنے لگے۔ ان کی دعا قبول ہوجانے کے نتیجے میں ہر صبح کو ہر کسی کے گھر میں آسمان سے دو بھنے ہوئے کبوتر سرہانے پر پہنچ جاتے تھے جب تک قحط چلا گیا۔

واگ پشٹا نے راموہ اور کیموہ گاؤں بسا کر برہمنوں کو جاگیر میں بخش دئے۔ اُس کی اپنی کوکھ سے کوئی اولاد نہیں تھی اور راجا کے انتقال کرنے پر اس کے شمشان پرستی ہوگئی۔ راجا نے چھتس سال تک حکومت کی۔

۲۶۔ راجہ نجے

۲۹۸۶ (ک) میں اعیان ملک کے اتفاق سے حکمران بن گیا۔ شہر کے اکابر

زادوں میں سے تھا۔ بیج بہاڑہ شہر بسا کے اسے اپنا حکومتی شہر بنالیا اور بجیشور مندر کو کمال سنگینی وبلندی کے ساتھ تعمیر کیا۔ آٹھ سال تک حکومت کی۔

۲۷۔ راجہ جَ اِندر

۲۹۹۴ (ک) میں سندمت وزیر کی پشتیبانی سے باپ کی حکمرانی کے مسند پر بیٹھا۔ کچھ عرصہ عدل واحسان سے گذارا۔ بالآخر اپنے وزیر سے بیزار ہو کر اسے دس سال تک قید میں رکھا اور اسکے مال ومتاع کو لوٹ لیا۔ لیکن لوگوں میں سے ہر خاص وعام آدمی وزیر کی نیک نیتی سے خوش تھے اور اپنی جگہ پر کہا کرتے تھے کہ وزیر عنقریب ہی یہاں کا راجا بن جائے گا۔ یہ بات راجا کے کانوں تک پہنچی اور اس نے وزیر کو پھانسی دینے کا حکم دیا۔ حکم کے بموجب وزیر کو تختہ دار پر لاکر مارڈالا گیا۔ اس کے بعد راجا پر ایک مصیبت وآفت آپڑی جس کی وجہ سے وہ چند دنوں کے ہی اندر دنیا سے رخصت ہوا۔ راجا نے سنتیس سال تک حکومت کی۔

چونکہ راجا جے اندر کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے سلطنت کشمیر کا تاج چند دنوں کے لئے بے سر رہا۔ اَیشان دیو نامی ایک ریاضت کیش، صاف باطن آدمی جو سندمت وزیر کا مربی تھا۔ ایشہ براری گاؤں میں گوشہ نشین ہو چکا تھا۔ سندمت وزیر کے حادثہ کی بات سن کر وہ وزیر کی لاش کو پھانسی کے تختے سے اُتار کر اسے غسل دینے کے بعد جلانے کے عمل میں آمادہ ہو گیا۔

قصہ: اَیشان دیو نے وزیر کی پیشانی پر نظر ڈال کر اس پر یہ تین فقرے لکھے ہوئے دیکھے:

۱) جب تک یہ آدمی زندہ رہیگا مفلس ہوگا

۲) دس سال تک قید میں رہ کر تختہ دار پر مرے گا اور

۳) اس کے بعد راج کرے گا۔

ایشان دیو نے دل میں سوچ لیا کہ ان تین باتوں میں سے تو دو باتوں پر عمل ہو چکا ظاہر ہے کہ اب تیسری بات پر بھی عمل معطل نہیں رہیگا۔ تب اس نے لاش کو ویسے ہی تختہ دار پر رہنے دیا اور خود اپنے لئے گھات کی جگہ بنا کر منتظر رہا کہ قدرت کیا تماشا دکھائے گی۔ ایک رات دیکھا کہ میدان نورانی ہوگیا اور چند جوگنیوں نے آخر لاش کو پھانسی کے تختے سے اُتار دیا اور اس کو زندہ کر کے اس کے ساتھ مشغول گفتگو اور خوش کلامی میں محو ہوگئیں۔ اَیشان دیو رات بھر خوفزدہ ہو کر سخت حیران ہوا۔ صبح کے وقت جوگنیوں نے وزیر کی لاش کو پھر سے تختہ دار پر چڑھانا چاہا کہ اسی حالت میں اَیشان دیو نے تلوار ہاتھ میں لے کر جوگنیوں کو ڈرایا دھمکایا جس کی وجہ سے وہ عورتیں غایب ہوگئیں اور ان میں سے ایک نے پکار کر رہا کہ: اے اَیشان دیو! اس شخص کو خدا نے ہماری وجہ سے زندہ کر دیا تو کیوں تلواز لہراتے ہوئے ہمارے پاس آیا؟ یہ راجا سندیمان ہے۔ ایک بڑا راجا ہوگا۔

وزیر جب زندہ ہوگیا تو اپنے مرشد کے پاؤں پر گر گیا۔ اسی اثنا میں ہر طرف سے لوگ جمع ہوگئے اور وزیر کو دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا۔ جو لوگ اسے پہلے سے جانتے تھے انہوں نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ بزرگان شہر نے اس کے حسن اخلاق اور اس کی نیک سیرتی کے پیش

نظرا سے حکومت کرنے کی استدعا کی لیکن وہ نہیں مانا۔ بالآخر اپنے مرشد کے حکم پر کشمیر کی حکومت قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔

۲۸۔ راجہ سندیمان معروف بہ آری راج

۳۰۳۱ء (ک) میں اعیان شہر کے باہمی اتفاق سے حکومت کا تاج سر پر رکھا اور سلطنت کے اُمور کی طرف متوجہ ہوا اور رعایا و سپاہ کی بھلائی کی خاطر کوشاں رہا اور بندگان خدا کو راحت پہنچائی۔ جس جگہ پر پھانسی کا تختہ نصب کیا گیا تھا وہاں پر سندیشوہ نامی مندر بنوایا۔ سندلار سے پھاک پرگنہ کو آباد و شاداب رکھنے کے لئے آری کل نہر جاری کی اور لار پرگنہ میں آری گاؤں بسا کر اسے نہر کے مصارف کے لئے وقف کر دیا۔

بالآخر اس بے وفا دنیا کو بے اعتبار جان کر راجا بیشتر اوقات عبادت و ریاضت اور مندروں کی پوجا کرنے میں مشغول رہنے لگا۔ ہر صبح ایک ہزار شولنگ (۱۵) بنا کر ان کی پرشش کیا کرتا تھا اور ملکی مصلحتوں اور سلطنتی اُمور کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتا تھا۔ لوگ اس کے اس طریقہ کار سے تنگ آ کر پریشان خاطر ہو گئے اور وہ بھی جان چکا تھا کہ لوگ مجھ سے ناراض ہیں۔ اعیان ملک کو بلا کر راجا نے ان سے کہا: آج تک آپ لوگوں کی استدعا پر میں نے حکومتی اُمور انجام دئے ہیں۔ اب آپ کسی اور آدمی کو حکومت کے لئے چن لیجئے اور مجھے معاف کر دیجئے۔ اس کے بعد ہرن کی کھال پہن کر تخت حکومت سے اُٹھا اور بُومہ زُو غار میں روپوش ہو کر نظروں سے غائب ہو گیا۔ اسی لئے اس غار کو آری رای کی غار کہتے ہیں۔

سنتالیس سال تک حکومت کی۔

اس کی حکومت کے تیرہ سال بعد بکرمی سن شروع ہو جاتا ہے اور کلجوگ سن کے تین ہزار اور اٹھتر سال گذر چکے ہوتے ہیں۔ طوالت کے خوف سے یہیں پر باب ختم کرتے ہیں

راجہ سندیمان کی حکومت کے اواخر میں افواہ مشہور ہوئی کہ گوپادت نامی راجہ اندھ جدشتر کا ایک پوتا قندہار کے راجا کے زیر سایہ زندگی کے ایام بسر کر رہا ہے اور اس کا میگواہن نامی ایک لائق اور قابل بیٹا بھی ہے۔ چنانچہ ان ہی ایام میں پریاگ جوتش کے راجا نے اپنی بیٹی امرتہ پربھا کے حق میں سوئیمبر کو مشتہر کیا تھا اور باپ کے حکم سے میگواہن اس سوئیمبر میں حاضر ہوا اور امرتہ پربھا نے اس پر بادل کا سایہ دیکھ کر اسے اپنے لئے قبول کر کے پھولوں کا ہار اس کی گردن ڈال دیا۔

میگواہن کثیر مال و دولت اور پسندیدہ دلہن کے ساتھ لوٹ کر قندہار میں ایام زندگی گذار رہا تھا۔ اعیان کشمیر جو راجا سندیمان کی ناتوانی کے باعث غمزدہ تھے، نے یہ خبر سن کر میگواہن کو پیغام بھیجا اور اسے حکومت کرنے کے لئے طلب کیا اور وہ راجا سندیمان کے تخت چھوڑنے کے وقت کشمیر پہنچا۔ ان چھ راجاؤں کی مجموعی مدت حکومت ایک سو بیانوے سال محسوب کی گئی ہے۔

یادداشتیں

(۱) اس کا نام کنز بھی تھا۔

(۲) زنل۔۔ پھاک پرگنہ میں۔

(۳) آمرو آگر۔۔۔کھاہور پارہ میں۔

(۴) سراندیپ۔

(۵) ہون ایک قسم کی خیرات ہے۔ ہندو آگ جلاتے ہیں اور برہمن اس کے گرد بیٹھ کر کھانے پینے کی چیزوں کو اس کے اندر ڈال دیتے ہیں۔ان کے اعتقاد میں آگ فرشتہ ہے جسے یہ چیزیں کھلائی جاتی ہیں۔ کھانے کی ان چیزوں کو اہوت کہتے ہیں۔

(۶) جوگیوں کا فرقہ ہندو فقیروں کا ایک فرقہ ہے۔

(۷) جگ۔۔ ہندوؤں کی اصطلاح میں نذرونیاز ہے۔

(۸) زشٹیشور راجا سندیمان اول کے تعمیرات میں سے ہے اور گوپادت نے اس کی مرمت کی۔

(۹) دریای اٹک۔

(۱۰) پورس۔

(۱۱) یہ سکندر اس سکندر ذوالقرنین سے جدا تھا جو اُس سے دو ہزار سال پہلے گذر چکا ہے۔

(۱۲) دریائے سندھ۔

(۱۳) ملا احمد کشمیری ملک الشعراء۔

(۱۴) ٹھٹھ بھی کہتے ہیں۔

(۱۵) ہندو آدمی کے آلت کی گول شکل پتھر یا مٹی کی بنا کر اس کی پوجا کرتے ہیں اور اسی کو شولنگ کہتے ہیں۔

پانچواں تخت

ا۔ راجہ میگواہن

راجا آری رای کے مستعفی ہو جانے کے بعد ۳۶ھ بکرمی میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور عدل وانصاف سے کشمیر کے گلستان کو شاداب بنایا۔ اطراف کے ممالک میں ربط وضبط قائم کیا اور جانوروں اور پرندوں کے مارنے، گوشت کھانے اور خون بہانے پر کلی ممانعت کی ۔شکاریوں اور قصابوں کو معاش کے لئے زمینیں دیں۔ اس کے عہد حکومت میں کسی بھی جاندار کو اذیت نہیں پہنچی بلکہ اس کی حسن نیت سے کسی درندے یا حشرات نے بھی کسی کو تکلیف نہیں دی۔ راتوں کو لباس بدل کر شہر میں گھومتا تھا اور پوشیدہ طور پر مسکینوں اور غریبوں کی مدد کرنے کے لئے ان کے دروازوں پر مال ومتاع رکھ دیتا تھا۔ میگہ ون، مینہ گام اور میگہ مٹ جگہیں اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔

اسی اثنا میں اُس کو خبر ہوئی کہ ہندوستان کے ملک میں جانداروں کو اذیتیں دی جارہی ہیں۔ اس کی ممانعت کرنے کی خواہش میں فتح مند فوج اور سامان جنگ مہیا کر کے ہندوستان کی طرف تسخیر کرنے کا جھنڈا بلند کیا اور ہندوستان کے بیشتر راجے اسکی اطاعات قبول کر کے جانداروں کو اذیت دینے کے خیال سے دستبردار ہو گئے اور جس کسی نے اس کے حکم کو نہیں مانا اسکی شان وشوکت اور سلطنت کو تباہ کیا۔ آہستہ آہستہ سمندر کے کنارے تک

پہنچ گیا۔

قصہ: ایک دن اعیان سلطنت کے ساتھ سمندر کو پار کرنے کے لئے صلاح و مشورہ کر رہا تھا کہ دُور سے آواز سنی کہ راجہ مگیواہن کی حکومت میں مجھے مارا جا رہا ہے۔ یہ فریاد سن کر راجا غضبناک ہو کر خود اس فریاد کی تاک میں دُور تک گیا اور ایک آدمی کو دیکھا جسے پانچ چھ آدمی باندھ کر لے جا رہے تھے۔ راجہ نے جب حقیقت حال پوچھی تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ اس وقت ہمارا عزیز فرزند بیماری کی وجہ سے قریب المرگ ہے اور ہماری ہمسائیگی میں ایک مندر ہے جہاں سے لوگ غیبی خبریں سنا کرتے ہیں۔ اپنے بیمار فرزند کے حق میں وہاں سے میں نے آواز سنی کہ اس کے لئے ایک آدمی کی قربانی چاہیے۔ اب یہ اجل کا مارا آدمی ہمیں مل گیا ہے اور میں اس کو اپنے بیٹے پر قربان کر دوں گا۔ راجہ نے کہا کہ میرے عہد حکومت میں جانوروں کو مارنا منع ہے تو تم لوگوں میں یہ جرأت کہاں سے آگئی کہ ایک بیگناہ آدم زاد کو راہ چلتے پکڑ کر اسے قتل کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اُس ہمارے فرزند کے مر جانے سے ہمارے بہت سے لوگوں کی موت واقع ہو جائے گی۔ آپ کو میں ایک آدمی کا قتل ہونا منظور نہیں تو ان بہت سے لوگوں کی موت واقع ہو جانے پر اس خالق کل خدا کو آپ کیا جواب دیں گے۔ راجہ نے کہا چھوڑ دو اس بیگناہ مسافر کو اور اس کے بدلے میری جان کو اس فرزند پر قربان کر دیجئے۔ انہوں نے اسے مخول سمجھ کر ہنسی میں ٹال دیا اور راجہ نے خنجر نکال کر خود کو مارنا چاہا کہ اسی دوران آسمان سے راجہ کے سر پر پھول برسنے لگے اور غیب سے ایک روحانی آدمی نمودار ہوا اور اس نے راجہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے خودکشی کرنے سے روک دیا۔ اسی حال میں وہ سب آدمی بھی راجہ کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ راجہ یہ دیکھ

کر ششدر ہو کر رہ گیا۔ اس روحانی شخص نے راجہ سے کہا کہ یہ جماعت عالم غیب سے تمہاری آزمائش کے لئے آئی تھی اور میں خود سمندروں کا موکل ہوں۔ خدا کے بندوں پر تمہاری رحمت و شفقت کی نہریں بہتی دیکھ کر میں تیرا فرمابردار اور اطاعت گذار ہو چکا ہوں۔ اب مانگ لو مجھ سے جو مانگنا چاہتے ہو۔

راجا نے کہا سنگلدیپ اور لنکا (۱) کے جزیروں کو فتح کرنے میں آپ کی مدد چاہتا ہوں۔ اس آدمی نے کہا کہ میں درگاہ سے تیری مدد کرنے پر مامور ہوا ہوں۔ اس کے بعد نیک سیرت راجا پر جوش لشکر و خدام اور ہاتھیوں کی بڑی تعداد کے ہمراہ غیبی موکل کی مدد سے سنگلدیپ جزیزہ میں پہنچا اور وہاں کے راجہ بھشین کی گردن میں فرمان برداری کا طوق ڈال کر اس سے جانوروں کو مارنے کے عمل کو روک دینا قبول کروایا اور اس نے تحائف و نفائس بے شمار کو پیشکش کر کے سرفرازی پائی۔ راجہ کمال فتح مندی اور شان و شوکت کے ساتھ کشمیر لوٹ آیا۔

قصہ: ایک دن ایک ضعیف برہمن نے، جس کے بغل میں اس کا ایک نحیف و نزار بیٹا بھی تھا، راجا کے سامنے استغاثہ پیش کیا کہ میرے جگر کا یہ ٹکڑا ایک عرصے سے بیمار ہے۔ نجومی کہتے ہیں کہ ایک حیوان کو قربان کئے بغیر یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ چونکہ حیوانوں کو مارنے کی ممانعت ہے، اس لئے ایک مطلق حیوان کی جگہ یہ صاحب نُطق حیوان مٹ جائے گا۔ یہ بات سن کر راجا سخت حیران ہوا اور برہمن کو تسلی دے کر کل کو جواب دینے کا وعدہ کیا۔ راجا ساری رات اس برہمن کی فکر میں پریشان و مضطرب رہ کر سوچتا رہا کہ بالآخر میری جان کو فنا ہونا ہی ہے اگر اس وقت اس برہمن زادہ پر اسے فدا کروں تو یہ عین سعادت ہوگی۔

صبح سویرے برہمن سے کہا کہ حیوان کی جگہ میری جان کو اپنے بیٹے پر قربان کر

دو۔ برہمن نے کہا کہ یہ عظیم بات تو کسی کے خیال تک میں بھی نہیں آسکتی۔ تب راجہ نیک صفات نے خنجر نکال کر خود کو مارنا چاہا ہی تھا کہ اچانک ایک روحانی شخص پیدا ہوا اور اس نے راجا کو خود کو قتل کرنے سے باز رکھا اور اسکی بلند ہمتی پر اسے مرحبا و آفرین کہا۔ برہمن زادہ کو بھی فوراً ہی مکمل شفا ہوئی۔

قصہ: ایک روز راجہ اپنی حرم سرا میں آسودگی کے ساتھ سو رہا تھا کہ دُور سے آواز سنی: چور! چور! راجا کی زبان سے نکلا کہ چوروں کو پکڑلو۔ دو تین روز کے بعد راجا کے پاس چند عورتیں آگئیں اور استدعا کی کہ پرسوں ہمارے شوہر جو سانپوں کی صورت میں چشموں کے موکل ہیں رات کے وقت سیر کو نکلے تھے۔ لوگوں نے ان کو چور جان کر شور مچایا اور حضور والا کی زبان سے اس حکم کے صادر ہونے پر کہ چوروں کو پکڑلو۔ ہمارے غیبی موکل شوہروں کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا ہے۔ راجا نے مسکرا کر کہا کہ چوروں کو رہا کردو۔ اسی وقت ان کو قید سے چھوڑ دیا گیا۔ پھر اس کے بعد چشموں کے موکل اس کے فرمانبردار ہو کر مختلف صورتوں میں راجا کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے۔

ایک دن راجا جھیل وُلر کی سیر کر رہا تھا۔ تند آندھی اُٹھی کہ کشتی غرق ہونے کو تھی۔ اس حالت میں لاکھوں سانپ پانی میں نمودار ہوئے اور انہوں نے کشتی کو کندھے پر اٹھا کر ساحل تک پہنچا دیا۔

کچھ عرصے کے بعد مارواڑ کا راجہ اطاعت کی راہ سے منحرف ہو گیا ور راجا کے کارکنوں کو نکال کر جانوروں کو قتل کرنے لگا۔ یہ خبر سنتے ہی راجا بیشمار لشکر کے ہمراہ ہار کے مہینے میں مارواڑ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں فوج پانی کے مہیا نہ آنے کی وجہ سے عاجز آگئی۔ اچانک چشموں کے موکل سانپوں کی شکل میں وہاں پر آگئے اور بہت سے چشموں

سے پانی پھوٹنے لگا اور کثرت آب کی وجہ سے سیلاگ آ گیا اور شاہی فوج سیراب ہوگئی۔ اس کے بعد جنگ ہوئی اور ماروار کا راجا دلاور ان لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ میگواہن نے اسے قید میں ڈال کر خود ماروار پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سے سورت کا رُخ کر کے سورت اور قنوج کے شہر فتح کیئے۔

ان مقامات میں ضبط و انتظام قائم کر کے راجہ ٹھٹھ اور بھکر کی راہ سے کشمیر کی طرف لوٹ آیا۔ جب دریای سندھ کے کنارے پر اس جگہ پہنچا جہاں پنجاب کے دریا اٹک سے مل جاتے ہیں تو وہاں برسات کی بارشوں کی وجہ سے دریاؤں میں طغیانی آ گئی تھی۔ کشتیوں کے میسر ہو جانے کے عدم امکان کی وجہ سے راجہ کو فکر لاحق ہوگئی کہ دریا کو کیسے عبور کیا جائے۔ اچانک سانپوں کی ایک جماعت نمودار ہوگئی اور انہوں نے دریا کی سطح پر خود کو پل کی شکل میں باندھا اور ان پر سے سارا رلاؤ لشکر، ہاتھی اور خدام و چاکر مع مال و اسباب گذار کر کشمیر کی جانب لوٹ آیا۔ اس جگہ تک ہندوستان کے تمام راجے اُس کے ہمراہ تھے اور یہاں پر اس نے ان میں سے ہر ایک راجہ کو قیمتی خلعتوں سے نواز کر رخصت کیا۔ ہندو اس کے بارے میں عجیب عجیب داستانیں لکھتے ہیں۔ طوالت کی وجہ سے ہم نے ان کو چھوڑ دیا۔

قصہ: کہتے ہیں کہ بادل کا سایہ ہمیشہ اس کے سر پر رہتا تھا اور بارش کے وقت اس کی چیزیں بھیگتی نہیں تھیں اور اسی لئے اسے مگیواہن کہتے تھے۔ میگ یعنی بادل اور واہن یعنی سواری، وَاللہ اعلَم! (اور خدا بہتر جانتا ہے)

چونتیس سال تک حکمرانی کر کے وفات پائی۔

۲۔ راجہ سرشٹہ سین

باپ کی وفات کے بعد ۶۸ ھ (ب) میں حکومت کا تاج سر پر رکھا۔ اپنے مشہور باپ کے مقبوضہ ملک میں ضبط و نظم قائم رکھنے کی کافی کوشش کی اور اپنی عمر عزیز کو عدل وانصاف برتنے میں صرف کیا۔ ماثر چکر اور پرویشور مندر یادگار چھوڑے اور کانگڑہ کے علاقے کا محصول ان کے اخراجات کے لئے وقف رکھا۔ تیس سال تک حکومت کر کے دنیا چھوڑ دیا۔ اس سے دو بیٹے باقی رہے۔ ایک ہرن اور دوسرا تورمان۔

۳۔ راجہ ہرن

۹۸ ھ (ب) میں باپ کے ملک کا وارث بن گیا اور تورمان نے وزارت کا جھنڈا بلند کیا۔ بالآخر تورمان کا مزاج بھائی کی اطاعت سے منحرف ہوا اور اس نے اپنا سکہ جاری کیا۔ راجہ ہرن کو اس کی حرکت سے تشویش ہوئی اور اسے قید میں ڈال دیا اور اس کی بیوی انزنا نے، جو سورج بنسی (۲) راجاؤں کے میوۂ دل میں سے راجہ وزندر کی بیٹی تھی، شوہر کے اس حادثے کو دیکھ کر اندرکوٹ (۳) کی طرف فرار کر کے وہاں ایک کمہار کے گھر میں پناہ لی۔ چونکہ اپنے شوہر سے حاملہ تھی تو وضع عمل کے وقت اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا پرورسین نام رکھا۔ کمہار کی بیوی نے اپنے بیٹے کی طرح اُسے پالا یہاں تک کہ وہ سن بلوغ

کو پہنچا اور لوگ اسے کمہار کا ہی بیٹا جانتے تھے۔ البتہ بچپن سے ہی اس کے چہرے پر بزرگواری کے آثار نمودار تھے اور بچوں کے ساتھ کھیلتے وقت وہ کسی بلند جگہ پر جا کر بیٹھتا اور خود کو راجا کہتا اور باقی بچوں کو وزارت و امیری اور ملازمت کے عہدوں پر مقرر کر کے ان پر حکم چلاتا تھا۔ اور ہمیشہ تیراندازی و نشانہ بازی میں مشغول رہتا تھا۔ اتفاق سے انزنا کا بھائی جے اندر اپنی بہن کی تلاش میں ہر جگہ گھومتا پھرتا تھا اور بالآخر اندرکوٹ میں اسی جگہ پر پہنچا جہاں پر پرورسین بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا۔ ایک بچے کو دیکھا جو شان و شکوہ کے ساتھ ایک بلند مقام پر بیٹھ کر بچوں پر حکومت چلاتا تھا۔ جے اندر کے دل میں فطری محبت و شفقت نے جوش مارا لیکن بات نہ کر سکا۔ شام کو اس کے پیچھے پیچھے کمہار کے گھر میں داخل ہوا اور وہاں اپنی بہن کو پہچان لیا۔ فراق و جدائی کے ایام پر دونوں رونے لگے۔ پرورسین نے جب رونے کا سبب پوچھا اور اس آدمی کی کیفیت جاننا چاہی تو ماں نے کہا کہ یہ آدمی میرا بھائی ہے اور تیرا باپ تورمان اپنے بھائی کے ظلم کے ہاتھوں قید میں ہے اور ہم دونوں اسکی جدائی پر رو رہے تھے۔ اپنے باپ کا حال سن کر پرورسین کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور وہ رات دن کشتی و پہلوانی کی ورزش کرتے ہوئے جے اندر کے گھر میں رہنے لگا۔ ان ہی ایام میں راجہ ہرن نے بعض نامور امراء کی سفارش پر تورمان کے آزاد کئے جانے کا حکم دیا۔ چند دن اس نے اپنے بیٹے کے اُلفت کی صحبت میں گذار کر قضای ناگہانی سے وفات پائی۔

اس کے بعد پرورسین اپنے ماموں کے ہمراہ ہندوستان کے مندروں اور تیرتھوں (۴) کو دیکھنے کے لئے چلا گیا۔ راجہ ہرن کی کامرانی کے دن بھی تمام ہوئے اور تیس سال دو ماہ تک حکمرانی کرنے کے بعد فوت ہوا۔ چونکہ اس کا کوئی بٹیا نہیں تھا اس لئے سلطنت کا چراغ بے نور ہو گیا۔ اعیان سلطنت نے راجہ بکرماجیت کے پاس، جو اُن دنوں

ہندوستان کا بادشاہ تھا، کشمیر پر قبضہ کر کے ایک فرمان روا حاکم بھیج دینے کی عرضداشت بھیجی۔ اس سے پہلے یہاں کا ماتر گپت نامی ایک عالم و فاضل اور مرتاض و عقلمند برہمن روزی کے حصول کی خاطر راجہ بکر ماجیت کے پاس جا چکا تھا اور وہاں چھ ماہ سے لشکر خاص میں افلاس کے دن کاٹ رہا تھا۔

ایک دن جاڑے میں راجہ بکر ماجیت نیند سے جاگا۔ ہوا چلنے سے شمعیں بجھ چکی تھیں تو اس نے دربار کے خدمت گذاروں کو آواز دی۔ نیند کی غلبگی کے باعث ان میں سے کوئی بھی بیدار نہیں ہوا۔ ماتر گپت محل شاہی کے باہر باغ میں پریشانی کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔ راجا کی آواز سن کر وہ حضور میں پہنچا اور شمعیں جلا کر راجہ کے دربار میں باریاب ہوا۔ راجا نے اس سے پوچھا کہ رات ابھی کتنی باقی ہے؟ برہمن نے کہا ڈیڑھ پہر۔ راجہ نے کہا تم نے کیسے جانا کہ ابھی ڈیڑھ پہر باقی ہے؟ ماتر گپت نے کمال فصاحت کے ساتھ فی البدیہہ ایک اشلوک نظم کر کے راجا کے حضور میں پڑھا جس کا مضمون یہ تھا:

شلوک کا ترجمہ:

سردی کی شدت سے میرا بدن سوج گیا کہ لوبا کے دانے کی طرح میرے بدن کی کھال پھٹ جائے۔ میری آگ ایسی کمزور پڑ گئی کہ اس کو بہت زیادہ پھونکنے سے میرے ہونٹ شق ہو گئے اور بھوک کی سختی سے میرا منہ اور حلق دونوں سوکھ چکے اور غم و حسرت کے سمندر میں ڈوب کر نیند میرے دماغ سے اتنی دُور چلی گئی ہے جیسے بے عزت کر کے کسی عورت کو نکال دیا گیا ہو۔ جس طرح کسی بزرگوار آدمی کو کوئی زمین

جا گیر میں مل چکی ہو اور اس زمین میں مطلق کوئی کمی واقع نہیں
ہوتی ویسے ہی یہ کالی رات میرے لئے کم نہیں ہوگی۔

راجہ شلوک کے مضمون اور اس کی فصاحت و بلاغت کو ادراک کر کے نہایت محظوظ و ممنون ہوا۔ برہمن کی پریشان حالی سے متحیر ہو کر اس نے اس کے عوض میں اسے کشمیر کی حکمرانی دینے میں مصلحت دیکھی اور اسی وقت اعیان کشمیر کے نام خط کا جواب لکھا، ماتر گپت اس ملک کی حکمرانی پر مقرر کیا گیا۔ آپ لوگ اس کی اطاعت کیجئے۔ کل دوسرے دن ماتر گپت کو دربار میں حاضر کر کے کشمیر کی حکمرانی کا فرمان لفافہ میں لپیٹ کے اس کے حوالے کر دیا اور کہا کہ اس فرمان کو فوراً اعیان کشمیر کے پاس پہنچا دیا جائے۔ پھر اسکے بعد تمہیں شایان شان انعام دیا جائے گا۔

برہمن پوری نا اُمیدی کے ساتھ فرمان کو ہاتھ میں لے کر کشمیر کی طرف چل پڑا۔ جب ہیرہ پور پہنچا تو اس نے اس فرمان والا شان کو امراء کے حوالے کر دیا۔ اسے پڑھ کر امراء نے خوشی کے نقارے بجائے اور ماتر گپت کو شاہانہ لباس سے سجا کر حکمرانی کے تخت پر بیٹھا دیا۔

آ گاہی:

بات کے مناسب موقع و محل اور تاریخ کو وسیع تر کرنے کے خیال سے یہاں پر ہم راجہ بکرماجیت کا حال بیان کرتے ہیں۔

راجہ بکر ماجیت کا ہندوستان اور کشمیر پر تسلط پانا

ہندوستان کے مورخین لکھتے ہیں کہ راجہ بکر ماجیت پوار قوم سے تھا۔اس کے قابل تعریف اوصاف اور پسندیدہ اطوار سے متعلق ہندوؤں کی تواریخ میں بہت سے قصے اور حکایات افسانے کی صورت میں مذکور اور مشہور ہیں۔اس مختصر کتاب میں ان کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔

مختصر یہ ہے کہ راجہ موصوف جوانی کے اوایل میں فقیریوں کے لباس میں ہندوستان کے اکثر شہروں کی سیاحت کر کے سادھوؤں کے ساتھ رہتا تھا۔ چنانچہ سخت ریاضتیں اُن کے ساتھ کرنے کے نتیجے میں ایک کامل فقیر بن گیا تھا۔جب پچاس سال کا ہوا تو آسمانی بشارت پا کر سپاہ گری کے میدان میں قدم رکھا اور ملکوں کو فتح کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔اور حکمت ازلی یوں تھی کہ عظیم سعادتمندی پانے کی راہ سے اس نے بندگان خدا کو ظلم پیشہ راجاؤں کے جور و جفا کے پنجے سے نجات دی۔دن بہ دن اس کے اُمور ترقی پاتے گئے اور تھوڑے ہی عرصے میں اس نے نہر والہ اور مالوہ پر قبضہ کیا اور سخاوت وشفقت اور انصاف کرنے میں ایسی کوشش کی کہ کم ہی مدت میں شہرۂ آفاق ہو گیا۔اور ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ جو بھی خیال اس کے دل میں سے گذرتا بغیر کسی کمی بیشی کے ویسا ہی ہو جاتا تھا اور دن رات میں خیر وشر اور نفع وضرر کے جو بھی اُمور اس کے مفتوحہ ممالک میں ظہور پذیر ہوتے وہ سب روز روشن کی مانند بغیر کسی قصور خلل کے اس پر آشکارا ہو جاتے تھے۔سلطنت کا حکمران

ہونے کے باوجود خدا کے لوگوں کے ساتھ بھائیوں کا سا سلوک کرتا تھا اور سوائے ایک برتن اور بوریا کے اس کے گھر میں اور کچھ نہیں تھا۔

اوجین کا شہر بسا کر اُسے اپنا حکومتی شہر قرار دیا اور دھار قلعہ کی تعمیر کی اور اسے اپنی رہائش کے لئے اختیار کیا۔ اوجین میں مہا کالی مندر بنایا اور برہمنوں اور جوگیوں کے لئے زمینیں مقرر کیں اور انہیں وہاں بسایا۔ خود اکثر اوقات خدا کی عبادت اور لوگوں کی خدمت کرتا تھا۔ ہندوستان کی تواریخ میں اس کے اقوال و افعال کے بارے میں عجیب و غریب قصے درج ہیں۔ دفتروں میں اس کی پیدائش کے زمانے سے ہی سال و ماہ کی تاریخ ضبط کی جاتی ہے۔ بکرماجیت اردشیر کا ہم زمان تھا اور بعض اُسے شاپور کے عہد کا ہم زمان جانتے ہیں۔ اپنی عمر کے اواخر میں کشمیر کے ملک پر قابض ہوا اور اسے ایک شاعر کے صلہ و انعام میں بخش دیا۔

بالآخر دکن کے شالباھن نامی ایک زمیندار نے اس کے خلاف بغاوت کی اور نربدہ دریا کے کنارے دونوں طرف کی فوجوں نے آراستہ ہو کر جنگ کی۔ آخر میں شالباھن غالب آیا اور اس نے بکرماجیت کو قتل کر ڈالا۔ بیانوے برس تک حکومت کی۔

۱۔ ماترگپت

راجہ بکرماجیت کے فرمان سے ۱۳۰ سمہ (ب) میں کشمیر کی حکمرانی کا تاج سر پر رکھا اور سلطنت کے کام کی طرف متوجہ ہوا۔ حکومت کے ارکان و اعیان کو اُن کے درجوں کے

مطابق بے شمار زرّ اور زرّ کار خلعت دئے اور اپنے رشتہ داروں اور وابستگان کو فراوان انعام اور مناسب عہدے بخش کر انہیں بزرگوار بنایا۔ کشمیر کے نفالیس وتحائف اور عمدہ ترین اشیاء کو بیشمار تعداد میں مہیا کرا کے راجہ بکر ماجیت کی خدمت میں نذر کیا۔ عدل واحسان کے ساتھ رعایا سے پیش آیا اور اپنے ملک میں جانوروں کو قتل کرنے کی ممانعت کی۔ ملک کی جو بھی آمدنی پورے دن میں جمع ہو جاتی اسے رات کو مسکینوں اور فقیروں میں بانٹ کر خزانے کو خالی رکھتا تھا۔ چار سال اور نو ماہ تک حکومت کر کے جب راجا بکر ماجیت کے موت کی خبر سنی تو اسی وقت سلطنت کو چھوڑ کے ریاضتوں کے قبول ہو جانے کی نیت سے کاشی چلا گیا۔

پہلے کہا جا چکا کہ پرورسین اپنے ماموں کے ہمراہ مندروں اور تیرتھوں کی زیارت کرنے کے لئے ہندوستان گیا تھا۔ جب وہ بتوں کی پوجا اور مندروں اور عبادت کی جگہوں کو دیکھنے سے فارغ ہوا تو روشن دل عابد لوگوں کی تلاش میں ہر جگہ گومتا رہا۔ آخر اُس نے دکن کے پہاڑوں کے اطراف میں اشوپاد نامی ایک کامل فقیر کو دیکھا اور روحانی فیض پانے کے بعد اس کی زبان سے حکمرانی کی خوشخبری سنی۔

لیکن اپنے افلاس اور اپنی ناتوانی کی طرف دیکھ کر اسے اطمینان خاطر نہیں ہوا اور ایک سال تک اپنے معبود کی عبادت میں وہیں پر مشغول رہا۔ دوسری بار اشوپاد کی زبان سے جب حکمرانی کی بشارت سنی تو پھر اپنے ملک کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اپنے باپ کے امراء اور احباب کی ایک کثیر جماعت نے اس سے ملاقات کی۔ جب راجہ ہرن کے وفات اور ماتر گپت کے تسلط پانے کی خبر سنی تو کشمیر کو مسخر کرنے پر ہمت کی کمر باندھ لی اور نگر کوٹ جسے اس وقت کانگڑہ کہتے ہیں کے حدود میں پہنچا اور وہاں پہاڑوں کے مختلف مقامات اور کشمیر کے اطراف سے بہت سی فوج جمع کی اور پنجاب کے اکثر شہروں کو فتح کر لیا۔

کشمیر کے تسلط پر اسے ایک اچھی تدبیر یہ سوجھی کہ چونکہ ماتر گپت کو بکر ماجیت نے خیرات کے طور پر کشمیر بخش دیا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے معاون یعنی راجا بکر ماجیت سے جنگ کی جائے پھر اس کے بعد ملک کشمیر پر قبضہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اس لئے کافی لاؤلشکر کے ساتھ راجا بکر ماجیت کے خلاف جنگ کرنے کے ارادے سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں خبر سنی کہ راجا بکر ماجیت نے زندگی کا لباس پھاڑ کر دنیا چھوڑ دی ہے۔ یہ خبر سن کر پرورسین نے اس کے بیٹوں کے ساتھ جنگ کرنے کو مروت کی شرط کے خلاف عمل جان کر لوٹ آیا اور چند دنوں کے بعد سنا کہ ماتر گپت سلطنت چھوڑ کر کاشی جانے کے ارادے سے لاہور پہنچا ہے۔ اپنے چند امراء کے ہمراہ پرورسین ماتر گپت کے پاس گیا اور اس سے سلطنت کو ترک کرنے کی وجہ پوچھی۔ ماتر گپت نے کہا کہ بکر ماجیت کی موت سے میری عبرت اتنی بڑھ گئی کہ اُدھار کی سلطنت سے مجھے نفرت ہوگئی اور گدائی کا لباس پہن کر میں نے مسافرت اختیار کی۔ سلطنت کی قبا تیرے بدن پر ٹھیک جچتی ہے، میری طرف سے مبارک ہو۔ پرورسین نے اپنی جگہ خیال کیا کہ بکر ماجیت نے اس برہمن کو کشمیر کا ملک خیرات میں دیا ہے۔ اب اگر میں اس سے واپس چھین لوں تو یہ شرط مروت نہیں ہوگا۔

اس کے بعد بلند ہمتی کے پیش نظر ماتر گپت سے کہا کہ ابھی تک تو راجا بکر ماجیت نے کشمیر کا ملک آپ کو بخش دیا تھا، اب میں اسے آپ کو بخشتا ہوں۔ برہمن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا بکر ماجیت نے مجھے حقیر آدمی کو اتنا عظیم عطیہ بخش دیا تھا، اب میں اس کی بخشش کے حق کو کیسے بھول جاؤں کہ آپ کی بخشش کو قبول کروں اور پھر اگر میں آپ کے انعام کو منظور کروں تو اس کا انعام آپ کے انعام کے برابر ہو جائے گا۔ تو پھر اس کی

بزرگواری کہاں باقی رہے گی۔ برہمن وہاں سے کاشی چلا گیا اور دس برس تک عبادت کرنے کے بعد وفات پائی اور پرورسین اس کی زندگی کے اواخر تک ہر سال اخراجات کو کم کرانے کے بعد کشمیر کا خراج اس کے لئے بھیج دیا کرتا تھا جسے ماتر گپت مسکینوں اور غریبوں میں بانٹ دیتا اور خود گدائی کیا کرتا تھا۔

۲۔ پرورسین

ماتر گپت کے رخصت ہو جانے کے بعد ۱۳۵ھ (ب) میں کشمیر آ گیا اور ملک میں نظم وضبط اور سپاہ ورعیت کی آسودگی کی طرف متوجہ ہوا۔ عدل وانصاف اور سخاوت وبخشش سے پیش آ کر اپنے زمانے کے حکمرانوں پر سبقت پائی اور دو تین سال تک مکمل استواری کے ساتھ انتظام مملکت کو درجہ کمال تک پہنچا کر بھاری فوج کے ساتھ ہندوستان کا رُخ کیا۔ ہندوستان کے اطراف سے سمندر کے ساحل تک کے ممالک کو اپنے قبضے میں لے آیا۔ بکرماجیت کے بیٹے شیلادت، جو دشمنوں کے ہاتھوں ہراسان وپریشان ہو کر بھٹک رہا تھا، کے سب ہی مخالفوں کو جنگ میں مغلوب اور شکست دے کر اُسے اپنے باپ کے مقبوضہ ممالک پر تسلط پر برقرار رکھا اور سنگاسن تخت، جو راجا میگواہن کے بزرگوں سے بکرماجیت کے ہاتھوں میں آ گیا تھا، کو شیلادت سے لے کر کشمیر لوٹ آیا۔ کچھ عرصہ بعد شیلادت نے راجا کی متابعت سے سرکشی کر کے بغاوت کا پرچم بلند کیا۔ راجا پرورسین اس پر حملہ آور ہوا اور میدان جنگ میں اسے قید کر لیا لیکن اپنی بلند ہمتی سے اسکی خطا معاف کر کے اسے پھر سے

اپنے موروثی ملک پر قائم رکھا۔ کچھ عرصے کے بعد اس نے بدبختی سے پھر سرکشی کی۔ راجا نے دوسری بار اس پر قہر توڑا لیکن پھر معاف کر دیا۔

کہتے ہیں شیلادت نے چھ مرتبہ بغاوت کی اور پرورسین نے ہر بار اسکی سرکوبی کرنے کے بعد اپنی کثرت بخشائیں سے اس کی خطا معاف کی۔ ساتویں بار راجا نے اس پر کمال قہر توڑ کر اس کے ملک پر قبضہ کر کے اس سرکش کو قید میں ڈال دیا ور کچھ دیر بعد کمال ہمت کا مظاہرہ کر کے اور دریا دلی سے کام لے کر اسکی تقصیرات سے گذر گیا اور اُسے بدستور اپنی سلطنت کی حکومت کا مختار بنا دیا۔ کہتے ہیں اپنی بلند حمتی سے جس کسی بھی ملک پر حملہ کر کے جنگ وجدل سے اسے مسخر کر لیتا تھا وہاں کی حکومت کو اس ملک کے وارثوں کو لوٹا دیتا تھا اور اپنی موروثی مملکت میں سے ان میں سے کسی کو بھی معزول نہیں کرتا تھا۔

شہروں اور ملکوں میں ربط وضبط کو قائم کر کے راجا نے کشمیر میں ایک دل پسند شہر بسانے کی خواہش کی تا کہ زمانے کی راہ پر اپنا نام یادگار کے طور پر باقی چھوڑ دے۔ اس لئے اس نے سرینگر شہر کو، جو اب ایک آباد اور مشہور شہر ہے، کی ایک رُوحانی بزرگ کی ہدایت میں کوہ ماران کے گرد کثیر عمارتوں کے ساتھ بسایا۔ جن کی تعداد مورخوں نے چھتیس لاکھ لکھی ہے۔ اس کا بیان پہلے حصے میں گذر چکا ہے۔ راجا نے ساٹھ سال تک حکومت کرنے کے بعد زندگی کی بساط لپیٹ لی۔

۳۔ راجہ جدشتر

راجا پرورسین کا بیٹا جو رتنہ پربھا رانی کے بطن سے پیدا ہوا ۱۹۵ (ب) میں تخت

آراہوااور عدل واحسان اور رعیت پروری سے نیک نامی پیدا کی۔ انتالیس سال تین ماہ تک حکومت کی۔

۴۔ راجہ نرندرادت

۲۳۴ھ (ب) میں باپ کی جگہ حکمرانی کا تاج سر پر رکھا اور محکمہ اسناد ایجاد کیا۔ تیرہ سال تک حکومت کی۔

۵۔ راجہ تونجین

راجہ جد شتر کا دوسرا بیٹا تھا۔ ۲۴۸ھ (ب) میں حکمرانی کا تاج سر پر رکھنے کے بعد راجہ زندر کے بیٹے شردول کو وزیر بنایا۔ کچھ عرصہ بعد ان کے درمیان نفاق کی آگ بھڑک اٹھی اور شردول مارا گیا۔ اس کا بیٹا سات سال کا تھا اور وہ راجا کے ڈر سے اپنی ماں کے ساتھ نگرکوٹ کی طرف بھاگ گیا۔ راجہ نگرکوٹ نے اُسے اپنا داماد بنا کر اس کی حفاظت کی۔ جب وہ بلوغیت کی عمر میں پہنچا تو ایک بھاری لشکر جمع کر کے اور جموں کے راجا سے مدد لے کر کشمیر پر حملہ اور ہوا۔ تونجین اس کے مقابلے میں نکلا اور بانہال کے پہاڑوں میں جنگ وجدال کی آگ بھڑکائی۔ تونجین قتل ہوا۔ اس نے تنتالیس سال تک حکمرانی کی۔

۶۔ راجہ سرب سین

تونجین کو قتل کرنے کے بعد ۲۹۲ھ (ب) میں کشمیر کی حکومت پر مسلط ہوا اور مخالفوں کو قلع قمع کرنے کے بعد انصاف وعدل پروری کے دروازے کھول دئے۔ پرورسین کے تمام مفتوحہ ممالک پر قبضہ کرکے دوبار ہندوستان گیا اور وہاں بہت سے شہر فتح کئے اور قنوج کے راجا کی بیٹی کے ساتھ بیاہ کیا۔ وچارناگ چشمے پر بوٹیشور مندر بنایا۔ اٹھتالیس سال تک حکومت کرکے فوت ہوا۔

۷۔ راجہ گندھرب سین

۳۴۰ھ (ب) میں بادشاہی تاج سر پر رکھ کر حکومت کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ بہت خونریز ظالم آدمی تھا اور دن رات عیش وعشرت میں مسرور رہتا تھا۔ غرور وغفلت سے پنجاب کے شہر اور دُور دُور کے اطراف اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔

کہتے ہیں ہندوستان سے ایک قوال لے آیا تھا جو اپنے ساز وسرود اور لحن بے نظیر سے جانوروں کو بھی بیہوش کر دیتا تھا۔ راجا اسکی صحبت وہم نشینی سے کبھی فارغ نہیں رہتا تھا یہاں تک کہ ملک کا انتظام درہم برہم ہوگیا۔ تونجین کا پوتا لچھمن دچھن پارہ میں جاگیر دار تھا۔ وہ بدمعاشوں اور لُچے لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور راجا کے شاہی

محل کو محاصرہ میں لے لیا۔ شاہی فوج بھی راجا کی مدد کرنے سے پیچھے رہی اور دشمن سے جا ملی۔ سات دنوں تک پے در پے جنگ جاری رہی۔ بالا آخر راجا گندھرب نے تنگ آکر امان چاہی اور لچھمن اس کے مال ومملکت پر قابض ہوگیا اور گندھرب کو قید میں ڈال دیا۔ اس نے سنتیس سال تک حکومت کی۔

۸۔ راجہ لچھمن

۳۷۷ھ (ب) میں کشمیر کی حکومت پر تسلط پا کر انصاف پسندی اور رعیت پروری سے کام لیا۔ کشمیر کے مضافات واطراف کو، جو گندھرب سین کے زمانے میں سرکش ہو گئے تھے، ضرب وحرب سے اطاعت گذار بنا لیا۔ ملتان کے راجا سوکرم پال نے بغاوت کی تو راجا لچھمن بھاری لشکر کے ساتھ ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ جب پنجاب کی حدود میں پہنچا تو ایک درخت کے نیچے سرخ رنگ کی رومال چہرے پر رکھ کر سو گیا۔ ایک آسمانی عقاب سرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا جان کر پرواز میں آگیا اور رومال کو جھپٹ کر لے جانے کے ارادے سے راجہ کی آنکھیں ایک ہی جست میں اسکے انکھڑیوں سے نکال کے رکھ دیں۔ اس صدمے سے راجا سخت ملول ہوا اور تین روز کے بعد مر گیا۔ بتیس سال اور چھ ماہ تک حکومت کی۔

۹۔ راجہ شورک

راجا لچھمن کا بھائی راجہ شورک ۴۱۰ھ (ب) میں جانشین ہوا اور پورے لاؤلشکر کے

ساتھ ملتان چلا گیا۔ راجہ سوکرم پال نے قلعہ میں پناہ لی۔ راجہ شورک نے ایک ماہ تک قلعہ کو فتح کرنے کے اقدامات لازم کئے۔ عاجز آ کر راجہ سوکرم پال نے بالآخر معمول کا خراج ادا کر دینے پر صلح کی اور راجا شورک ظفریاب اور فتح مند ہو کر کشمیر لوٹ آیا اور سلطنت کے اُمور کے ربط وضبط کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے بعد ارُدو کا راجا باغی ہوا اور اس نے کامراج کے حدود کو غارت کیا۔ راجا نے اسکے مقابلے میں آ کر جنگ کی اور ارُدو کا راجا شکست کھا کر پہاڑوں کی طرف فرار کر گیا۔ راجا شورک نے اس کا تعاقب کیا۔ ارُدو کے لوگوں اور راجا کی فوجوں نے پہاڑی درّوں کو گرفت میں لے کر کسی طرف سے بھی رسد رسانی کا راستہ کھلا نہیں چھوڑا اور اُوپر سے پتھر پھینک پھینک کر سب کو تباہ کر ڈالا اور راجا کو گرفتار کر کے پٹن کے قلعہ میں قید کر دیا۔ لچھمن کا بیٹا بجرادت کشمیر سے لشکر کے ہمراہ ارُدو پر حملہ آور ہوا اور ارُدو کے ملک کو غارت کر کے قتل عام کرتا ہوا پٹن پہنچا۔ قلعہ داروں نے راجا شورک کا سر کاٹ کر اسے قلعہ کے باہر پھینک دیا اور بجرات نے اس للکار کو قبول کرتے ہوئے قلعہ کو فتح کر لیا اور فتحمند و ظفریاب ہو کر لوٹ آیا اور سلطنت کے تخت پر بیٹھ گیا۔ راجا شورک کی مدت سلطنت اکیاون سال تھی۔

۱۰۔ راجہ بجرادت

سنہ ۲۶۰ (ب) میں کشمیر کی حکومت کرنے کے لئے تخت پر بیٹھا۔ شورک کے بیٹے جے اِندر نے شورش کی اور فریقین میں مراج کے علاقے میں ایک سال تک عظیم جنگیں ہوتی

رہیں اور کوئی بھی غالب نہ آپایا۔ آخر صلح کرنے والوں نے بیچ بچاو کرا کے صلح کرائی۔ ملاقات کے وقت خیمہ میں جے اِندر کو قتل کر دیا گیا اور فوجی جوش میں آکر جنگ کرنے پر اتر آئے اور فریقین میں دو ہزار آدمی مارے گئے۔ بجرادت فتحیاب ہو کر شہر لوٹ آیا۔

عدل وانصاف اور رعایا پروری میں بے مثال تھا۔ بہت سے مندر بسائے۔ وزیشوری مندر کی مرمت کی۔ اس کے زمانے میں غلہ سستا تھا۔ شالی کی ایک خروار چار تنگوں (۵) میں بیچتے تھے۔ دس سال آٹھ ماہ تک حکومت کر کے فوت ہوا۔

آگاہی:

کلہن پنڈت نے راجا تونجین سے لے کر راجا بجرادت تک چھ راجاؤں کے حالات اپنی کتاب میں نہیں لکھے ہیں۔ راقم نے رتنہ پوران سے نقل کر کے درج کئے۔

۲۲۔ راجہ رنادت

اےہ (ب) میں باپ کی جگہ پر بیٹھا اور عام رعایا اور لوگوں کے دل انصاف و عدل پروری سے خوش کر دئے۔ اس کے سر کے اُوپر ناقوس کی مانند ایک خوش بختی کی نشانی بلند رہا کرتی تھی۔ بہادری، سخاوت، ریاضت اور عبادت میں اُسے زمانے میں یکتا مانا جاتا تھا۔

کوہ ماران کے نیچے ایک بلند مندر اور ایک وسیع شفا خانہ آباد کیا۔ کہتے ہیں اس ملک میں مریضوں کے لئے شفا خانہ اسی کی ایجاد ہے۔ راہ چلنے والے مسافروں کے لئے

برہمہ منڈ ویعنی مسافر خانے بھی تعمیر کیے۔

دکن کا حکمران ورت سین ایک دن دریا کے کنارے پر تماشا دیکھ رہا تھا۔اس نے پانی سے ایک چاند سی بیٹی اٹھائی اور ایک فرزند کی سی محبت وشفقت کے ساتھ اُسے پالا۔اس بچی کا نام اس نے نار مہہ رکھا۔جب بالغ ہوگئی تو اس کی شادی کے لئے سوئمبر کا یگ منانے کو مشتہر کیا۔راجہ رنادت دلہن کی نظروں میں سما گیا اور ایجاب وقبول کے ساتھ دونوں ایک دوسرے کے ہو گئے ۔عورت نہایت نیک سیرت اور خوش خصلت تھی اور رعایا کو عدل و احسان سے خوش رکھتی تھی۔اس کے بطن سے دینادت پیدا ہوا۔

جب راجا کی عمر اختتام کو پہنچی تو نیک فطرت رانی کے ساتھ بومہ زُو غار میں داخل ہو کر دونوں لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے اور پھر اس کے بعد کسی نے اُن کو نہیں دیکھا۔ ساری فوج اور اُمراء ووزرا تین دنوں تک غار کے دروازے پر انتظار میں رہے۔چوتھے دن ساون کے مہینے میں اس غار کے ارد گرد ایک گز برف گری اور بہت سے فوجی تباہ ہو گئے۔راجانے ساٹھ سال تین ماہ تک حکومت کی۔

۱۲۔راجہ دینادت

رنادت کے بیٹے راجہ دینادت نے ۵۳۱ھ (ب) میں حکمرانی پائی۔رتنا گر کا مترجم لکھتا ہے کہ گیارہ سال کی عمر میں اپنے چچا منگلادت کے ہمراہ ہندوستان چلا گیا اور مندروں اور عبادت گھروں کو دیکھنے کے بعد سوالک کے پہاڑوں میں داخل ہوا۔وہاں گنپت نامی

ایک ریاضت کش عابد کو دیکھا جو ایک سو سال تک غار میں گوشہ نشین تھا۔ اس کی تربیت میں رہ کر دینادت نے بڑی سخت ریاضتیں کیں اور بارہ سال تک دودھ کی ایک پالی کے بغیر کوئی غذا نہیں کھاتا تھا۔ توفیق ازلی سے صفای قلب پا کر ذات وحدت کے ساتھ واصل ہو گیا اور بیس سال کی مدت کے بعد مرشد کے اشارے سے کشمیر آ کر کوہ سلیمان کے اُوپر زیسٹیشور مندر میں ایک سال کے لئے زاویہ نشین رہا۔

جب راجہ رنادت موت کی غار میں اُترا تو ملک کے امراء نے دینادت کو تخت نشینی کے لئے التجا کی۔ دینادت نے مطلق منظور نہیں کیا۔ بالآخر عام رعایا اور لوگوں نے سخت اصرار اور منت سماجت کر کے دینادت کو سلطنت کی حکمرانی کرنے پر مجبور کر دیا اور تمام لوگوں اور رعایا سے وعدہ لیا کہ وہ میرے عہد حکومت میں بالکل ہی جھوٹ نہیں بولیں گے، وعدہ خلافی نہیں کریں گے، لوگوں کا حق نہیں کھائیں گے اور جانوروں کو قتل نہیں کریں گے۔ اس عہدہ و پیمان کے عمل میں آنے کے بعد وہ مندر سے نیچے آیا اور گگرہ بل میں اپنے لئے نرکل کا ایک عبادت گھر بنایا اور اس کے متصل مراج اور کامراج کے خراج کی آمدنی کے لئے دو محکم خزانے تعمیر کرائے اور عام حکم صادر کیا کہ ہر کوئی شخص رعایا میں سے خراج شاہی کا دسواں حصہ سال کے اختتام پر اپنے ہاتھ سے کھڑکی کی راہ سے خزانے میں ڈال دیا کرے اور حکومت کے اہم اُمور چلانے، معاملات کو وصول کرنے اور احکامات کو جاری کرانے کے لئے جو سرکاری ملازم مقرر تھے اُن میں سراسر کمی کر دی اور رعایا پر کسی قسم کی مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دی۔

اپنے بھائی بکرمادت کو فوجوں کا افسر مقرر کیا اور کامراج کے خزانے کی کنجی اُس کے قبضے میں رکھی کہ وہ ایک مہینہ گذر جانے پر خزانے کا دروازہ کھول کو سپاہیوں اور ملازموں کی

تنخواہیں سوچ سمجھ کر دیا کرتا تھا۔ مراج کے خزانے کی کنجی اپنے قبضے میں رکھی کہ دن میں جو کچھ جمع ہو جاتا اسے شام کے وقت مسکینوں اور غریبوں میں بانٹ دیتا تھا اور کل کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ اپنے خوراک وغذا کے لئے تھوڑی سی زمین آباد کی، جس کا دسواں حصہ بیت المال میں داخل کر کے باقی پر قناعت کے ساتھ گذارتا تھا۔ اسکے ایام حکومت کے اختتام تک رعایا میں سے ہر ایک شخص دسویں حصہ پیداوار کو نقد میں بدل کر اپنے ہاتھ سے خزانے میں ڈال دیتا تھا۔

قصہ: اگر کوئی آدمی دسواں حصہ دینے میں ذرّہ بھر کمی کرتا فوراً سخت مصیبت میں گرفتار ہو جاتا تھا۔ اور اگر کوئی لوگوں کا حق کھاتا تو ایک ساعت میں غیب سے سزا پاتا تھا۔

قصہ: اور اگر کوئی چوری کرتا تو اس کا ہاتھ سوکھ جاتا تھا۔

قصہ: اس کے زمانے میں کسی بھی شخص کو تکلیف ونقصان نہیں پہنچتا تھا بلکہ اسکی حسن نیت سے درندے اور حیوان اور وحشی جانور بھی کسی کو تنگ نہیں کرتے تھے۔

قصہ: کہتے ہیں ریاضت کے زور سے پانی پر چلتا تھا۔ جو کچھ اپنی زبان سے کہتا فوراً عمل میں آجاتا تھا اور اسکی نیک وبد کی کوئی بھی دعا اصلاً ردّ نہیں ہوتی تھی۔ لوگوں میں سے جو کوئی بدکاری کا ارتکاب کرتا فوراً اس کی بددعا سے سزا پاتا تھا۔

ساری عمر ایک خرقہ پہنا۔ نہ کبھی گوشت کھایا اور نہ ہی نمک۔ اسی طرح سے سنتالیس سال گذار کر اپنے حجرے سے غائب ہو گیا۔

آگاہی:

رتنا گر کے بغیر اور کسی نے دینادت کا ذکر نہیں کیا ہے۔

۱۳۔ راجہ بکر مادت

۵۷۸ھ (ب) میں حکومت کا پرچم بلند کیا اور شفقت و رحم و انصاف سے خدا کے بندوں کے دل خوش کر دئے۔

قصہ: اور اس نے خداوند کبریا کی درگاہ میں التجا کی اس کے عہد حکومت میں کوئی نہ مرے۔ ایسا ہوا کہ کوئی نہ مرا۔ ایک دن ایک سیاح کو راہ میں مرا ہوا دیکھا اُسی وقت مر گیا۔ جب اس کے بدن خاکی کو آگ لگائی گئی تو نہیں لگی۔ پھر اس کی لاش کو ہر موکتہ گنگا روانہ کیا گیا اور دریای گنگا نے اسکی لاش کو ہوا میں اُچھال دیا۔ کہتے ہیں ہوا میں غائب ہو گیا۔ والعہد علیٰ الراوی (اس بیان کی ذمہ داری بیان کرنے والے کی گردن پر ہے)۔

بیالیس سال تک حکمرانی کی۔

۱۴۔ راجہ بالادت

راجہ بکر مادت کا بیٹا راجہ بالادت ۶۳۰ھ (ب) میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور اپنا نام جیانند رکھا اور کشک اور شترگن کو وزارت کا عہدہ دیا۔ کشمیر کے اطراف میں ربط وضبط قائم کرنے کے بعد بھاری لشکر کے ساتھ ہندوستان روانہ ہوا اور سمندر کے کنارے تک بہت

سے شہر اور ملک فتح کئے اور بنگال کے علاقے میں کشمیر کے لوگوں کے لئے کالپی نام ایک شہر بسایا۔ مالوہ شہر میں بہت سے مندر بنوائے اور ہندوستان کے اطراف اور سبھی شہروں اور جگہوں کی سیر کرنے کے بعد چند سال تک قنوج کے شہر میں قیام کیا اور آخری عمر میں کشمیر لوٹ آیا۔

کہتے ہیں جیانند کی ایک چاند سا بدن رکھنے والی بیٹی تھی جس کا نام اننت لیکھا تھا۔ ایک دن ایک نجومی راجا کے پاس آیا اور اس نے اپنے علمی کمالات کی بنیاد پر غیبی تقدیروں کی ایک بات بیان کی کہ آپ کی یہ بیٹی آپ کے خاندان کے سلسلے کی حکمرانی کا خاتمہ ہوگی اور آپ کے مرنے کے بعد اس کا شوہر کشمیر کی حکمرانی کا تاج سر پر رکھے گا۔ جیانند نے دل میں خیال کیا کہ ایک پست فطرت آدمی سلطنت کا مالک کبھی بھی نہیں بن سکتا اور اس لئے اس نے بیٹی کا بیاہ اصطبل کے داروغہ کے بیٹے کے ساتھ کر دیا جس کا نام دُرلب وَردھن تھا اور یہ نیک سیرت آدمی اپنی اچھی فطرت سے ہر خاص و عام کا محبوب و مطلوب بن گیا اور راجا نے بھی اسے جاگیر میں چند گاؤں عطا کئے۔ اننت لیکھا کی جوانی کا آغاز جوش میں پھوٹ نکلا اور وہ چوری چوری خوش صورت جوانوں کو دیکھا کرتی تھی۔ وزیر کھنگ، جو شباب کے بہار کی ہوائی نسیم سے انار کے پھول کی مانند کھل چکا تھا۔ نے اننت لیکھا کے ساتھ نشاط و عیش کی بساط بچھائی اور شادمانی اور عشرت میں اس کے ساتھ ہم آغوش رہا۔

ایک دن دُرلب وردھن حرم سرا میں آیا۔ دیکھا کہ وہ عالم شباب کے دونوں بلبل کامرانی کے گلستان کے پھول چن چن کر اور شراب وصل سے مخمور و مدہوش ہو جانے کے بعد کمال خوشی و شادمانی سے خواب ناز میں آسودگی کے ساتھ پڑے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر دُرلب وردھن کی آنکھوں کا چراغ جیسے بجھ گیا اور اس کے دماغ کی بلندیوں میں سے قہر و غضب کا

دھواں اُڑنے لگا۔اس نے چاہا کہ اس تاریک فطرت کی زندگی کی شمع کو اپنے غصہ وغضب کی طوفانی آندھی سے فوراً بجھا دے لیکن عقل دُوراندیش کے بموجب اور اپنے عزت اور ناموس کا خیال کر کے اس نے خھنگ وزیر کے دامن پر لکھ دیا کہ تمہاری اس بدکاری کو دیکھ کر میں تجھے مٹا دینا چاہتا تھا لیکن اپنی نیک سرشت اور فراخ حوصلگی پر نظر کر کے میں نے مجھے جان بوجھ کر چھوڑ دیا۔

خھنگ وزیر جب خواب استراحت سے بیدار ہوا تو اس نے دامن پر لکھا ہوا مضمون پڑھا۔اس کا جگر خوف سے پانی ہو گیا اور بدکاری کرنے سے توبہ کی اور دُرلب وردھن کی خیر خواہی میں مشغول رہا۔راجا بالادت نے پنتیس سال تک حکمرانی کا جام پیا اور پھر شاہین مرگ کا شکار ہو گیا۔

یاداشتیں

(۱) لنکا۔سمندر میں ایک جریزہ ہے جسے اب سیلون کہتے ہیں۔

(۲) سورج بنسی ایک قبیلے کا نام ہے۔چنانچہ ہندوستان میں دو عالی مرتبہ خاندان راجاؤں کے تھے، جو بڑے مشہور تھے۔ایک سورج بنسی تھا اور دوسرا چند بنسی۔

(۳) ایک دوسرے نسخے میں نگر کوٹ دیکھنے میں آیا۔

(۴) تیرتھ۔ہندوؤں کی عبادت گاہ۔

(۵) سکہ کا نام جو سابق زمانے میں رائج تھا۔معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ٹکہ یہی تنگہ لفظ ہے۔

چھٹا تخت

کارکوٹ بنسی راجاؤں کے ذکر میں

ا۔ راجہ دُرلب ورَدھن

کھنگ وزیر کی معاونت سے بالادت کے داماد دُرلب وردھن نے ۶۵۵ (ب) میں حکمرانی کا تاج سر پر رکھ کر خدا کے لوگوں کو عدل واحسان اور اکرام وسخاوت سے آباد رکھا۔ اس کا اننت لیکھا کے بطن سے ایک بیٹا تھا جسے راجا بالادت نے اپنی زندگی میں متبنیٰ بنا لیا تھا۔ تیس سال کی عمر میں اسکی موت ہوگئی۔

اس زمانے میں بارش کی کثرت کی وجہ سے دریای بہت میں طغیانی آگئی اور ناوہ پورہ کا بند، جسے راجا میگواہن نے استوار کر کے دریای بہت کو کوہ ماران کے دامن سے گذار دیا تھا، اپنی جگہ سے اُٹھا کر اور اپنے اصل مقام کو کھول کر سابق طریقے پر چلنے لگا۔ اسی روز وتالن مرگ کے میدان میں سیلاب آگیا اور ڈل جھیل میں لہریں اُٹھنے لگیں۔ راجا نے اس کی چارہ جوئی کرنے کا خود میں استعداد نہیں پایا اور مرمت کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

چھتس سال تک حکمرانی کر کے وفات پائی۔ اس کی حکومت کے چوبیس سال گذرنے کے بعد ہجری سن شروع ہوا۔

۲۔ راجہ پرتاب پیڈ

ملہن کے بیٹے راجا پرتاپ پیڈ، جس کا پہلا نام دُرلبک تھا، نے اپنے بڑے باپ (دادا) کی وفات کے عہد ۶۹۱ ھ (ب) تخت پر جلوس کیا اور ہند مان کو وزارت کا عہدہ دیا۔ کامراج کے علاقے میں تاپرنام شہر آباد کر کے اسے اپنا حکومتی شہر بنایا اور نقش ونگار والے شاہی محل کے ساتھ ایک سنگین و مستحکم مندر بھی تعمیر کیا۔ راجا نے اطراف واکناف سے تاجروں اور فن کاروں کو بلا کر اپنی توجہ کی مضبوط و مستحکم پناہ میں رکھ لیا۔

اس زمانے میں مالوہ کے ملک سے نون نامی ایک دولتمند تاجر یہاں آیا اور اس نے عجیب وغریب نفائس اور بے نظیر تحایف راجا کی نظر سے گذار دئے اور راجا کے قصر شاہی کے متصل اپنے رہنے کے لئے ایک بلند مکان اور اُونچا و مضبوط مندر بنایا۔

ایک رات راجہ کامگار نے تاجر کے مسرت وانبساط کے لئے وقت کے عظیم الشان اشخاص کا ایک اجتماع بُلوا کر اور کافوری شمعیں جلا کر خوشی ونشاط کے تمام سامان مہیا کر کے ناز وادا والی بارہ سو طنّاز رقاص حسیناؤں، موسیقاروں، نغمہ گروں اور ساز نوازوں کی کمال شادابی اور سلیقے کے ساتھ شاہی مجلسِ عیش ترتیب دی۔ تاجر مخمور آفتاب کی روشنی کے مشعل کے نمودار ہونے تک فرحت وشادمانی کی کرنوں میں غرق نور سرور تھا لیکن کافوری شمعوں کا دھواں بلند ہونے کی وجہ سے اس کا سر درد کرنے لگا اور اس کا مزاج سخت بگڑ گیا۔

دوسرے روز نامور سوداگر نے راجہ دادگر کی مہمان داری کرنے کی بزم آراستہ کر

کے اپنے محل کے طاق وایوان کو شب افروز ہیروں کی روشنیوں سے نورانی کر دیا۔ پسندیدہ خصال راجا پازیبوں کی جھنجھناہٹ، ارغنون وتال کی صدائیں سن کر اور درخشندہ ہیروں کی آب وتاب اور زہر جمال ماہرویلوں کا حسن دیکھ کر اور شراب سے معمور پیالے پی پی کر عشرت ومسرت کی سرمستی میں ڈوب گیا اور متواتر تین دنوں تک خوشحالی اور عیش وسرور میں محو رہا۔

خدائی تقدیر سے راجہ کام داگر کو سوداگر خوش خصال کے محل سے ایک ماہرو نظر آئی اور راجا اس کے رخسار کے غزالی خال پر اس کی گیسوؤں کی مانند پریشان خاطر ہو گیا۔ وداع ہونے پر سوداگر نے اس بزم عیش و راحت کا سارا سامان اور سارے شب چراغ لعل و جواہر راجا کی خدمت میں نذر کیے۔ راجا نے اس ساز وسامان پر قبولیت کا ہاتھ پھیر کر یہ ساری چیزیں اسے بخش دیں۔ راجا اب فقط اس نگار کا شیفتہ ہو کر شب وروز مجنون کی مانند غم واضطرار کے زاویے میں بیٹھ کر محزون و بیمار اور خون بار تھا اور راز کو آشکار کرنے سے پرہیز کرتا رہا۔

عشق دُود است کسی دُور نساز دمسداد

(عشق دھواں ہے اور دھوئیں کو کوئی روکتا نہیں)۔

بالآخر خبر پھیل گئی اور سوداگر نے اپنی محبوبہ سے دل پھیر کر اسے راجا کی خدمت میں پیش کر دیا کہ اس کی بیماری اور حزن وملال دُور ہو جائے۔ راجا نے بدنامی کے ڈر سے اور اپنی عزت وآبرو کا لحاظ کر کے اسے پسند نہیں کیا۔ سوداگر نے راجا کے ناموس کا خیال کر کے اس محبوبہ ماہرو کو مہادیو مندر کے پجاریوں کو پیش کیا اور راجا کو پوشیدہ طور پر پیغام بھیج دیا کہ وہ پری چہرہ اب میرے بیاہ کے بندھن سے آزاد ہو چکی ہے۔ آپ اسے مندر کے پجاریوں

سے خرید کر اپنی آرزوں کے کھیت کو اسکے وصل سے سرسبز و شاداب بنا سکتے تھیں۔

یہ پیغام سن کر راجا نے اپنی معشوقہ کو مندر کے پجاریوں سے خرید کر اسے اپنے شبستان وصال میں پہنچا دیا اور اپنی عمر عزیز کو اس کی صحبت و ہم نشینی میں گذار دیا۔ چنانچہ اس کے بطن سے راجا کے تین بیٹے ہوئے۔ ایک چندر اپیڈ، دوسرا تارا پیڈ اور تیسرا اللتادت پیڈ۔

راجا پرتاب نے عدل و احسان اور شفقت نوازی کے ساتھ پچاس سال حکومت میں گذارے اور چندر اپیڈ کو جانشین بنا کر فوت ہوا۔

۳۔ راجہ چندر اپیڈ

راجہ چندر اپیڈ جس کا اصلی نام بجرادت تھا، ۱۴۱ء(ب) میں باپ کے مسند شاہی پر بیٹھا اور عدل و داد اور انصاف پروری سے خلق خدا کے دلوں کی مرادیں پوری کیں۔ ایک دن ایک برہمن راستے پر قتل ہو چکا تھا۔ اسکی بیوی نے راجا کے پاس آ کر استغاثہ پیش کیا لیکن کافی تلاش و جستجو کے بعد بھی اس برہمن کا قاتل نہیں ملا۔ راجہ عادل تین دن اور رات تک بے خواب رہا اور کچھ نہ کھایا۔

قصہ: چوتھے روز اس نے خواب میں ایک روحانی شخص کو دیکھا اور اسے کہا کہ مندر کے پتھروں سے مفروش صفہ کی سطح پر چھلنی کے ذریعہ سے پسا ہوا آٹا برف کی طرح بچھا دیا جائے اور عوام میں سے ہر خاص و عام کو اس صفہ پر سے چلنے کا حکم دے کر اسکے نقش پا کو بہ

غور دیکھا جائے۔ جس شخص کے چلنے سے دو نقوش پا سطح پر پڑ جائیں گے برہمن کا قاتل اسی کو مان لیا جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مقتول کی روح ہمیشہ قاتل کے دامن کو پکڑ کر اسکے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔

راجا کو جب یہ بشارت مل گئی تو اس نے مندر کے پتھروں سے فرش کیئے ہوئے صفہ پر چھلنی سے آٹا بکھیر دیا ور شہر کے تمام مردوں اور عورتوں کو جمع کیا اور ایک ایک کر آٹے پر سے گذر جانے کا حکم دیا۔ جب وہ قاتل شخص گذرا اور اس کے پیروں کے دو دو نقش نمودار ہوئے تو جرم ثابت ہو کر اسے تختہ دار پر قصاص کے لئے لٹکا دیا گیا کہ بالآخر اس نے برہمن کو قتل کرنے کا اقرار کر لیا۔

نیز کہتے ہیں کہ راجہ موصوف نے تر بھون سوامی کی تعظیم میں مندر کی بنیاد ڈالی اور اس کے چوتھے حصے میں قوس آ گیا۔ کیونکہ اس کے ساتھ ایک چمار کا مکان تھا۔ راجہ نیک فطرت نے قوس کو مندر کی بنیاد میں آڑے نہ آنے کی خاطر چمار کے آگے زمین پر اشرفیاں بکھیر کر اسے زمین کا ٹکڑا دینے کی استدعا کی۔ اپنی پست فطرتی کی وجہ سے چمار نے دینے سے انکار کیا۔ راجا نے ہر چند عاجزی و نرمی سے اپنی حاجت کا تکرا کیا لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ جب راجا کا اصرار حد سے گذر گیا تو چمار نے کہا کہ اگر تم زور و جبر سے یا زور دے کر بھی زمین کا ٹکڑا مجھ سے مانگو گے تو میں نہیں دوں گا۔ البتہ اگر تم میرے گھر میں ننگے پاؤں آ کر مجھ سے خیرات کے طور پر زمین کے ٹکڑے کی التجا کرو گے تو میں دے سکتا ہوں۔ راجا فوراً تخت سے نیچے آ کر چمار کی جھونپڑی میں ننگے پاؤں داخل ہوا اور چمار نے بلا عوض زمین کا ٹکڑا اسے خیرات کے طور پر دے دیا۔ اس کے بعد راجا نے مندر کی عمارت کو مکمل کر لیا۔ آٹھ سال اور آٹھ ماہ تک حکومت کر کے راجا عالم بقا کی طرف چل دیا۔

۴۔ راجہ تاراپیڈ

راجہ تاراپیڈ نے، جس کا اصلی نام اُوِردیادت تھا ۷۵۰ھ (ب) میں بھائی کی موت کے بعد حکمرانی کا تاج سر پر رکھا۔ انصاف پسند بھائی کے برعکس ظلم وستم، خون ریزی اور بے رحمی کو اپنا شعار بنا کر خلق خدا کو جور و جفا اور ظلم و جبر کے شکنجے میں سخت اذیتیں پہنچائیں۔ انکی سختیوں اور اُسکے شدائد کے طور طریقوں سے یہاں کے لوگ جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف فرار کر گئے اور بہت سے گھر ویران ہو گئے۔ جابر راجا کر خود پہاڑوں کے اطراف سے بھاگ کر نکلے ہوئے لوگوں کو قہر وستم کے ساتھ شہر میں لے آیا اور ان میں سے بیشتر لوگوں کو تلوار کی کاٹ سے گذر دیا۔

اس وجہ سے ملک کے بعض اطراف اسکے تصرف سے نکل گئے۔ عوام اور ہر خاص و عام خدا سے اسکی تباہی کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ بالآخر اپنے اعمال کی سزا میں مبتلا ہوا اور سخت بیماریوں نے اسے جھکڑ لیا۔ چار سال اور چوبیس دن ظلم و نادانی میں گذار کر مر گیا۔

۵۔ راجہ للتادت پیڈ

راجہ للتادت پیڈ نے، جس کا لقب مکتا پیڈ تھا، ستمگر بھائی کی موت کے بعد ۷۵۴ھ (ب) میں سلطنت کی دلہن کو عدل و انصاف کے زیور سے آراستہ کیا اور ملک کے

اطراف کو جو اُس کے بھائی کے عہد میں ہاتھ سے نکل گئے تھے، پھر سے اپنے قبضہ اقتدار میں لے آیا۔ اُمور سلطنت کو انتظام بخشنے اور ملک میں ضبط و ربط قائم کرنے کے بعد فتوحات کا پرچم بلند کیا اور بھاری لشکر اور کثیر سامان جنگ کے ساتھ پنجاب اور دہلی کو مسخر کر لیا۔ اس کے بعد قنوج کے راجا بشودام کے ساتھ جنگ و مقاتلہ کر کے اُسے مغلوب و پامال کیا اور اس کے وزیر میتر شرما کو گرفتار کر کے قید کر لیا۔

بالآخر راجہ مغلوب نے اطاعت گذاری کا طوق گردن میں ڈال کر شاہی خراج دینا منظور کر لیا اور اپنے مقبوضہ ملک پر پھر سے قابض ہو گیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر للتادت نے گورہ دیش کو دریای کارکا تک فتح کیا اور کلنگ شہر پر قبضہ کر کے بہار پر چڑھائی کی۔ بہار کا راجا عاجزی و انکساری سے پیش آ کر پھر سے اپنی حکومت پر بحال ہوا۔ وہاں سے دریای گنگا کی راہ سے اپنی ظفر باب فوج کے ساتھ بنگال کے ملک پر حملہ آور ہوا اور کافی جنگ و خونریزی کے بعد راجہ بنگالہ کو شکست کے گرداب میں ڈوب دیا اور مال و اسباب اور ہاتھی و حیوانات کو غنیمت جنگ کے طور پر پا کر سمندر تک کئی شہر اور ملک فتح کئے۔ اس کے بعد جگن ناتھ جی کے پھیرے کرنے سے بہریاب ہوا اور وہاں کے برہمنوں کو کافی نذر و نیاز اور خیرات دیا۔ اس کے بعد دکن کا رخ کیا اور وہاں کے علاقوں کے راجاؤں کو حلقہ بگوش بنا کر انہیں ان کی مقبوضہ ریاستوں پر پھر سے قائم رکھا۔ لیکن رٹا نامی ایک عورت، جو دکن کے بعض ملکوں پر حکمران تھی، بھاری لشکر اور پہاڑ جیسے پرشوکت ہاتھیوں کے ساتھ جنگ و جدال کے لئے سامنے آئی اور اس نے مردانگی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آخر کار اطاعت گذاری کے آستانے پر سر رکھ کر اپنی حکومت پر پھر سے برقرار رہی۔ وہاں سے نارجیل کی شراب کے خمخانوں سے شراب دستیاب ہوئی جسے کبھی نہ دیکھا تھا، اسے پی کر فوج کی تھکاوٹ اور سفر کی

تکلیف دُور ہوگئی۔

اس کے بعد سراندیپ اور سنگالدیپ کے جزیروں اور گجرات و مالوہ کے ممالک کو اپنے قبضہ اقتدار میں لے لیا اور دوارکا اور اجین کو فتح کر کے پنجاب کی راہ سے کابل اور خراسان کا رُخ کیا۔ کابل، ہرات اور خراسان کے ممالک کو تسخیر کر لینے کے بعد بخارا پر حملہ آور ہوا۔ بخارا کا حکمران مومن خان مقابلہ ومحاربہ کرنے کے لئے سامنے آیا۔ چار بار جنگ میں مردانگی وشجاعت کا مظاہرہ کرنے کے بعد بالآخر شکست سے دوچار ہوا اور دُور تک اس کا تعاقب کیا گیا اور پناہ کی امان میں آ کر باج وخراج دینے پر راضی ہوا۔ وہاں سے اپنے بلند پرچم لہراتے ہوئے راجا نے سرقند، تاشقند، اخوقند، کاشعر، تنگان اور ختن کو مصالحت اور جنگ کی راہ سے اپنا اقتدار قائم کر لیا اور ترکستان کے سبھی مقامات وبلاد کو فتح کیا اور بے شمار مال ومتاع اور دولت اور سامان اور ہاتھوں پر قبضہ کر لیا۔ اور گیارہ کروڑ دنیار بوتیشو رمندر کے نیاز ونذور کے لئے مخصوص رکھے ۔ جالندھر اور لاہور کو اپنے خدمت گذاروں کے تصرف میں رکھا۔

ہندوستان اور ترکستان کو فتح کرنے کے وقت ہر شہر اور ہر جگہ سے فضلاء وعلماء اور اُستادان کامل کا جو نادر علوم اور عجیب وغریب فنون میں ممتاز ہوگئے تھے، انتخاب کر کے ان کو اپنے رکاب کے ہمراہ کشمیر لے آیا۔ ان میں سے جنکن نامی ایک عجب دانشمند اور شریف الاصل بزرگوار آدمی کو جو فن کیمیا کا عالم اور علوم غرایب میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا اپنی وزارت اور مصاجت کے لئے پسند کیا اور مملکت کے اُمور کا انتظام اسکی صائب عقل ودانش کے سپرد کر دیا۔

قصہ: کہا جاتا ہے کہ شاہی فوج، بھکر کے ملک کو فتح کرتے وقت دشمن کے

غالب آ جانے کی وجہ سے بھاگ نکلی اور راستے میں قہر آلود دریا سامنے آیا جس کو پار کرنا مشکل تھا۔ وزیر باتدبیر نے ایک بیش قیمت لعل جیب سے نکال کر دریا کی گہرائی میں پھینک دیا۔ پانی کے درمیان میں رخنہ پیدا ہو گیا اور عبور کرنے کا راستہ نمودار ہوا اور لشکر مع ساز و سامان اور خدم و حشم و حیوانات کے آسانی سے پار کر گیا اور ہر کوئی ہلاکت سے محفوظ رہا۔ اس کے بعد وزیر نے دوسرا لعل بے بہا اس اوّلین ہیرے کی جانب دکھایا اور اس کی کشش سے وہ ہیرا وزیر کے ہاتھوں میں چلا یا اور پانی بدستور پھر سے جاری ہوا۔

قصہ: ہندوستان کو فتح کرنے کے وقت ایک شخص راجا کے حضور میں حاضر ہوا جو ضرب خوردہ تھا، مجروح تھا اور جس کی ناک بھی کاٹ دی گئی تھی۔ انصاف چاہنے والوں کی طرح اس شخص نے عرض کیا کہ مالو کا سمندرا ایک بہت دُور ملک ہے اور اس کے ارد گرد ایک لمبا ریگستان ہے اور سخت قسم کے پہاڑ ہیں۔ راہ میں کوئی آبادی نہیں۔ وہاں کا حکمران غرور کی شراب میں مست رہتا ہے کہ راہ کی مشکلات و شدائد کے سبب کوئی بھی دشمن اس کے ملک میں پہنچ نہیں سکتا۔ میں نے خیر اندیشی کے ساتھ اُسے سمجھایا کہ اس زمانے میں راجا للتادت بخت کی یاوری سے سرکشوں کو زیر و زبر کر رہا ہے اور اس کی اطاعت کرنا ہم پر واجب ہے تاکہ ہمارا ملک و مال محفوظ رہے اور رعایا زحمت و زوال سے آزاد۔ بس اس قصور پر مجھے عذاب کے شکنجے میں کس کر اس حالت پر پہنچا دیا۔ راجا للتادت نے اس کا علاج کروایا اور اس کے زخم بھر گئے۔

اس کے بعد وہ بدفطرت آدمی ہمیشہ ہی للتادت کو اپنے ملک کے راجا کا انتقام لینے اور اسکی تنبیہ کرنے کے لئے اُکساتا اور ترغیب دلاتا رہا اور للتادت بھی اس سے راہ کی کیفیت اور اطراف میں گذرگاہوں کی حالت کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ اس آدمی

نے بیان کیا کہ ہمارے ملک تک کل دو راستے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک راستہ آسان ہے اور اس میں دانہ پانی ہر جگہ میسر رہنے کا امکان ہے۔ البتہ تین مہینوں تک پیہم چلنا پڑتا ہے۔ دوسرا راستہ پندرہ دنوں میں طے ہو جاتا ہے لیکن ہے سخت کٹھن اور دشوار گذار اور دانہ پانی بھی نایاب ہے۔ راجا نے اس کے اظہار و بیان کے مطابق دو ہفتوں تک کی ضرورت کی سبھی چیزیں آمادہ کر کے اسی دشوار گذار راہ سے حملہ آور ہونے کا عزم کیا اور روانہ ہو گیا لیکن دو ہفتوں تک ریگستان اور پہاڑوں میں سے چل کر راستے کا آخر نمودار نہ ہوا۔

پھر اس کے بعد اس بدکردار رہنما کو دربار عالی میں حاضر کیا گیا اور اس سے راستے کی حقیقت کے بارے میں استفسار کیا گیا۔

اس نے بیان کیا کہ اس کٹھن راستے کا کوئی آخر نہیں۔ میرا مقصد یہ تھا کہ تجھ جیسا کجکلاہ اور پر شوکت وجلال بادشاہ ایک مچھر کے ہاتھوں ہلاک ہو جائے اور ہمارے ملک کے راجا کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ راجہ نامور اور ساری لشکر یہ خبر سن کر خوف و خطر میں پڑ گئے لیکن راجہ عادل نے اپنی لشکر کو تسلی دی اور خود غمزدہ حالت میں کمال عجز وزاری کے ساتھ باری تعالیٰ کی بارگاہ میں نجات پانے کی التجا کی۔

اور جتکن وزیر نے تدبیر سے زمین کی رگوں کی شناخت کر کے مناسب جگہ پر ایک گہرا کنواں کھڈوایا جہاں سے پانی نکلا اور لشکر اور حیوان سیراب ہوئے۔ وہاں سے بقدر حاجت پانی بھر کر دُور راستہ طے کرنے کے بعد اس ملک میں داخل ہو گئے اور وہاں کے راجا کو تباہ و برباد کر کے دوسری راہ سے لوٹ آئے۔ اس طرح کے بہت سے عجیب و غریب حالات و واقعات اس وزیر کے کارناموں میں سے یادگار ہیں۔

جب راجا للتادت لوٹ کر اس خطہ دل پذیر میں قیام پذیر ہوا تو اس نے ملک ورعایا

کی ترقی و تعمیر، دیہات و قصبہ جات کی تجدید، عمارتوں، مندروں، مہمان سراؤں اور شفا خانوں کے بنانے میں بہت کوشش کی۔ان میں للتا پور، نسپچت پور، رپت پور، پہلہ پور، اور قصبہ پنوچھ، پرسپور اور لوکہ بھون اسی راجا کے بنائے ہوئے ہیں۔للتا پور گاؤں میں سورج مکھی مندر بنایا اور اس کے اخراجات کے لئے قنوج کا خراج وقف رکھا۔ہا کورہ موضع میں مکٹا سوامی مندر اور مہادلو پہاڑ پر مہادیو سوامی مندر آباد کیا اور اُن میں سے ہر مندر کے گنبد پر ملمع کاری کے لئے ایک لاکھ ہزار تولہ سونا صرف کیا۔پرسپور گاؤں میں ٹیلے کی بلندی پر پری ہاسہ کیشو مندر بکمال بلندی و استحکام کے ساتھ بنوایا اور اس کے گنبد کی بتیس لاکھ اور سولہ ہزار تولے خرچ کر کے چاندی سے ملمع کاری کی۔اس کے صحن میں پچاس ہاتھ اُونچا اور بعضوں کے بقول کاس گز اُونچا ایک قطعہ پتھر کا ستون نصب کرایا۔اس کے متصل دیور گاؤں میں مکتا کیشو مندر بہت ہی بلند اور سنگین بنوایا جس کے گنبد کی چوٹی پر طلای احمر کے چوراسی ہزار تولے ملمع کاری کے لئے خرچ کئے اور پرسپور کے مندروں میں بڈھ اوتار کے سونے اور چاندی کے چوراسی ہزار بت رکھ دئے۔

مارٹانڈ یشور مندر، جو مٹن کے ٹیلے پر بنا ہے، کہ مرمت پر ایک کثیر رقم صرف کیا اور زیسٹیشور مندر، جو کوہ سلیمان کی اُونچائی پر نمایاں ہے، کی ترمیم و تجدید کر کے اسے درست کر دیا۔ چکدر، جو بیج بہاڑہ میں ہے، کی بلندیوں پر رہٹ کے ذریعہ سے پانی جاری کیا۔سد بندیوں اور نہروں کی تجدید و مرمت سے کھیتوں کے فصل کو حد درجہ ترقی دی۔ شیر وردھن گاؤں میں ایک قدیم مندر کو جو زمین کے نیچے چھپ گیا تھا، نمایاں کروایا جس کے دروازے کے پتھر پر لکھا تھا کہ اس مندر کو سری رام چندر اور لچھن نے تعمیر کیا۔

قصہ: اور ایک دیگ بنوائی تھی جس میں ایک ہزار آدمیوں کے لئے کھانا پکتا تھا

اور ہر روز ایک سو ہزار لوگوں کو اپنے باورچی خانہ سے کھانا دیتا تھا۔ اسکی بیوی چکرہ رانی نے کویہامہ میں چکری پور کو سات ہزار گھروں کے ساتھ بسایا۔

راجا للتادت ایک عادل، سخاوتمند، نیک خصلت اور رعیت پرور راجہ تھا۔ لیکن اسکی ذات میں دو قابل مذمت خصلتیں موجود تھیں۔ ایک یہ کہ مستی کی حالت میں نا مناسب احکام دیتا تھا اور دوسری یہ کہ عہد و پیمان اور قسمیں نبھانے میں پختہ نہیں تھا۔ چنانچہ راجا گورو کو قسمیں وعدے دلا کر اپنے ہمراہ لے آیا اور یہاں اسے قتل کر دیا۔ اس منحوس خبر کو سن کر اسکے متعلقین اور اقربا لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ انتقام لینے کے ارادے سے یہاں آ گئے اور اپنی خون نوش تلواروں کو نیام سے نکال کر بہت سے عظیم القدر امراء کو قتل کر ڈالا اور پری ہاسہ کیشو اور مکتا کیشو مندروں کو تحس نحس کر کے عمارتوں میں آگ لگا دی اور لوٹ مار اور غارتگری کرنے کے بعد جوانمردی کے ساتھ واپس چلے گئے۔

للتادت نے آخری عمر میں ہندوستان کی سیاست و تنظیم میں تجدید کر کے ترکستان کا پھر سے رُخ کیا اور وسط ایشیا کے بہت سے شہروں اور ممالک کو اپنے قبضہ اقتدار میں لے آیا

آخر ان ہی اطراف میں قیام پذیر ہونے کے خیال سے کشمیر لوٹ آنے کا اندیشہ چھوڑ دیا۔ ملک کشمیر کے اعیان اور امراء وارکانِ سلطنت نے عرضداشت لکھ کر بھیجی کہ آپ کی عمر عزیز حکمرانی اور ممالک کو فتح کرنے میں گذر گئی۔ اب ہم حسرت و حرمان زدہ مہجور لوگوں کو اپنے دیدار سے مسرور کیجئے اور زندگی کی کشش کو یہیں پر ساحل مراد تک پہنچائیں۔

راجہ نامدار نے جواب میں لکھا کہ بازوی اقبال کی قوت سے کشیر ممالک کو جو ترو تازگی اور وسعت و فراخی میں شمالی علاقوں میں بے نظیر تھے، فتح کرنے کے باوجود میری طبیعت ابھی جہانگیری اور سیاحت سے مطمئن نہیں ہے اور کشمیر کی طرف لوٹ کر وہاں قرار کرنا تقاضای

طبیعت نہیں۔ میرے دو فرزند دلبند کولیا پیڈ اور وزاردت وہاں ہیں۔ ان میں سے جس کسی میں آپ کو قابلیت نظر آئے اسے بادشاہ بنا دیجئے اور میرے تجویز کردہ قانون سے ایک قدم بھی باہر نہ جائیں۔

پہلی دفعہ: یہ کہ کشمیر کا ملک بلند پہاڑوں کی فصیلوں سے محفوظ اور محصور ملک ہے۔ اگر شہر کے اراکین اور حاکم انحراف کے مرتکب نہ ہوں تو دوسرے ممالک کے دشمن اس ملک پر ہرگز قابض اور غالب نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان کو ملک میں فساد و عناد کی گرد کو بلند ہونے ہی نہیں دینا چاہیے۔

دوسری دفعہ: یہ کہ پہاڑ میں رہنے والوں سے کسی قصور کے ثابت ہو جانے کے بغیر ہی عملاً جرمانے وصول کئے جائیں اور انہیں خوف و ہیبت کے شکنجوں میں کس کے رکھا جائے۔ کیونکہ فراخ حالی اور بے غم رہنے سے یہ لوگ سرکشی کرنے کے خیالی سے پہاڑی دروں میں فتنہ وفساد پیدا کر کے اذیت و آزا کا باعث بن جائیں گے۔

تیسری دفعہ: یہ کہ کاشتکاروں کو ایک سال سے زیادہ عرصے کے لئے خوراک مہیا نہ کی جائے تا کہ راحت وفراخی معیشت کے سبب وہ زراعت و کاشت کے کاموں میں سستی و کاہلی نہ کریں۔ نیز کاشتکاری کے ہل اور دیگر سامان وافر مقدار میں انہیں نہ دیا جائے تا کہ دوسروں کی زمین کا لالچ نہ کر سکیں۔

چوتھی دفعہ: ملک کشمیر کے بیج بونے والے لوگوں کو زراعت کشی اور پیٹھ پر باربرداری کرنے کی محنت وتکلیف میں ہمیشہ مبتلا رکھا جائے تا کہ وہ ہمیشہ لباس وخراک کے محتاج رہیں اور وہ شہر کے باشندوں کے لئے لکڑی اور کوئلہ اور دیگر ضروری سامان پہنچا دیا

کریں اور کم نفع پر شہر باشوں کے محتاج رہیں۔ دیہاتی لوگوں کے مویشی، گھوڑے، ان کی خوراک، ان کا لباس، ان کا ساز وسامان اور ان کی زناشوئی کے طور طریقے ہرگز شہر کے لوگوں کی مانند نہ رہنے دئے جائیں۔ کیونکہ وہ تو انگر بن کر تن آسان بن جائیں گے اور زراعت کاری کی سختی اور محنت وخدمت سے دُور رہیں گے۔ بے نیاز ہو کر تاجر بن جائیں گے اور آمدنی کے کام کی چیزوں کو مہنگے داموں پر بیچیں گے۔ لازماً اس سے چیزوں کے ارزان رہنے اور خدمت ومحنت کرنے کا نظام ٹوٹ جائے گا اور شہر کے انتظام میں افراتفری پیدا ہو جائے گی۔

پانچویں دفعہ: یہ کہ مسلحہ سامان والوں کو ہمیشہ ایک ہی جگہ پر برقرار نہ رکھا جائے ورنہ فساد پیدا کریں گے۔

چھٹی دفعہ: یہ کہ قلعوں کو مستحکم تر بنانے اور راستوں اور شاہراہوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے۔ فراغت پانے کے وقت دشمنوں سے غافل نہ رہیں اور جنگ و محاربہ کا سامان نیز غلے کے ذخیرے قلعوں میں موجود رکھے جائیں۔

ساتویں دفعہ: یہ کہ دفتر کے عملے کے لوگوں اور حسابداروں کے درمیان آپس میں رشتہ داریاں کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ یکی دُزد باشد یکی پردہ دار (کہ ایک چوری کرے گا تو دوسرا اس کی پردہ داری)

آٹھویں دفعہ: یہ کہ حکمران کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ بذات خود جزوی اور کلی معاملات پر غالب رہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ حساب داروں، میر منشیوں، کارکنوں اور عاملوں کی نکتہ چینی کرنے اور تلاش میں رہنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ اس سے کارکن لوگ معاش کی تنگی سے دوچار ہو جائیں گے اور سخت بے اعتمادی و بے اعتباری کے

ساتھ ملکی امور میں خلل پیدا کریں گے۔

اس کے بعد راجہ نیک نام نے اپنی باقی عزیز عمر ترکستان کے علاقے میں بسر کر کے وہیں پر وفات پائی۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ واپس لوٹتے وقت وہ گلگت کی راہ سے آیا اور جب آریا ٹک نامی پہاڑ پر، جسے اب دیوہ سوی کہتے ہیں، پہنچا تو خدم و حشم اور لشکر سمیت برف کے نیچے دب گیا اور کوئی بھی زندہ نہ رہا۔ چھتیس سال اور ساتھ مہینوں تک حکمرانی کی۔

۶۔ راجہ کولیا پیڈ

۷۱۹ء (ب) میں باپ کی بادشاہت کے تخت پر بیٹھا۔ اس کے دوسرے بھائیوں نے نہ اس سے اتفاق کیا اور نہ ہی اس کی اطاعت کی اور ارکان دولت اور امراء نے ملک کے خزانے خیانت کر کے لوٹ لئے۔ راجا نے اسے منظّم کرنے میں بڑی عمدگی کے ساتھ اس کا اہتمام کیا اور میتر شرما کو، جو نامور وزیروں میں سے تھا، نافرمانی کی وجہ سے قتل کرنے پر آمادہ ہوا لیکن اپنی جگہ پر خیال کیا کہ وزیر کے مددگاروں کو قتل کئے بغیر ملک کا انتظام مستحکم نہیں ہو سکتا اور ایک شخص کے گناہ کے لئے ہزاروں بیگناہوں کو قتل کرنا بارگاہ وحدت میں گناہ کبیر ہے اور پھر اس اُدھار کی حکومت دنیا کا کیا اعتبار! پس بہتر یہی ہے کہ اپنے خالق کی رضا کی خاطر زندگی کے باقی ایام ریاضت میں گذار دوں اور اس مردار دنیا کو کتوں کے لئے چھوڑ دوں۔

صبح سویرے فقیری کا لباس پہن کر اُسترون پہاڑ پر زاویہ نشین ہوا اور اہل زمانہ سے دُور رہا۔ یہ خبر سن کر وزیر اپنے طور طریقوں سے بیزار ہوا اور اس نے پریاگ یعنی شاردا پور

میں رانی کے ہمراہ خود کو دریا میں غرق کر دیا۔ راجا کی حکومت کی مدت ایک سال اور پندرہ دن تک رہی۔

۷۔ راجہ وزرادت

۷۹۲ھ (ب) میں راجا کولیا پیڈ کے بھائی راجہ وزرادت نے حکمرانی کا پرچم بلند کیا۔ نہایت ظالم اور شہوت پرست آدمی تھا۔ اپنے محل میں تین سو ساٹھ رانیاں عیش وعشرت کے لئے ڈال رکھی تھیں اور دن رات ناز و ادا والی حسیناؤں کی صحبت میں وقت گذارتا تھا۔ پرسپور کے مندروں کا سارا ساز و سامان، جسے اس کے باپ نے مہیا کیا تھا، نغمہ و سرور میں اُڑا دیا۔ معمولی سے قصور پر ملزم کو قتل کر دیتا تھا۔ سات سال تک خون بے دریغ بہا کر اور بے شمار گناہ اپنی گردن میں ڈال کر جہنم میں چلا گیا۔

۸۔ راجہ پرتھواپیڈ

راجہ وزرادت کا بیٹا راجہ پرتھواپیڈ ۷۹۹ھ (ب) میں تخت نشین ہوا۔ ظلم و جفا کر کے خدا کے بندوں کو سخت تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں۔ چار سال اور ایک مہینہ ستمگری میں گذار کر بھائی کی بغاوت سے معزول ہوا۔

۹۔ راجہ سنگراما پیڈ

راجہ پرتھوا پیڈ کے بھائی راجہ سنگراما پیڈ نے حکمرانی کا نقارہ بجا کر سات دن فتنہ وفساد میں گذارے اور آخر میں اپنے بھائی جیا پیڈ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۱۰۔ راجہ جیا پیڈ

راجہ وزرادت کا چھوٹا بیٹا راجہ جیا پیڈ ۸۰۳ھ (ب) میں حکمرانی کے تخت پر بیٹھا اور انصاف واحسان کو اپنا شعار بنایا۔ ملک کے انتظام کو خوبی کے ساتھ سنبھالا۔ کشمیر کے اطراف ومضافات میں ربط وضبط قائم کرنے کے بعد کثیر لشکر کے ہمراہ جس کی تعداد تین لاکھ سوار، پانچ لاکھ پیادہ اور مرصع وزرکار لگاموں والے پچیس ہزار خاص امرائی وشاہی گھوڑوں پر تھی، زرّین قصبوّں اور زمرد کے آویزوں والی دس ہزار پالکیوں کے ساتھ پنجاب، ہندوستان اور خراسان کو فتح کرنے کے لئے نکلا۔ جب پریاگ کے مقام پر پہنچا تو یہاں پر نوے ہزار نوسو ننانوے گھوڑے نذرانے میں پیش کیئے اور چاندی کی ایک تختی پر کندہ کر کے لکھ رکھا کہ اگر کوئی شخص یہاں آکر ایک لاکھ گھوڑے نذر کرے گا تو اسے چاندی کی اس تختی پر سے میرا نام مٹا دینا چاہیئے۔

وہاں سے فتح مندی کا علم لہراتے ہوئے خطا اور ختن کو مسخر کرنے کا پختہ عزم کیا لیکن

آخراس ارادے کوکسی وجہ سے ملتوی کردیا اور ہندوستان کا رخ کر کے سمندر کے ساحلوں تک ہندوستان کے سارے ممالک کو فتح کرلیا۔

اس کے بعد تمام خدم وحشم کو قنوج میں چھوڑ کر ایک سیناسی (۱) کے لباس میں سیر کرتے کرتے گوردیش میں واقع پُوندرَوردن شہر میں پہنچا۔ وہاں کا راجہ جے انت تھا۔ وہ کومارجی مندر میں جشن کرر ہاتھا اور کملا نامی رقاصہ بے نظیر، جو راجہ کی چہیتی تھی، دل پذیر ناز و ادا کے ساتھ رقص وعشوہ بازی میں مصروف تھی۔ راجہ جیاپیڈ گھومتے گھومتے اس طرف بھی آنکلا اور ایک پتھر پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ کملا کی نظر جب اس کے آفتاب مانند چہرے پر پڑی تو نغمہ گری وعشوہ طرازی کو چھوڑ کر وہ اسے کمال دل نوازی وطنازی کے ساتھ مہمان بنا کر اپنے گھر لے گئی۔ جب اسے عیش وعشرت کے شبشان میں لے آئی تو ہر لمحہ اس کے ساتھ عشوہ بازی اور ہم نشینی کرنے لگی لیکن راجا اسکی گود سے ہر لحظ دُور رہا۔ چند دنوں کے بعد راجا سے کملا نے انبساط وگرمجوشی سے لاتعلق اور شوق وبغلگیری سے دُور رہنے کی وجہ پوچھی۔ راجا نے ایک اشلوک سنا کر اسے جواب دیا ”ایک بہادر آدمی جب تک نہ اپنے مقصد کو حاصل کرے اسے عورتوں کے ساتھ گھلنا ملنا نہیں چاہئے۔ سورج جب تک اپنا دور ختم نہیں کرتا شام کے شبشان میں داخل نہیں ہوتا“۔ کملا اس کے وصل سے مایوس ہوگئی اور چند دن اور ٹھہرنے کی استدعا کی۔ راجا نے اسکی درخواست قبول کر کے اس کے پاس چند دن اور گذارے کا فیصلہ کرلیا۔

ایک رات سخت شور سنا کہ ایک شیر نے کسی آدمی کا بھیجا پھاڑ ڈالا اور لوگوں کو خوفزدہ کر کے ان کو مار ڈالنے پر تلا ہوا ہے۔ راجا اپنی دلاوری اور جرأت سے شیر کی کمین گاہ پر حملہ آور ہوا اور روبرو اس کے مقابلے میں آگیا اور اس کے منہ میں اپنا بایا بازوں داخل کر کے

داہنے بازو سے اسکے شکم کو خنجر سے پارہ پارہ کر دیا۔ دوسرے دن شہر میں شیر کے مارے جانے کی خبر مشہور ہو گئی۔ تماشا بینوں نے شیر کے شکم سے راجا کی انگوٹھی نکال کر اسے اپنے راجہ کے سامنے پیش کر دیا۔ راجہ نے نگینے پر راجا جیا پیڈ کا نام دیکھ کر اس کا سراغ کملا کے گھر میں پایا۔ پھر انتہائی عزت واحترام کے ساتھ اسکی مہمان نوازی کر کے اپنی بیٹی کلیان دیوی کا بیاہ اس کے ساتھ کر دیا۔ راجا جے انت پر اطراف کے بعض راجوں نے غلبہ پا کر اس کے ممالک پر قابض ہو گئے تھے۔

راجا جیا پیڈ نے ان کو مغلوب و پامال کر کے ان کی بے شمار مال و دولت اور بہت سے ممالک راجا جے انت کے قبضہ اقتدار میں لے آیا۔ وہاں سے پوری شان وشوکت کے ساتھ لوٹ کر قنوج میں پہنچا اور ہندوستان کی سلطنت کے بنیادی اُمور کو مستحکم کرنے کے بعد کشمیر لوٹ آیا۔ اس کی بیوی کا بھائی بَرز جو کہ راجا کے ہندوستان روانہ ہو جانے پر حکومت کا منتظم بنا دیا گیا تھا، بغاوت وسرکشی کے خیال سے تین سال کی مدت سے حکومت کرنے لگا تھا اور جب اس نے راجا کے لوٹ آنے کی خبر سنی تو لشکر کے ہمراہ راجہ نامدار کے مقابلے میں آنے کی گستاخی کی اور جنگ و مقابلہ کرنے کے دوران آخر ایک چنڈال (۲) کے ہاتھوں مارا گیا۔

تخت حکومت پر کمال آزادی واستحکام کے ساتھ راجا جیا پیڈ نے حکومت کا ڈنکا بجا کر اپنا نام دینادت ثانی رکھا۔ اندر کوٹ شہر بسا کر اسے اپنا حکومتی شہر بنایا اور اپنے خاص شاہی محل کے ساتھ چھلے ہوئے پتھروں کا ایک مضبوط مندر تعمیر کیا۔ اندر کورٹ کے مغرب میں عجیب وغریب محل اور مندر بنوائے اور اس جگہ کا نام دوار کا رکھا، جسے اب نبر کوٹ کہتے ہیں (چنانچہ ڈاکٹر بولر صاحب نے ۱۸۷۶ء میں دوار کا کے مقام پر دو ایک گز زمین کھدوا کر

چتر آتما کیشو کی نشانیاں دریافت کیں۔) نیز راجا جیا پیڈ نے لنکا کے راجہ وبھیشن سے اپنے ایک سفیر کے ذریعہ چندراکھش منگوائے اوران سے ایک وسیع وعمیق جھیل پُر کروا کے اس کے اُوپر جے پورنامی شہر بسایا۔ ملہان پور بھی اسی راجا کا بسایا ہوا ہے۔ کلیان دیوی نے کلیان پور اور کملا دیوی نے کملاپور نام کی جگہیں بسا کر اپنے نام پر یادگار باقی چھوڑیں۔

ایک روز راجا جیا پیڈ مشرق کی طرف جا کر رجا بھیم سین کے گھر میں حالات کی تحقیق کرنے کے لئے اکیلے داخل ہوا۔ وہاں سدھ نامی ایک آدمی نے جو نرز کی جورو کا بھائی تھا، راجا جیا پیڈ کو قیافہ سے پہنچان کر قید کر دیا۔ آخر راجا جیا پیڈ نے فرضی بہانے سے خود کو رہا کرایا۔

کچھ عرصہ بعد ہندوستان کی سیر کرنے کے لئے روانہ ہوا اور سمندر کے ساحل پر پہنچا۔ نیپال کا راجہ ارمڈی استقبال کے لئے حاضر ہوا اور اطاعت گذاری کا زین پوش اپنے کندھوں پر ڈال دیا۔ لیکن منافقوں کی فضول گوئی نے دونوں کے بیچ میں ناموافق اثرات ڈالے اور ارمڈی بھاگ نکلا۔ راجا جیا پیڈ نے اس کا پیچھا کیا اور راستے کی بے خبری کی وجہ سے اس کا سارا لشکر نابود ہو گیا اور خود ایک درخت کی ٹہنی پکڑ کر لٹک گیا اور بچ گیا۔

راجہ ارمڈی نے جب اسکی تباہی و بربادی کی حقیقت سنی تو اس نے جیا پیڈ کو گرفتار کر کے کال گنڈ جزیرے میں قید میں رکھا۔ راجا جیا پیڈ کا وزیر دیو شرما، اپنی فوج کو سمندر کے کنارے پر چھوڑ کر کال گنڈ جزیرے میں اپنے لباس کو بدل ڈالنے کے بعد راجہ ارمڈی کے پاس آیا اور التماس کی کہ میں ہر طرح سے آپ کا نیک خواہ ہوں اور فرمان بردار، راجا جیا پیڈ کو قید میں ڈالنے سے میں بے نہایت خوش ہوں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ راجا جیا پیڈ کا ملک اور اس کی دولت آپ کے دربار کی عظمت سے وابستہ ہو جائے لیکن کشمیر کے وزراء اس

بارے میں حضور کی مطلق متابعت نہیں کریں گے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ جیا پیڈ کے پاس جا کر کسی نہ کسی بہانے اور مکر سے حضور کی متابعت کرنے کا پروانہ اس سے لکھ کے لے لوں تا کہ سارا ملک اور ساری دولت بغیر کسی مزاحمت ومحنت کے آپ کے اولیای حکومت کے تصرف میں آجائے۔ راجہ ارمڈی لالچ کے دام میں گرفتار ہوا اور اس نے وزیر کو راجا جیا پیڈ سے ملنے کی اجازت دے دی۔ وزیر باتدبیر نے جیا پیڈ کو سکھایا کہ کشمیر کی فوج سمندر کے کنارے پر موجود ہے۔ آپ قلعہ کی فصیل سے خود کو نیچے گرادیں گے اور وہاں ہوا سے بھرا ایک مشکیزہ آپ کو مل جائے گا۔ اس پر سوار ہو کر آپ خود کو فوج کے پاس پہنچائیں گے۔

قصہ: پس وزیر باتدبیر نے اپنے بدن کی کھال اُتار دی اور اسے مشکیزہ کی صورت میں ہوا سے بھر کر مقررہ جگہ پر رکھ دیا گیا۔ راجا نے وزیر مذکور کی موت پر سخت اظہار افسوس کیا اور مشکیزہ پر سوار ہو کر سمندر کو پار کیا اور اس کے بعد اپنی فوج کے ساتھ راجہ ارمڈی کے ساتھ جنگ کی۔ راجہ ارمڈی کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور اس کے شہر کو ویران کر کے اسکی فوج کے سپاہیوں کا قتل عام کیا۔ لیکن وزیر کی موت کا غم اسے ہمیشہ ستاتا رہا۔ اس کے بعد ہندوستان کے مفتوحہ ممالک میں ربطہ وضبط حسن خوبی کے ساتھ قائم کر کے کشمیر لوٹ آیا۔

قصہ: کہتے ہیں کہ ایک رات مہا پدم ناگ نے، جو ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق جس صورت میں چاہتا ہے ظاہر ہو جاتا ہے، راجا کے پاس آکر کہا کہ میں تیرے کشمیر میں آرام سے رہ رہا تھا۔ تازہ ایک جادوگر وارد ہوا ہے جو مجھے پکڑ کر اپنے ماروار کے ملک میں، جہاں پانی نہیں ہے، لے جانا چاہتا ہے۔ اگر تم میری حفاظت کرو گے تو میں کشمیر میں تجھے سونے کی کان دکھادوں گا۔ دوسرے دن راجا نے جستجو کروائی اور اس برہمن جادوگر کو پایا

اور اس کے ہمراہ اُولر پرگنہ میں مہاپدم ناگ کے منبع کی طرف روانہ ہوا۔ راجا کے حکم سے برہمن نے جادو کا منتر پڑھا اور فوراً ہی چشمہ سوکھ گیا اور خوفناک سانپ نمودار ہوئے۔

بالآخر راجا نے مہاپدم ناگ کو رہائی دلائی اور جادوگر کو کافی نقد رقم دے کر شہر بدر کر دیا۔ اگلی رات کو مہاپدم ناگ نے راجا سے خواب میں کہا کہ اگر تو نے ہمارے راز کو ظاہر نہ کیا ہوتا تو میں ضرور تجھے سونے کی کان دکھا دیتا۔ اب میں نے تجھے کامراج میں واقع مس (المونیم) کی کان بخش دی۔ دوسرے روز راجا وعدہ گاہ پر گیا اور وہاں مس کی کان نکالی۔ اس کان کی آمدنی سے راجا نے ایک ارب دینار سکے ڈھالے۔

صاحب جامع التواریخ لکھتا ہے کہ ہندوستان کے سفر میں راجا جیاپیڈ کی رانی ایک مندر کی زیارت کو جا رہی تھی، اچانک ایک برہمن زادہ اس کے حسن و جمال کا فریفتہ ہو گیا اور مجنوں کی مانند پہاڑوں اور صحراؤں میں شب و روز درد و سوز عشق میں بھٹکتا رہا۔ آخر موت کے قریب پہنچا اور اس کی ماں اس کے اس سوز درون سے آگاہ ہوئی۔ مکر و فریب سے اس کی محبوبہ کے گھر میں داخل ہو کر راجا کی رانی کے ساتھ اس نے اُلفت و قربت پیدا کر لی۔ ایک روز عاجزی و انکساری کے ساتھ اس نے رانی سے کہا کہ قادر مطلق خدائے لازوال نے مجھے ضعیف و ناتوان عورت کو ایک فرزند عطا کیا تھا، جو اب موت کے بستر میں کراہ رہا ہے۔ اس کا علاج آپ کے قبضہ اختیار میں ہے۔ اگر آپ مجھے جان کی امان دیں گی تو میں اس بات کی وضاحت کروں۔ رانی اسکی عجز و زاری کو دیکھ کر اسکے مقصد کو سننے کی طرف مائل ہو گئی۔ جب حقیقت حال سے آگاہ ہوئی تو رانی نے اپنے برہمن سے رمزیہ انداز میں پوچھا: "اگر کوئی شخص حالت نزع کو پہنچ گیا ہو اور کوئی اس کا علاج کرے اور وہ صحت یاب ہو جائے لیکن وہ علاج دراصل ایک عظیم گناہ ہو، تو مذہب کی رو سے اس گناہ کی کفارت کیسے ادا کی جا سکتی

ہے؟'' برہمن نے کہا: ''اس کی کفارت نذر و نیاز اور خیرات کرنے سے ہوتی ہے۔''

یہ جواب سن کر رانی نے اس بڑھیا کو تجویز پیش کی کہ وہ اپنے بیٹے کو پوشیدہ طور پر قصر شاہی میں پہنچا دے اور کسی کو بھی اس راز سے واقف نہ کرے۔ بڑھیا نے اپنے مجنون کو فوراً لیلےٰ کی حرم سرا میں پہنچا دیا۔ رانی نے کمال دلبری اور مہربانی کے ساتھ اپنے آپ کو گران قیمت عمدہ ترین لباس اور کثیر زیورات سے آراستہ کر کے اس عاشق کو دلستان عشوہ طرازی کے ساتھ اپنی گود میں ڈال کر ساری رات عیش و کامرانی میں گذار دی اور اپنے دلدار و عاشق شیفتہ کو وصل کی میٹھی شراب سے حیات جاودانی بخش دی۔ اسے رخصت کرنے کے بعد اپنے گناہ کو مٹانے کی فکر میں اسی اپنے برہمن کے سامنے حقیقت حال بیان کی۔ برہمن نے کہا اس گناہ عظیم کی کفارت خاکی جسم کو جلانے کے بغیر اور کسی عمل سے نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس طرح کے کارہای بد کے لئے نذر و خیرات کافی نہیں ہیں۔

پس اُس مردانہ صفت عورت نے صندل کی لکڑی کا ایک انبار اپنے گھر کے صحن میں لگوا دیا اور فرصت پاتے ہی اس میں آگ لگا کر خود کو جلا دیا اور حیات ابدی پالی۔ یہ بات شہر بھر میں پھیل گئی اور ہر کوئی اسکی بلند حوصلگی اور ہمت کی تعریف کرتا تھا۔

کچھ عرصہ بعد راجہ والا شان ملکوں کو فتح کرنے کے بعد اپنے وطن میں لوٹ آیا اور وقت کی مصلحت کے پیش نظر درباری امراء واعیان سلطنت نے رانی کی موت کو ایک قضای الٰہی اور مرگ ناگہانی کا واقعہ قرار دے کر اسے تسلی دی۔ لیکن مشہور بات اصل میں چھپ نہیں سکتی ہے۔

کالی راتوں میں سے ایک رات کو راجہ نیک نام شب گردی کے خیال سے شہر میں نکل آیا اور ایک زرگر کی دکان کے پاس پہنچا۔ وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو دیکھا جو برہمن

زادہ اور رانی کے حسب حال قصہ عشق کو، جو کشمیری زبان میں نظم کی صورت میں ترتیب دیا گیا تھا، خوش آوازی اور ناز و ادا کے ساتھ گا گا کر بیان کر رہے تھے۔ راجا نے پوشیدہ رہ کر جب اپنی رانی کی اصلی موت کی حقیقت جان لی تو اس کے سینے کی بھٹی میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اور دوسرے دن حکمرانی کے تخت پر رات کے ان گویوں کو زرگر کی دکان سے بلوا کر ان سے وہ قصہ شبانہ بھرے دربار عالی میں گانے کا حکم دیا اور اس طرح سے اپنے ہم نشینوں تک اپنا مقصد پہنچا دیا۔

اس کے بعد راجا نے اُس عاشق برہمن زادہ اور مذہبی مجتہد برہمن دونوں کو اپنے سامنے قتل کروا دیا اور دربار کے امراء اور اعیان اور شبستان کے محرم اشخاص کو فوراً تلوار کی کاٹ کی نذر کر دیا اور بہت سے جوتشیوں (۳)، پنڈتوں، اور وید خوانوں اور راز دان برہمنوں کو مروا ڈالا اور بندگان خدا کو بھی ظلم و ستم سے بہت اذیت پہنچائی اور ہندو شاستر کی کتابوں کو جمع کرا کے انبار لگوا دیا اور ان کو ایک راہ پر بند کی صورت میں لا کے ان پر مٹی ڈال دی اور ایک بند تعمیر کیا جسے اب مُوستھو کہتے ہیں جو تولہ مولہ جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ بہر حال راجا نے چار سال تک ایک غوغا برپا رکھا۔ برہمنوں کی جاگیریں ضبط کیں اور ان کو تباہ و برباد کر دیا جس کی وجہ سے اکثر برہمن لوگ بھاگ گئے اور اطراف میں جا کر مر گئے۔ ان میں سے ننانوے برہمن چندرہ بھاگا دریا میں ڈوب گئے۔

ایک روز برہمنوں کی ایک جماعت راجا کے دربار میں حاضر ہوئی اور کہا کہ پچھلے راجے برہمنوں کی عزت کرتے تھے۔ لیکن تمہارے ظلم و ستم سے ہمارا یہ بزرگوار فرقہ پریشان ہو چکا ہے۔ بیشک اس جماعت کی دل شکنی کرنے سے تمہاری جان پر کوئی آفت آپڑے گی۔ یہ سن کر راجا قہر میں آگیا اور برہمنوں کو اپنے دربار سے نکال دیا۔ ایک برہمن نے ہاتھ اٹھا

کر اس پر لعنت کی اور اسی وقت خیمے کا ستون گر کر راجا کی ٹانگ زخمی ہوگئی اور یہ زخم بڑھ کر ناسور بن گیا اور ناسور کے کیڑے راجا کو سخت اذیت پہنچانے لگے ۔ بالآخر اسی اذیت و تکلیف سے مر گیا۔ چونتیس سال حکمرانی میں گذارے۔

۱۱۔ راجہ للتاپیڈ

راجہ جیاپیڈ کے بیٹے راجہ للتاپیڈ نے ۸۳۸ھ (ب) میں حکمرانی کا تاج سر پر رکھا اور عیش وعشرت اور کامرانی وشہوانی اُمور میں مشغول ہوگیا۔ ایک شراب فروش کی بیٹی وجیادیوی کو اپنی ہم بستری کے لئے پسند کرلیا کہ اس کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو چکا تھا۔ کمینے اور پست فطرت لوگوں کے ساتھ صحبت واُلفت رکھتا تھا۔ اس لئے سلطنت کے انتظامی اُمور میں خلل آگیا۔

راجا نے سونہ پارہ اور فہلہ پارہ نامی گاؤں بسا کر انہیں برہمنوں کی جاگیر میں دے دیا۔ گیارہ سال نو ماہ تک حکومت کر کے فوت ہوا۔

۱۲۔ راجہ سنگراماپیڈ

راجا للتاپیڈ کے بھائی راجہ سنگراماپیڈ نے ۸۵۰ھ (ب) میں راجگی کا تاج سر پر رکھا۔ سات سال تک ملک کی دلہن کا بناؤ سنگار کر کے چل بسا۔

۱۳۔ راجہ چپٹ جیا پیڈ

راجہ للتا پیڈ کا بیٹا راجہ چپٹ جیا پیڈ جو جیا دیوی کے بطن سے پیدا ہوا تھا، ۸۵۷ء (ب) میں تخت پر بیٹھا۔ پدم، آرت پل، کلیان، مم اور دم اُس کے پانچ ماموں تھے جو آپس میں بھائی بھائی تھے۔ یہ پانچوں بھائی سلطنت کے اُمور میں دخل انداز ہوئے اور انہوں نے اگلے راجاؤں کے جمع کئے ذخائر وخزاین کو خالی کر کے رکھ دیا اور سپاہ ورعیت میں تباہی و ویرانی پیدا کی اور ملک کے نظام میں رخنے کر کے فتنہ وفساد برپا کر دیا۔ بارہ سال کی حکومت کے بعد چپٹ جیا پیڈ کو معزول کر کے اس کے بھائی کو حکمران بنا دیا۔

۱۴۔ راجہ اجتا پیڈ

آدت پل کی مدد سے اپنے بھائی کی جگہ ۸۶۹ء (ب) میں تخت نشین ہوا لیکن ملک کی باگ ان ہی بدخصلتوں کے ہاتھ میں تھی جو رعایا کو ظلم وستم سے تکلیفیں پہنچاتے تھے اور ملک کی آمدنی کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ راجہ اجتا پیڈ کو دیا کرتے تھے۔ یہ جماعت اگرچہ شریر قوم کی جماعت تھی لیکن بخشش وسخاوت کرنے میں سب سے آگے تھی۔ آدت پل نے آدت کل گاؤں بسایا۔ پدم نے پدمان پور بسایا، جیسے اب پانپور کہتے ہیں۔ دم نے دم سوامی مندر بنایا اور کلیان کی تعمیرات میں سے کلیان سوامی مندر مشہور تھا۔ مم نے اپنی

زندگی میں پچاس ہزار گائیں خیرات میں دے دیں۔ بالآخر مم اور آدت پل آپس میں دشمن ہو گئے اور جنگ وکشت وخون پر اتر آئے۔ مم کا بٹا میشودھرم میدان جنگ میں نکل آیا اور اس نے جنگجو دلاور سپاہیوں کی ایک جماعت کو قتل کیا اور مم نے فتحیاب ہو کر سنتس سال کی حکومت کے بعد راجہ اجتا پیڈ کو معزول کر کے سنگرام پیڈ کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا۔

۱۵۔ راجہ انگا پیڈ

مم کی مدد سے ۹۰۶ء (ب) میں تخت پر بیٹھ کر آدت پل کے بیٹے سوکھ ورم کی مخالفت کرنے لگا اور تین سال تک حکومت کر کے معزول ہوا۔

۱۱۔ راجہ اُدت پلا پیڈ

۹۱۰ء (ب) میں یہاں کی حکومت پر مسلط ہو گیا۔ اس کے وزیر نے رتن سوامی مندر بنایا۔ راجا نے دو سال تک حکومت کی اور شش کے ہاتھوں قتل ہوا۔

اور کارکوٹ بنسی راجاؤں کی سلطنت ختم ہو گئی۔ اس خاندان کے سترہ راجاؤں کی مدت سلطنت دو سو چون سال اور چھ ماہ تک رہی۔

چوتھا ترنگ ختم ہوا

یادداشتیں

(۱) سنیاسی ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے۔

(۲) ایک پیچ ترین فرقہ ہے جو مُردوں کو کھاتے ہیں۔

(۳) جوتشی اور پنڈت سنسکرت کا علم رکھنے والے عالموں کو کہتے ہیں۔

ساتواں تخت

خمار راجاؤں کے ذکر میں

ا۔ راجہ اونتی ورما

راجہ اونتی ورما، جو خمار راجاؤں کے قبیلے سے تھا، شیر ورم وزیر کی اعانت سے، جو اُس کا منہ بولا بھائی تھا، کارکوٹی راجاؤں کو جنگ میں مغلوب کرنے کے بعد ۹۱۲ھ (ب) میں سلطنت کے تخت پر بیٹھا اور ایک ہی دن میں اگلے راجاؤں کے جو بھی خزاین وذخایر تھے ان کو محتاجوں میں تقسیم کر دیا اور حکومت کے مال ومتاع میں سوائے تاج وچتر دولت کے کوئی بھی چیز باقی نہ رکھی۔ عدالت وانصاف برتنے میں بے نظیر تھا۔ عام لوگوں کے دل انعام و اکرام سے خوش کر دئے۔ مختلف بلاد وممالک سے فضلاء وعلماء کو بلوا کر علوم نادر کو رواج دیا۔ اس کے عہد میں مکتا کیڈ، شوسوامی، آنند وردھن اور پنڈت رتنا گر وغیرہ جیسے کامل دانشمند صاحب تصنیفات علماء موجود تھے۔ چنانچہ پنڈت رتنا گر نے کلجوگ کے زمانے سے اپنے زمانے تک کی کشمیر کی تاریخ لکھی ہے۔ کلٹ پنڈت وغیرہ فضلائے شومت کے علم میں پوران لکھ کر شو مذہب کو رواج دیا۔ شور ورما جیسا بے مثال دانشمند وزارت کے عہدہ پر ممتاز تھا، اور شورہ پور اسی کا بنایا ہوا گاؤں ہے۔ راجا کے زمانے میں ایک شدید زلزلہ آیا جس سے

کھادن یار میں پہاڑ کا ایک ٹکڑا لڑھک کر دریا ی بہت میں آگرا اور پانی رُک کر سیلاب کی صورت میں چڑھ آیا۔ سیلاب کی طغیانی سے اور فصل میں نقصان ہونے کی وجہ سے کشمیر میں غلہ نایاب ہوا اور شالی کی ایک خروار ایک ہزار اور پچاس تنگہ کی قیمت پر پہنچی۔ راجا نے پانی کو نکالنے اور اس کے نکلنے کی جگہ کو کھود کر اسے وسیع کرنے کے لئے اپنے ایک دانشمند وزیر سُوء کو بھیج دیا۔ اسکے حسن تدبیر سے لوگوں نے پانی کے نکلنے کی جگہ سے پتھر اٹھا لئے اور اس طرح سے سیلاب نیچے چلا گیا اور زمین نمودار ہوائی۔ ہر جگہ سد بندی کی گئی اور ندیوں کی مرمت کرادی گئی اور کھیت اس طرح سے یوں آباد ہو گئے کہ شالی کی ایک خروار کی قیمت چھتیس تنگہ تک گھٹ گئی۔ قصبہ سوپور کے ذکر میں اسکا بیان حصہ اول میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

راجہ مذکور نے اپنے عہد میں شہر اونتی پورہ کو بازاروں اور دکانوں کے ساتھ تعمیر کیا اور وہاں سورج مکھی مندر بھی بنایا۔ بیج بہاڑہ کے مقام پر ترُ پریشوری اور مکتا شری مندر بھی یادگار چھوڑے اور وجیشوری مندر کی مرمت کی۔

کہتے ہیں بیج بہاڑہ کے علاقہ پر شورورما کا تسلط تھا اور اُس کے عامل مندروں کے پجاریوں کو تکلیفیں پہنچاتے تھے اور وہ غلہ مہیا نہ کیئے جانے کے سبب ساگ کی سبزی کھانے پر قناعت کرتے تھے۔ راجہ نامدار ایک روز وجیشوری مندر میں پوجا کرنے کے لئے آیا۔ وہاں اس نے پجاریوں کو دیکھا کہ مہادیو کے لنگ (۱) پر، جسے اُنہوں نے وہاں چھپا کے رکھا تھا، جنگلی ساگ نذر کیا ہوا ہے۔ راجا نے اس حالت کو دیکھ کر اصلی حقیقت دریافت کر لی اور اسی وقت شورورما کو بلا کر اس قصور کے جرم میں قتل کر ڈالا۔

راجا کی حکومت میں خشکی وتری کے تمام جانوروں کو مارنے کی ممانعت تھی۔ بھگت قوم کے ایک شخص کو مامور کو رکھا تھا کہ وہ راجا کی پیٹھ کے پیچھے کھڑے رہ کر ہر لمحہ خوش لحنی کے

ساتھ یہ شلوک (۲) پڑھا کرے جس کا مضمون یہ ہے:

''جاہ وحشمت ناپائیدار ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم لاچار و بیکس محتاجوں کی دستگیری کیا کرو کیونکہ کیا معلوم کہ اختیار کی باگ کل کس کے ہاتھوں میں ہوگی۔ اور اس وقت پشیمان و پریشان ہو کر کیا نیکی کرو گے''۔

چنانچہ اُس کی زبان سے یہ شلوک سنتا اور اس پر عمل کیا کرتا تھا۔ سنتیس سال اور تین ماہ تک حکومت کا ڈنکا بجا کر ایک سخت بیماری میں مبتلا ہوا اور تر پریشوری مندر میں وفات پائی۔

۲۔ راجہ شنکر ورما

شورورما کے بیٹے رتنہ وردھن کی مدد سے راجہ شنکر ورما نے ۹۴۹ (ب) میں راجگی کا خلعت پہن کر سوکھ ورما کو اپنا وزیر اور نائب بنایا۔ کچھ عرصہ بعد راجا اور وزیر کے درمیان تنازعہ ہوا اور ایک دوسرے کے خلاف جنگ کی۔ آخر میں سوکھ ورما کو شکست ہوئی اور شنکر ورما کلی طور پر صاحب اقتدار ہو گیا۔ اس کے بعد فتوحات کرنے کے ارادے سے ایک لاکھ سوار ،نو لاکھ پیادہ فوج اور تین سو ہاتھیوں کی بھاری جمعیت کے ساتھ اطراف کی جانب روانہ ہوا ۔ دمتور، پکھلی اور پنجاب کو زیر کر کے راجہ بھمبر کو قید میں ڈال دیا اور نگر کوٹ کے راجا پرتھوی چندر کو اپنی غلامی کا حلقہ بگوش بنایا۔ گجرات کا راجا علی خان، حرب وضرب سے پیش آنے کے بعد بالآخر انکساری و عاجزی کے اظہار میں پھر سے مقبوضہ ممالک پر بحالی ہوا۔ اس کے بعد سندھ کی راہ سے خراسان پر حملہ آور ہوا اور کابل وغزنی اور ہرات سے لے کر کوہِ ہندوکش اور

کئی شہروں اور ملکوں تک کو اپنے قبضہ میں لے آیا اور بدخشان و گلگت کے راستے سے کشمیر لوٹ آیا۔

پنج ستھر نامی زمین پر شنکر پٹن شہر بسایا جسے اب پٹن کہتے ہیں اور وہاں دو سنگین اور محکمہ مندر بنائے جو ابھی تک موجود ہیں اور ان مندروں پر پرسپور مندر سے اٹھائے گئے سامان و اسباب کو خرچ کیا۔

راجا جوا بازی اور شہوت پرستی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ مال دولت اور خزانوں کو مفت میں ضائع کیا اور تھوڑے عرصے میں خزانوں کو خالی کر کے ظلم وستم کا بازار گرم رکھا۔ مستحق برہمنوں کے حق میں کوئی ذریعہ معاش مہیا نہیں کیا اور قدیم مندروں کے سامان واسباب کو اٹھوا کر ظلم و جور کو عام کر کے ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو ذلیل و رُسوا کیا۔ اُمور سلطنت کے کام کاج کو رعایا سے بغیر کسی اُجرت کے کرواتا تھا۔ چنانچہ پٹن شہر کی عمارات بنوانے میں لوگ بغیر کسی اُجرت کے کام کرتے تھے۔

پیمانہ اور ناپ تول میں مقررہ وزن میں کمی کر کے خوردنی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ کیا۔ وقت کے سربرآوردہ لوگوں کو پست مرتبہ کر کے ذیل و نیچ لوگوں کو بلند قدر کر دیا اور کسی کو بھی اپنی اصلی حیثیت میں قائم نہیں رکھا۔ چھوٹے چھوٹے اُمور کے لئے کثیر تعداد میں منتظمین کو مقرر کیا اور خود اپنا نفع اور دوسروں کا مفاد منتظمین کے حق میں کر دیا۔

بالآخر خاصی جاہ وحشمت کے ساتھ شمال کی طرف روانہ ہو گیا اور دریاء سندتک پہنچا۔ لوٹتے وقت پہاڑ کے ایک درّہ میں بھائیوں کے اشارے سے دشمنوں کے ہاتھ سے ایک تیر اس کے حلق میں لگا اور اسی جگہ پر اس کی موت واقع ہو گئی۔ اعیان مملکت نے فتنہ وفساد کے خیال سے اس کی لاش کو چھپا کے رکھ دیا اور کسی کو بھی اس معاملے کی خبر نہیں کی۔ اور

چھ دنوں تک بڑی تیزی کے ساتھ کشمیر میں داخل ہو کر اس کی لاش کو آگ دکھائی۔ راجا نے اٹھارہ سال آٹھ ماہ اور چار روز تک حکومت کی۔

۳۔ راجہ گوپال ورما

راجہ شنکر ورما کے بیٹے راجہ گوپال ورما نے ۹۶۸ھ (ب) میں شوکت واقتدار کا جھنڈا بلند کر کے اپنے باپ کے برعکس عدل وانصاف اور رعایا پروری وسخاوت سے کام لیا۔ لیکن اُس کی ماں سوگندھا رانی نے پاکی وعزت کے جام کو چور چور کر کے وزیر وخزانچی کے ساتھ چوری چھپے صحبت ومعاشرت اور عیش وکامرانی کے کھیل کھیلے۔ اس ماجرا کی کیفیت سن کر راجا گوپال ورما کے سینے کی بھٹی میں غیرت کی آگ شعلہ ور ہوئی، جس سے اس کی ساری شاداب رطوبت وشگفتگی نذر آتش ہوگئی اور کل دوسال تک حکومت کرنے کے بعد اس کا قالب خاکی روح سے خالی ہوگیا۔

اعیان وارکان سلطنت میں آپس میں پھوٹ پڑ گیا اور ہر کسی نے بغض وعناد اور فتنہ وفساد کا بیڑا اُٹھالیا۔ راجا کی حکومت کل دوسال ایک ماہ تک رہی۔

۴۔ راجہ سنگت ورما

راجہ گوپال ورما کا بھائی راجہ سنگت ورما دس روز تک تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد تخت سے اُتر آیا۔

۵۔ سوگند ھارانی

۹۷۰ء (ب) میں سوگند ھارانی نے حکمرانی کا پرچم لہرایا۔ رانی نے گوپال پور، گوپال مٹ اور سوگند ھاپور بسائے۔ اس زمانے میں انگی اور نیایک اور تانترے قوم کے لوگ دربار کے ارکان تھے، جنہوں نے باہمی فتنہ وفساد سے سلطنت میں رخنے پیدا کیئے۔ ان کے احکام کی متابعت سے سوگند ھارانی نے تنگ آکر نرزت ورما کو جو سپنگو کے نام سے معروف اور شورورماوزیر کے فرزندوں میں سے تھا، اپنا قائم مقام بنایا۔ تانترے قوم نے اس کی مخالفت کی اور اُنہوں نے دوسال کے بعد سوگند ھارانی کو معزول کر دیا اور نرزت ورما کے بیٹے پارتھ کو جو ابھی خوردسالی میں تھا، حکومت کرنے کے لئے بٹھا دیا۔

۶۔ راجہ پارتھ

راجہ پارتھ ۹۷۲ء (ب) میں تخت نشین ہوا۔ اسکی کمسنی کے باعث اختیار کی باگ امراء کے ہاتھوں میں تھی۔ ان ہی ایام میں سوگند ھارانی نے قید خانے میں وفات پائی۔ شنکر وردھن کے بیٹے میر وردھن اور سوگند آدت نے، جو ارکان سلطنت تھے، باہمی اتفاق سے خزانوں اور زمین میں گڑے ہوئے دفینوں پر قبضہ کر کے خیانت کاری کی۔ ان ہی دنوں میں بارش کی کثرت سے دریاؤں میں طغیانی آگئی اور سیلاب سے فصل تباہ ہوگئی اور غلہ

نایاب ہوا اور قحط کی آگ بھڑک اٹھی اور ہزاروں جانیں غذا کی ناموجودگی کی آگ میں کباب ہوگئیں اور مردوں کی لاشیں پانی میں بلبلوں کی طرح تیر کر مچھلیوں کی غذا بن گئیں۔ حکومت کے انتظام کی عدم موجودگی اور سلطنت کے فساد کی وجہ سے لوٹ مار اور تباہی سارے ملک میں عام ہوگئی۔

نرزت ورما اپنے بیٹے پارتھ کے ساتھ ہمیشہ جنگ وجدل کرتا رہا۔ کبھی بیٹا غالب آجاتا تو کبھی باپ۔ کبھی باپ حکومت کا تاج سر پر رکھتا تو کبھی بیٹا فتح مند ہوکر حکمران ہوجاتا تھا۔ زناکاری اور بے شرمی یہاں تک پہنچی کہ نرزت ورما کی رانی سوگند آدت وزیر کے ساتھ عیش کرتی تھی۔ اس حالت میں میرور دھن نے اپنی بہن کو نرزت ورما کے عقد میں دے دیا اور وہ باکرہ بھی فوراً سوگند اوزیر کے دام محبت میں گرفتار ہوگئی۔ الغرض راجہ پارتھ، تانترے قوم کی مدد سے پندرہ سال اور نو ماہ تک حکومت میں رہ کر معزول ہوا۔

۷۔ راجہ نرزت ورما

راجہ نرزت ورما ۹۸۸ھ (ب) میں کشمیر کا حکمران ہوا۔ ایک سال افراتفری کے عالم میں گذار کر وفات پائی۔

۸۔ راجہ چکر ورما

راجہ چکر ورما اپنے باپ نرزت ورما کی زندگی میں ہی ۹۸۹ھ (ب) سلطنت کا قائم

مقام ہو چکا تھا لیکن اُمراء کی سرکشی کی وجہ سے اسکی حکومت کے انتظام میں استحکام نہیں آیا تھا۔ نیا یک اور انگی قومیں فساد برپا کر رہی تھیں۔ بالآخر تانترے قوم نے نرزت ورما کے دوسرے بیٹے شیر ورما کو تخت حکومت پر بٹھا دیا اور دس سال بیس ماہ کی حکومت کے بعد چکر ورما کو معزول کر دیا۔

۹۔ راجہ شیر ورما

راجہ چکر ورما کا بھائی راجہ شیر ورما تانتریوں کی مدد سے ۹۹۹ء (ب) میں تخت نشین ہوا۔ حکمرانی کے اُمور میں خوب ماہر تھا لیکن ارکان سلطنت کو رشوت کم دیتا تھا، اسلئے انہوں نے ایک سال کے بعد ہی اسے معزرل کر دیا۔

۱۰۔ راجہ پارتھ

۱۰۰۰ء (ب) میں حکمرانی کے مسند پر بیٹھا اور ایک سال کا عرصہ افراتفری کی کیفیت میں گذار کر تانتریوں کے ہاتھوں معزول ہوا۔

۱۱۔ راجہ چکر ورما

دوسری بار ۱۰۰۱ء (ب) میں تخت حکومت پر بیٹھا اور ملکی اُمور بد معاشوں اور غنڈوں کے حوالے کر دئے اور خزانے اور ذخایر سلطنت نامناسب کاموں میں ضائع اور تباہ

کر دئے۔ آخر تانتریوں کی مخالفت کرنے پر کامراج کے علاقے میں سنگرام ڈانگر کے گھر میں بھاگ کر پناہ لی۔ چھ ماہ تک حکومت کی۔

۱۲۔ شنبھو وردھن

میرو وردھن کے بیٹے شنبھو وردھن نے راجہ چکر ورما کے فرار ہونے کے بعد تانتریوں کی اعانت سے تین ماہ اور بیس دنوں تک حکمرانی کی۔ چکرورما نے سنگرام ڈانگر کے ساتھ عہد و پیمان کیا اور اس کے مددگاروں اور ہمراہوں کے ساتھ شہر کا رُخ کر کے پانچ چھ ہزار تانتریوں کو قتل کر ڈالا اور شنبھو وردھن کو ملک سے بھگا کر خود تخت پر بیٹھا۔

۱۳۔ چکرورما

سنہ ۱۰۰۲ (ب) میں سنگرام ڈانگر کی مدد سے تیسری بار راجگی کا تاج سر پر رکھا اور جاہ وحشمت کی کثرت سے مغرور ہو کر بندگان خدا کو ظلم و جور سے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ دو قوال لڑکیوں کو، جو حسن و جمال میں بے مثال تھیں، رقص کرتے ہوئے، اپنے لئے پسند کر کے حرم سرا میں داخل کر دیا۔ ان میں سے سہنسی کے ساتھ بیاہ کر کے اسے ممتاز بنا دیا اور اُس کے رشتہ داروں کو جو سب ڈوم قوم کے تھے، ملکی اور مالی اُمور میں دخیل کر دیا۔ چماروں اور کمینے و نیچ لوگوں کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کر کے ملک کے اعیان وارکان کو پامال و خستہ حال بنا دیا۔

برہمنوں کی بیویوں کو جبراً اغوا کرلیا کرتا تھا۔ اپنے معاون اور مددگار سنگرام ڈانگر کو فریب و دغا دے کر قتل کر ڈالا، جس کے نتیجے میں اس کے متعلقین نے راجا اور رانی کو شبستان عیش میں داخل ہو کر دونوں کو قتل کر دیا۔ راجا کی حکومت ایک سال ایک ماہ تک رہی۔

۱۴۔ راجہ اُونمتا ورما

راجہ پارتھ کا بیٹا راجہ اُونمتا ورما وزیروں کی مرضی سے ۱۰۰۴ء (ب) میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ راجہ چکر ورما سے بھی زیادہ ستمگری اور خونخواری میں تیز تھا۔ پست ترین درجے کے لوگوں کو وزیری اور امیری کے عہدے دیئے اور اہل فصاحت و بلاغت کو ذلیل و خوار کیا اور بے گناہ لوگوں کو آزمائش کے طور پر ناحق قتل کر ڈالتا تھا۔ حاملہ عورتوں کو اُن کے شکم میں نطفہ قرار پکڑنے کی جگہ کو دیکھنے کے لئے اُن کے پیٹ چاک کرتا تھا۔

پروہ گپت کی ہدایت پر اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو قتل کر دیا اور اپنے باپ راجا پارتھ کو جو زیندر ہار میں فقر و مذلّت کی زندگی گذار رہا تھا، بڑی رسوائی کے ساتھ تلوار کی نذر کر ڈالا۔ ڈانگروں کی قوم نے ملک میں بربادی اور لوٹ مار کی راہ سے ویرانی اور تباہی لائی اور راجا دو سال اور ایک ماہ کی حکومت کے بعد دق میں مبتلا ہو گیا۔ چونکہ راجا نے اپنوں میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا تھا، اس لئے اس کی رانی نے شیر ورما نامی ایک بچے کو تازہ جنم لیتے ہی پوشیدہ طور پر اپنا متبنیٰ بنا کر لایا تھا۔ بے خبری کے عالم میں راجا نے اس بچے کو اپنا بیٹا سمجھ کر بیماری کے دنوں میں اسے اپنا جانشین بنا لیا اور مر گیا۔ راجا نے دو سال اور ایک ماہ تک حکومت کی۔

۱۵۔ راجہ شیر ورما

سنہ ۱۰۰۶ (ب) میں خلعت شاہی پہن لیا اور چند دنوں کے بعد جے سوامی مندر کے درشن کرنے کو گیا۔ کمل وردھن نے، جس نے مراج کے علاقے میں بھاری لشکر کی وجہ سے نام پیدا کر لیا تھا، راجا کے مقابلے میں آ کر جنگ کے لئے للکارا۔ لیکن فوج کی کمی کی وجہ سے راجا شیر ورما شہر میں اپنے شبستان میں چھپ کر بیٹھا اور تعاقب کرتے ہوئے کمل وردھن اس کے قصر شاہی میں گھس گیا۔ دوسرے دن اس نے ملک کے اعیان وارکان سلطنت کو بلوا کر اپنی تخت نشینی کے لئے التجا کی۔ اعیان سلطنت نے اسے ناپسند کر کے راجا پرورسین کی اولاد میں سے راجہ یشسکر کو تخت حکومت پر بٹھا دیا۔

یہاں تک خمار راجاؤں کی تعداد حکومت چورانوے سال تھی۔

پانچویں ترنگ ختم ہوئی

یادداشتیں

(۱) مہادیولنگ۔ایک بت کا نام جس کی شکل آلت کی مانند ہوتی ہے۔

(۲) شلوک سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی ہے قافیہ والی عبارت یا جملہ۔

آٹھواں تخت

ا۔ راجہ یشسکر

برہمنوں اور اعیان ملک کے باہمی اتفاق سے ۱۰۰۶ سنہ (ب) میں حکمران بن گیا۔
پہلے دن ہی اس نے برہمنوں کو شاہی دربار میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی اور دروازے پر باہر آکر برہمنوں سے درخواست کی کہ سلطنت کا انتظام محکم حکم کو لاگو کئے بغیر مضبوطی نہیں پاتا۔ جس کا حکم سُست ہوگا اس کی حکومت ٹھیک نہیں ہوسکتی۔ میں نے آپ کی مدد سے حکومت کا رتبہ پایا اور مدد کرنے والوں کی تعظیم و تکریم کرنا میرا فرض ہے، لیکن جس تعظیم میں شاہی رعب وداب نہ ہو اس میں کوئی فروغ نہیں۔ اس میں ہم نشینی اور مجالست کو میرے دربار میں کوئی جگہ نہیں اور بغیر کسی کام کے ہرگز میرے پاس آنے کا کوئی امکان بھی نہیں۔ اس طرح سے راجا نے اپنا وقار و اعتبار قائم رکھا اور اُمور حکمرانی کے حل وعقد میں ایک بے نظیر آدمی بن گیا۔

راجا کی ہیبت سے رہزنوں کا جگر پانی ہوجاتا تھا۔ کام کاج کرنے والے اور سوداگر لوگ راتوں کو دکانیں بند نہیں کرتے تھے اور شہر کے لوگ بھی اپنے دروازوں کو کھلا رہنے دیتے تھے۔ تاجر لوگوں کو اس کے دربار میں باریاب ہونے میں بڑی دشواری پیش آتی تھی۔ باغی لوگوں اور فتنہ وفساد پیدا کرنے والوں کو زمینداری کے کام میں لگادیا۔ شراب نوشی

اور قمار بازی کو بالکل ممنوع کیا اور برہمنوں کے لئے علم سیکھنے کے بغیر اور کوئی کام نہیں رکھا۔ حق پرستوں کو معیشت کی رقم مہیا کر کے اُن کو اہل وعیال کی فکر سے بے نیاز کر دیا اور فریب کار فقیروں کو دھوکہ بازوں سے باز رکھا اور عورتوں کو ان کے شوہیروں کی اطاعت کرنے پر مجبور کر دیا۔ دربار کے مصاحبوں، وزیروں، نجومیوں، طبیبوں اور صدر محرّروں اور عدالت کے کارندوں کو کوئی غلطی کرنے پر سخت ڈرایا۔ برہمنوں کو اپنی بخشش وسخاوت سے اسودگی عطا کر کے انہیں درس وتدریس میں مشغول رکھا۔ ہر جگہ مدرسے، مسافر خانے اور شفا خانے بنوائے اور ان پر لاکھوں روپے خرچ کئے۔ اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان پر ہمیشہ ثابت وقائم رہتا تھا اور کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ ملک میں اس حد تک امن وامان تھا کہ کسی کے کام میں نہ کوئی مداخلت کی جاتی اور نہ ہی مزاحمت۔

آخر پیٹ کے درد میں مبتلا ہوا۔ اپنے چچیرے بھائی ورنٹ کو ولی عہد بنایا لیکن اُس کینہ ور نے صرف چھ دن ہی کی حکومت میں غرور شباب اور حیوانی صفتوں کی وجہ سے راجا کی حکومت کے لئے پریشانیاں پیدا کر دیں اور راجا نے اُس کے اطوار سے بیزار ہو کر اُسے معزول کر دیا اور اپنے بیٹے سنگرام کو، جو بہت ہی کمسن تھا، اپنا ولی عہد مقرر کیا اور نو سال نو ماہ تک حکومت کر کے پروہ گپت کے ہاتھوں مسموم کر دیا گیا۔

۲۔ راجہ سنگرام دیو

سنہ ۱۰۱۵ (ب) میں حکومت کو پہنچا اور پرگنہ آڈون کے زمیندار پروہ گپت نے اس کی

حکومت پر خلل ڈال کے اُس کے وزیروں کو تباہ کر کے رکھ دیا اور سنگرام دیو کو خلوت میں پکڑ کے اس کے پیٹ پر پتھر باندھ کر دریا میں ڈبو دیا اور خود تخت حکومت پر بیٹھا۔ سنگرام دیو نے چھ مہینوں تک حکومت کی۔

۳۔ راجہ پروہ گپت

راجہ پروہ گپت نے راجہ سنگرام دیو کو مار ڈالنے کے بعد ۱۰۱۵ (ب) میں راجگی کا تاج سر پر رکھنے کے بعد رعایا پر ظلم وستم ڈھال کر ہر خاص و عام کو عذاب وعتاب کے شکنجے میں کس دیا۔ راجہ یشسکر کی رانی گوری دیوی کو، جو حسن و جمال میں بے نظیر تھی، شادی کا پیغام بھیج دیا۔ رانی نے جواب میں کہا کہ میرے شوہر کا بنوایا ہوا فلان جگہ پر مندر ابھی نامکمل پڑا ہے، جب آپ اسکی تعمیر کو مکمل کریں گے تو آپ بغیر کسی دشواری کے میری بزم وصال میں آکر عیش و کامرانی پائیں گے۔ پروہ گپت نے تھوڑے ہی عرصے میں مندر کی تکمیل کی اور رانی نے گران قیمت لباس پہن کر خود کو لکڑی کے جلتے ہوئے ڈھیر میں خاکستر کر ڈالا۔ پروہ گپت نے جب یہ خبر سنی تو اس کی حالت غیر ہوگئی اور فراق محبوب میں بیمار ہو گیا اور سریشور مندر میں راجہ سنگرام کی رُوح کو دیکھ کر مر گیا۔ کل ایک سال تین ماہ اور تین دن تک حکومت کی۔

۴۔ راجہ کھیمہ گپت

باپ کی وفات کے بعد ۱۰۱۶ (ب) میں تخت نشین ہوا۔ دن رات عیش و کامرانی،

شراب اور چنگ ورباب اور رعایا پر ظلم وستم کے مشاغل میں گذارنے لگا۔ نغمہ سازی اور قماربازی میں خزانے لٹادیئے اور اپنے ہم نشینوں کو عورتوں کے زیورولباس پہنا کران کے ساتھ وحشیوں کی سی بدمست اٹکھیلیاں کیا کرتا تھا۔ بگتوں اور فاحشہ عورتوں کو لاکھوں روپے انعام میں دے کران کی قدرومنزلت بڑھائی اور خوشامدیوں نے اُسے کنگن ورش یعنی سونا برسانے والا بادل کا خطاب دیا تھا۔ لہر کوٹ کے راجا ہیمہ شاہ کی بیٹی دیدارانی کے ساتھ بیاہ کر کے اسی کی محبت ودام اُلفت میں ہمیشہ گرفتار رہا اور پھلگن وزیر نے بھی اپنی بیٹی چندر لیکھا پیشکش کی۔ راجا نے بندگان خدا کو سخت تکلیفیں پہنچائیں اور اہل فضل وکمال کو ذلت و عذاب میں رکھا۔

قصہ: ایک دن بارہمولہ کے علاقے میں شکار کے لئے پہاڑ پر چڑھا تھا۔ وہاں ایک گیڈر کو دیکھا جس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے۔ اسے دیکھ کر راجا سخت ڈر گیا اور فوراً چیچک کے دانے بدن پر اُگ آنے کے نتیجے میں مر گیا۔ سات سال چھ ماہ اور گیاہ دنوں تک حکومت کی۔

۵۔ راجہ ابھی منیو

سنہ ۱۰۲۴ (ب) میں باپ کی جگہ پر بیٹھا اور اُس کی ماں دیدارانی اُمور سلطنت کی کفیل بن گئی۔ اس کے عہد میں شہر میں قہر الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی اور شہر کی اکثر عمارتیں جل گئیں۔ سلطنت کے امراء میں باہمی نزاع پڑ جانے کی وجہ سے ملک کے انتظام میں کلی طور پر رخنہ پیدا ہوا۔ پھلگن وزیر، جو شیریر مخالفوں میں سے تھا، پنوچھ کی طرف بھاگ گیا۔ دیدا

رانی نے اس کا پیچھا کیا اور بارہ مولہ میں فریقین میں سخت جنگ ہوئی۔ دیدا رانی نے پھلگن وزیر سے کہا کہ اگر میرا شوہر مر نہ گیا ہوتا تو تجھ میں بغاوت اور مقابلہ کرنے کی طاقت اور ہمت کہاں ہوتی۔ یہ بات سن کر پھلگن وزیر نے ہتھیار ڈال کر پنوچھ کے پہاڑوں میں پناہ لی۔ اس کے بعد مہمن نے فساد برپا کر کے پانپور کے ٹیلے پر بغاوت کا جھنڈا لہرایا اور نرواہن وزیر نے دادِ شجاعت دے کر باغیوں کو تہہ تیغ کر دیا اور مہمن کو جادو کے زور سے مار ڈالا گیا۔ اس کے بعد راجہ تھنگن بھاری فوج کے ہمراہ کشمیر کو فتح کرنے کے لئے وارد ہوا۔ سپہ سالار یشور نے رُستمانہ کارناموں سے اسے شکست دی اور سامان جنگ کی کثیر تعداد پر قابض ہو کر اسے رانی کے خزانے میں پہنچا دیا۔

آخر نزاع پیدا ہو جانے کے نتیجے میں سپہ سالار نے بغاوت کا پرچم بلند کیا اور نرواہن وزیر نے کافی جنگ وجدل کے بعد فرقہ شریر کو کشمیر سے نکال دیا۔ اس کے بعد رانی نے ہنگ وزیر کی بے حرمتی کر کے اسے اس قدر اذیت دی کہ اس نے خودکشی کی۔ رانی نے پنوچھ سے پھلگن وزیر کو بلوایا اور اُس کی فوجوں نے ملک کو تاراج کر کے شورش برپا کی۔ راجا ابھی منیو تیرہ سال اور دو ماہ تک حکومت کر کے دق کے مرض میں فوت ہوا۔ اس نے چونسٹھ مندر بسائے اور ابھی من پور کو یادگار چھوڑا اور سرینگر کے جلے ہوئے مکانوں کی مرمت کروائی۔

۶۔ راجہ نندہ گپت

راجہ ابھی مینو کا بیٹا راجہ نندہ گپت تخت نشین ہوا اور بوئی وزیر ملک کا ناظم بن گیا۔ دیدا

رانی دونوں پر نظر رکھتی تھی۔ کچھ عرصہ بعد دیدا رانی اس سے رنجیدہ خاطر ہوگئی اور اسے زہر دے کر مار ڈالا۔ اس کی حکومت ایک سال ایک ماہ اور نو دنوں تک رہی۔

۷۔ راجہ تر بھون گپت

نندہ گپت کے بھائی راجہ تر بھون گپت نے اپنی ماں کے فرمان سے ۱۰۳۸ھ (ب) میں حکمرانی کا تاج سر پر رکھا اور سال بعد اپنی بے رحم ماں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۸۔ راجہ بھیمہ گپت

تر بھون گپت کا بیٹا راجہ بھیمہ گپت ۱۰۴۰ھ (ب) میں دیدا رانی کے اہتمام سے تخت نشین ہوا۔ رانی خود اُمور مملکت کا انتظام کر رہی تھی۔ بوئی وزیر میں مخالفت کا خیال پا کر اُسے زہر دے کر مار ڈالا اور اس کی جگہ پر دیو کلش کو، جو اندرونی راز دار تھا، وزیر بنا دیا۔ رانی نے شاہی عزت و آبرو کو بالای طاق رکھ کر تنگ گوجر، جو پنوچھ سے آیا تھا، کے ساتھ شادی کر کے اُسی کی موافقت کے مسند پر آرام پایا۔ بھیمہ گپت جب شعور کی عمر کو پہنچا تو اُس نے نئے باپ کی اطاعت کرنے سے منہ توڑ لیا اور رانی نے اس کے افعال سے رنجیدہ ہو کر اسے قتل کر دیا۔ پانچ سال اور چار ماہ تک حکومت کی۔

۹۔ دیدارانی

۱۰۴۶ء(ب) میں حکمرانی کے تخت پر حکومت کا پرچم بلند کیا۔ ہمیشہ کے اُن وزیروں کو، جو اُس کی اطاعت اور اس کے فرمان سے سرپیچی کرتے تھے، زندان میں ڈال کر قتل کر کے رفع دفع کیا اور ٹنگ گوجر کو وزارت کی آزادی دے دی۔ ان ایام میں راجور کے راجا پرتھی پال نے بغاوت کی اور اس کی سرکوبی کے لئے ٹنگ وزیر کثیر لشکر اور سامان جنگ کے ہمراہ مامور ہوا۔ سخت جنگ وجدل کے بعد راجا مغلوب ہوا اور ٹنگ وزیر نے راجا کے خانمان کو برباد کر کے شہر میں آگ لگا دی اور راجا کو قید کر لیا۔ دیدارانی جہان فانی سے دل برداشتہ ہوگئی اور اس نے اپنے بھتیجے سنگرام راج کو ولی عہد بنایا اور اٹھارہ سال چار ماہ اور آٹھ دنوں تک حکومت کر کے فوت ہوئی۔

یہاں پر آٹھواں تخت ختم ہوا۔

نواں تخت

۱۔ راجہ سنگرام راج

اُودے راج کے بیٹے راجہ سنگرام راج نے ۱۰۶۴ سنہ (ب) میں راجگی کا تاج سر پر رکھا اور وزیر ٹونگ کو ملکی اختیارات دے دئے۔ عدل وانصاف اور بخشش وسخاوت سے خدا کے لوگوں کے دلوں کو خوش رکھا۔ پرسپور کے برہمنوں نے شورش کر کے بغاوت کا پرچم لہرایا اور بہت کشت وخون کے بعد مال وجان گنوایا۔

اسی عہد میں سال ۳۹۸ھ میں سلطان محمود غزنوی نے، آنند پال کی، جس نے ملتان کی فتح میں سرکشی سے کام لیا تھا، تنبیہ کرنے کے لئے لشکر کو اکٹھا کر کے لاہور پر حملہ کر دیا۔ آنند پال نے ہندوستان کے راجاؤں اور راجہ کشمیر سے مدد مانگی اور اس کے بموجب راجا سنگرام نے ایک جنگجو لشکر کو وزیر ٹونگ کی افسری کے تحت آنند پال کی مدد کے لئے بھیج دیا۔ پشاور کے میدان میں جب ساری فوجیں جمع ہوگئیں تو سلطان کے خلاف جنگ وجدالی اور کشت وقتال میں شور محشر برپا کیا۔

آخر آنند پال نے اپنی طرف سے وکیل بھیج کر صلح کر لی۔ آنند پال کی وفات کے بعد سلطان محمود نے پھر سے پنجاب پر قبضہ کرنے کے لئے دریای نیلاب کو عبور کر کے نندونہ کا محاصرہ کیا۔ ترلوچن پال نے، جو آنند پال کا بیٹھا تھا، خود میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا

کرا پنے تجربہ کار جنگجوؤں کو نندونہ قلعہ میں چھوڑتے ہوئے کشمیر کی راہ لی۔اور قلعہ نندونہ کو فتح کرنے کے بعد سلطان نے ترلوچن پال کے تعاقب میں کشمیر کی طرف نزول کرنے کے پرچم لہرائے اور سلطان کے تعاقب کرنے کی خبر پا کر ترلوچن پال کشتواڑ کی طرف بھاگ گیا اور سلطان کثیر لشکر اور فوج کے ہمراہ کشمیر میں داخل ہوا۔ ملا احمد لکھتا ہے کہ سنگرام راج، مقابلہ کرنے کی طاقت خود میں نہ دیکھ کر تحایف ونفایس کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔

سلطان نے فرمایا: کیوں خود کو ذلیل کیا؟ راجا نے جواب دیا: اہل اکرام مہمان کی خدمت وتواضع کو موجب افتخار اور اپنے لئے ترقی اعتبار کا باعث سمجھتے ہیں۔ سلطان محمود اس کی خوش کلامی سے محفوظ ہوا اور اسے گراں قیمت خلعتوں سے سرفراز کر کے کشمیر کی حکومت خراج شاہی کے مقرر کرنے کے بعد اُسے لوٹا دی۔ سلطان نے اس ملک کی سیاحت میں اکتیس روز گذار دئے اور بیج بہاڑہ و پرسپور وغیرہ مندروں کا سارا سونے چاندی کا سامان ضبط کر لیا اور ایک کثیر جماعت کو اسلام میں لانے کے بعد کوہ سلیمان کے مندر میں پیشین (ظہر) کے وقت داخل ہوا اور مؤذن نے دروازے پر کھڑے ہو کر اذان کہی۔ سلطان نے مندر کے اندر پیشین (ظہر) کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد سلطان نے راجا سنگرام کے بیٹے ہری راج کو اپنے ہمراہ لے کر راجور کے راستے سے مراجعت کی اور ایک مہینے تک لہر کوٹ قلعہ کا محاصرہ کیا۔ لیکن برف وباران کی کثرت کی وجہ سے محاصرہ اُٹھا کر غزنی چلا گیا۔ سال ۴۰۹ھ میں سلطان نے قنوج کو فتح کرنے کے لئے اپنے عزم کے گھوڑے کو دوڑا کر دریای سندھ کو پار کیا اور وہاں سے سیر وسرور اور آرام خاطر کے لئے کشمیر کا رُخ کیا۔ سنگرام راج شایان شان تحایف ونذرانوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوا اور پادشاہی الطاف و

عنایات سے نوازش پائی۔ ایک ماہ اور نو دنوں تک سیر و سیاحت اور کشمیر کا نظارہ دیکھنے کے بعد سلطان ہیرہ پور کی راہ سے لوٹ گیا اور راستے میں یارِوَن جنگل میں راموہ ریشیؒ کی ملاقات سے فیض یاب ہو کر ان سے التماس کی کہ قنوج کی فتح میں دُعا کر کے میری مدد فرمائیں۔ ریشیؒ نے فرمایا: قنوج کی فتح کے بعد سومنات کی فتح کی کنجی بھی آپ کو بخش دی گئی ہے۔ اور حسب الحکم راجا سنگرام قنوج تک شاہی فوج میں شامل تھا۔

خبرداری:

چونکہ اس عالی شان سلطان کی گفتگو درمیان میں آ گئی ہے، تاریخ نویسی کے عین موافق ہے کہ اس عالی مرتبہ بادشاہ کے حالات کو دیکھنے والوں کی تفریح خاطر کے لئے درج کیا جائے۔ واللہ الموفق والمعین۔

ہندوستان کے ممالک پر سلطان محمود غزنوی کا تسلط اور کشمیر میں اُس کی آمد

ہندوستان کے مورخین لکھتے ہیں کہ سلطان محمود بن امیر ناصر الدین سبکتگین نو شیروان کی اولاد میں سے تھا، جس کی حکمرانی اور ملک گیری کی شہرت قاف تا قاف مشہور ہے اور جس نے اجتہاد کی برکتوں سے غزا کے معاملات میں اسلام کا پرچم بلند کیا۔ باپ کی وفات کے وقت نیشاپور میں تھا اور باپ کی وصیت کے بموجب اُس کا بھائی میرزا اسماعیل قبۃ الاسلام بلخ میں تخت پر بیٹھا اور اس نے اپنے بڑے بھائی سلطان محمود کو باپ کے ترکہ سے محروم کر دیا اور پند و نصائح کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

آخر سلطان محمود ایک بھاری لشکر کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا اور شدید جنگ و جدل کے بعد اپنے بھائی کو گرفتار اور قید کر کے قبۃ الاسلام بلخ میں باپ کی سلطنت کے تخت پر بیٹھا۔ بکتوزن، جو خراسان میں امیر الامراء تھا، نے سرکشی کی اور سلطان نے حرب وضرب سے اسے خراسان سے باہر نکال دیا اور خود بلخ اور خراسان کی حکومت کی طرف متوجہ رہا۔ جب اُسکی حکومت کا دبدبہ اطراف میں پہنچا تو خلیفہ بغداد القادر باللہ عباسی نے گران بہا خلعت اور امین الملّتہ و معین الدوّلہ کا خطاب بھیجا۔ ۳۹۰ھ میں ہندوستان کا رُخ کیا اور کئی قلعے فتح کر لئے۔ سال ۳۹۱ھ میں سلطان نے دوسری بار ہندوستان کی طرف توجہ کی اور دس ہزار سوار فوج لے کر پشاور میں آیا۔ لاہور کے حکمران جے پال نے بارہ ہزار سوار،

تیس ہزار پیادہ اور تین سو ہاتھیوں کی قطار کے ہمراہ سلطان کے خلاف صفیں ترتیب دیں۔ سخت کشت وخون کے بعد جے پال اپنے سولہ بیٹوں اور رشتہ داروں کے سمیت گرفتار ہوا اور پانچ ہزار ہندو قتل ہوئے اور کافی مال غنیمت سلطان کے ہاتھ آیا۔ اس مال غنیمت میں مروارید کے سولہ ہار، جو قیدیوں کی گردنوں میں لٹکے ہوئے تھے، بھی سلطان کے ہاتھ لگے جن میں سے ہر ایک ہار کی قیمت ایک سو اسی ہزار دینار تھی۔ سلطان محمود پشاور سے کلندہ قلعہ کی طرف روانہ ہوا اور اسے فتح کرلیا۔ اپنے اُوپر باج وخراج قبول کرنے کے بعد جے پال نے قیدیوں کی جماعت کے ساتھ قید سے رہائی پائی اور افغانوں کا قلع قمع کر کے سلطان غزنی چلا گیا۔

اور تیسری بار سال ۳۹۷ھ میں ہندوستان کی ہوا پھر اس کے سر میں داخل ہوئی اور بھاطنہ، جو ملتان کے علاقہ میں ہے، کی طرف روانہ ہوا۔ راجا بجراو لشکر اور ہاتھیوں کو لے کر مقابلے میں آیا اور تین دن تک عظیم جنگ ہوئی۔ سلطان محمود نے اپنی فوج میں سستی پا کر روئے نیاز زمین پر رکھا اور معبودِ حیّ وقیوم سے عاجزی وانکساری کے ساتھ مدد طلب کی۔ چوتھے روز خود جنگ کو نکلا۔ بجراو بھاگ گیا اور جب دشمن کو تعاقب کرتے دیکھا تو خود ہی اپنے ہاتھ سے خود کو مار ڈالا۔ سلطان نے اس کے ملک پر قبضہ کیا اور واپس غزنی چلا گیا۔

اور سال ۳۹۶ھ میں ملتان کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ ملتان کے والئی ابوالفتح نے جے پال کے بیٹے آنند پال کے ہمراہ سلطان کے خلاف جنگ کرنے پر سبقت کی اور آنند پال پشاور میں سلطان کے خلاف جنگ کرنے میں مغلوب ہو کر سیالکوٹ میں پہنچا۔ سلطان نے اسکے تعاقب میں تیزی سے کام لے کر دریائے چناب کے کنارے سوردہ نامی جگہ پر قیام کیا۔ آنند پال کشمیر کی طرف فرار کر گیا۔ سلطان نے اس کا پیچھا نہ کرتے ہوئے ملتان پر

حملہ کر دیا اور سات دن تک ابوالفتح کو محاصرے میں رکھا۔ آخر ابوالفتح نے صلح کے دروازے کھول دئے اور طلای احمر کے بیس ہزار دنیار شاہی خراج کے طور پر دینے منظور کر لئے۔ اس کے بعد سلطان واپس غزلی چلا گیا۔ ملتان کے محاصرے کے ایام میں بخارا کا حکمران ایلک خان، جو پہلے سلطان کے دوستوں میں سے تھا، اب دشمنی پر اتر آ کے بغاوت کا پرچم لہراتے ہوئے خراسان کو مسخر کرنے کی طرف بڑھا۔ سلطان محمود جب غزنی پہنچا تو اس نے ایک باشکوہ لشکر اور خدم وحشم کا ایک ہجوم جمع کر کے بلخ کا رُخ کیا۔ ادھر سے ایلک خان نے دریائے جیحون کو پار کر لیا اور دونوں لشکر بیتاب پارے کے دو سمندروں کی مانند ایک دوسرے کے رُوبرو آ کر حملہ کرنے لگے۔ سلطان محمود نے اپنی جبین نیاز زمین پر رگڑتے ہوئے خالق کائینات سے مدد چاہی اور پھر ہیبت ناک ہاتھی پر سوار ہو کر دھاڑتے ہوئے شیر کی مانند دشمنوں کی صف میں گھس کر ایک ہی حملے سے سب کو تتر بتر کر دیا۔ اس کو دیکھ کر غازیوں نے بھی یکبار حملہ کر کے ترکوں کا صفایا کر دیا۔ ایلک خان اور قدر خان ہزار حیلے بہانوں سے جان بچا کر ایسے بھاگ نکلے کر اپنے ممالک تک لگام نہ روکی اور سلطان ظفر یاب اور فتح مند ہو کر غزنی کی طرف لوٹ گیا۔

اور اسی رات خبر آئی کہ ایسار مُرتد ہو کر اپنے مذہب میں لوٹ آیا ہے اور اُس نے سلطان کے کارکنوں کو ملک سے باہر نکال دیا ہے۔ تب صبح سویرے سلطان نے عزم کی باگ ہندوستان کی طرف پھیر دی اور اُن امیروں نے جن کی ہندوستان میں زمینیں تھیں پہلے ہی تیزی کے ساتھ جا کر ایسار کو گرفتار کر کے درگاہ سلطانی میں پیش کیا۔ سلطان نے اس سے چار سو ہزار درم لے کر قید کر دیا اور لگام پھیر کر غزنی لوٹ آیا۔

اور سال ۳۹۸ھ میں آنند پال کو ادب سکھانے کے ارادے سے، جس نے ملتان

کو فتح کرنے کے دوران سرکسی سے کام لیا تھا، سلطان نے ایک لشکر اکھٹی کرلی اور لاہور کی جانب بڑھا۔ بے حال ہو کر آنند پال نے اُجین، گوالیار، کالیجر، قنوج، دہلی، اجمیر اور کشمیر کے راجاؤں سے مدد لے کر پشاور کے صحرا میں قیامت کا سامان پیدا کیا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے میں اتنی کوشش کی کہ ہندو عورتوں نے اپنے زیورات بیچ کر اپنے شوہروں کی مدد کرنے کے لئے بھیج دئے۔ پہلے ہی حملے میں گھکر قوم کے تیس ہزار آدمی سلطان کی فوج میں گھس گئے اور انہوں نے چار ہزار غازیوں کو تلوار کی کاٹ کی نذر کر ڈالا۔ نزدیک تھا کہ سلطان مغلوب ہو جاتا کہ اچانک آنند پال کا ہاتھی جنگ کے شوروغوغا اور تیرو خدنگ کی صداؤں سے سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلا اور اطراف کے فوجیوں نے اسے ہندوستانی راجاؤں کے فرار کر جانے کے معنی جان کر شکست کی راہ لی۔ عبداللہ طائی اور ارسلان جاذب نے فرار کرنے والوں کا آٹھ ہزار سوار سپاہیوں کے ہمراہ تعاقب کرتے ہوئے، ان کے آٹھ ہزار فوجیوں کو قتل کر دیا اور مال غنیمت میں تیس ہاتھی اور کثیر مال و جائیداد پایا۔

آنند پال نے بالآخر وکیل بھیج کر شاہی خراج قبول کر کے سلطان سے صلح کی اور تب سلطان فتح مند اور ظفریاب ہو کر قلعہ نگر کوٹ کی طرف روانہ ہوا، جو ہندوستان کے عجائب قلعوں میں سے تھا۔ یہ قلعہ راجا بھیم کے زمانے سے ایک پہاڑ کی چوٹی پر آباد تھا اور ہندوستان کے لوگ اسے بتوں کا خزانہ جانتے تھے اور اطراف کے راجے ہیرے جواہرات ، نقد جنس اور نفائس و تحایف کے اعلیٰ اقسام یہاں بھیجتے رہتے تھے اور اس عمل کو خدا کی بارگاہ میں تقرب پانے کا ایک وسیلہ مانتے تھے۔ اس لئے اس قلعہ میں سونے، چاندی، ہیرے ، جواہرات اور موتیوں اور مرجان کے قارونی خزانے جمع ہو گئے تھے۔ سلطان نے جب اس کا محاصرہ کیا تو قلعہ والے چونکہ سب کے سب برہمن اور بتوں کے خدمت گذار تھے ،

انہوں نے اپنے اندر جنگ وجدال کرنے کی طاقت نہ دیکھ کر تیسرے دن قلعہ کا دروازہ کھول کے خزانوں اور زمین دوز دفینوں کی چابیاں سلطان کے پاؤں پر رکھ دیں۔ سلطان اپنے چند خاص آدمیوں کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوا اور سات لاکھ دینار سرخ، سونے اور چاندی کے ساٹھ سومن آلات، خالص سونے کے دوسومن، خام چاندی کے دو ہزار من اور جواہرات کے مختلف اقسام کے بیس من، جو راجا بھیم دیو کے زمانے سے وہاں جمع ہوئے تھے، درباریوں کے قبضے میں آ گئے اور اس کے بعد سلطان غزنی کی طرف لوٹ گیا۔

اور سال ۴۰۱ھ میں سلطان نے غور کی جانب لشکر کشی کی۔ وہاں کے حکمران محمد بن سوری نے جنگ کا پرچم لہرایا اور اسکی فوج کی تباہی ہوئی اور وہ خود غازیوں کے ہاتھوں اسیر ہوا۔ آخر زہر آلود نگینہ چوس کر مر گیا اور وہ ملک سلطان کے تصرف میں آ گیا۔ اسی سال سلطان غزنی سے ملتان آ پہنچا اور ملتان کے قلعہ کو جبر وقہر کے ساتھ مسخر کر کے وہاں ملحدوں اور قرامطیوں کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا۔ داور بن نصیر کو زندہ ہی اسیر کر کے غور کے زندان خانے میں ڈال دیا۔ اور سال ۴۰۲ھ میں سلطان کو پھر ہندوستان کی سیر کرنے کی ہوس دل میں پیدا ہوئی اور ایک بھاری لشکر کے ہمراہ تھانسیر کی طرف چل پڑا۔ تھانسیر ہندوؤں کی ایک بڑی عبادت گاہ تھی، بلاتشبیہ مکہ معظّمہ کی طرح۔ اور وہاں ایک مندر تھا جس میں قدیم زمانے سے ہندوؤں نے بہت سے بتوں کو اکٹھا کر کے رکھ دیا تھا۔ بڑے بت کو جگ سوم کہتے تھے اور ہندوؤں کے خیال میں اسکی پیدائش کائنات کی پیدائش کی ابتداء کے زمانے میں ہوئی تھی۔ دریائے نیلاب کو جب سلطان نے پار کیا آنند پال نے عہد و پیمان کی رعایت کرتے ہوئے، جو دونوں کے درمیان ہو چکا تھا، مناسب وشائستہ خدمات بجالا کر شاہی فوجوں کو عزت وتواضع کے ساتھ اپنے ملک سے گزار دیا اور دہلی کے راجا نے

ہندوستان کے تمام راجاؤں سے مدد طلب کی اور وہ سب اپنے لشکروں کے ساتھ دہلی پہنچ گئے۔ لیکن ان کے جمع ہو جانے سے پہلے ہی سلطان محمود تھانسیر میں داخل ہوا اور شہر کو خالی پاکر اس نے مندروں کو غارت کر کے بتوں کو توڑ ڈالا اور جگ سوم بت کو غزنی میں بھیج کر وہاں راہ میں ایک سیڑھی کی جگہ کے عوض رکھ دیا گیا۔ اور مندروں میں سے اتنے خزانے باہر نکال دئے گئے کہ ان کا شمار نہ تھا۔ ایک مندر سے یاقوت احمر ملا جس کا وزن چار سو پچاس مثقال تھا۔ تھانسیر کے بت خانوں کو تاراج کر کے سلطان غزنی کی طرف لوٹ گیا۔

سال ۴۰۳ھ میں ارسلان جاذب نے غُرجستان کو فتح کیا اور وہاں کے حکمران شاہ سارا ابونصر کو گرفتار کر کے غزنی لے آیا۔ اور اسی سال خراسان کے بعض شہروں کو، جو خلیفہ بغداد کے تصرف میں تھے، چھین لیا۔ سال ۴۰۴ھ میں سلطان نے پنجاب کا رُخ کیا اور نندونہ قلعہ کو محاصرہ میں لے لیا۔ اس وقت آنند پال کا بیٹا ترلوچن پال لاہور کا حکمران تھا۔ چونکہ اُس میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں تھی، اس لئے اُس نے قلعہ نندونہ میں تجربہ کار مردان جنگی کو چھوڑ کر وہ مدد مانگنے کے لئے کشمیر کے راجا کے پاس پہنچا۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کیا اور نقب زنی اور قلعہ کشائی کے ہتھیاروں کے استعمال سے اہل قلعہ کو عاجز کر دیا۔ بالآخر قلعہ کو فتح کر کے وہاں سے مال و متاع اُٹھا کر قلعہ کو ایک صاحب اعتماد آدمی کے حوالے کیا اور خود ترلوچن پال کے تعاقب میں کشمیر میں اپنی شوکت و عظمت کا پرچم بلند کیا۔ جب راجور کی راہ سے فتح مند فوجی سوار خطہ کشمیر پر سایہ انداز ہوتے تو وہاں کے راجا نے خوش بختی سے استقبال کر کے عجیب و غریب ہدایا اور تحایف سلطان کی خدمت میں پیش کئے۔ سلطان نے اس پر اپنی عنایتوں کے دروازے کھول دئے اور شاہی خراج معمول کے مطابق مقرر کر کے اسے اپنی مملکت پر قائم رکھا۔ ترلوچن پال کسی اور طرف کو بھاگ گیا۔

سلطان نے وادی کشمیر سے بے شمار مال غنیمت حاصل کیا اور ایک کثیر جماعت کو دین اسلام سے آشنا کر کے ایک مہینے تک کشمیر کی سیر کرنے کے بعد غزنی چلا آیا۔

ان ہی ایام میں دریای نیلاب کا پانی پہاڑ کے ایک حصے کے لڑھک جانے کی وجہ سے رُک گیا تھا۔ جب سلطان کی سواری دریای سندھ کے کنارے پہنچی تو دریای نیلاب میں طغیانی آ گئی اور شہر تباہ ہو گئے۔ بلکہ شاہی فوج بھی تباہی سے نہ بچی لیکن خیر گذری۔ سال ۴۰۷ھ میں بدمعاشوں کی ایک جماعت نے خوارزم شاہ پر جو سلطان کا بہنوئی تھا، حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان خوارزم کی طرف روانہ ہوا اور وہاں خوارزم شاہ کے قاتلوں کو تہ تیغ کر دیا اور خوارزم کا ملک امیر التون تاش کو بخش دیا۔ وہاں سے بلخ میں آ کر جاڑے کا موسم بُست میں گذارا اور سال ۴۰۹ھ میں موسم بہار کے اوائل میں ایک لاکھ چیدہ سواروں اور ترکستان وغیرہ علاقوں کے بیس ہزار غازیوں کے ہمراہ قنوج کے ملک کو مسخر کرنے کے لئے روانہ ہوا اور دریای نیلاب کو پار کر کے کشمیر کی سیر کرنے کی خواہش ہوئی۔ وہاں کا راجا گران قیمت تحایف خدمت میں پیش کر کے پادشاہی نوازشات سے مفتخر ہوا۔ انتالیس دنوں تک کشمیر کا نظارہ اور سیر کرنے کے بعد سلطان راجور کے راستے سے لوٹ آیا اور حکم کے مطابق راجہ سنگرام دیو فتح مند لشکر کی اگلی صف میں ساتھ ساتھ رہا۔ جب فوج سمندر موج قنوج میں پہنچی تو وہاں کا راجا کورہ، سلطان کے فوجوں کی کثرت اور ان کی جاہ و شوکت کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اُس کی ہمت کے پر بیٹھ گئے اور اطاعت گذاری کا طوق گردن میں ڈال کر عنایات سلطانی کا مرہون عطوفت و کرم ہوا اور قنوج کا ملک بھی اسے لوٹا دیا گیا۔ تین دنوں کے بعد سلطان میرہٹہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں کا راجا ہردت قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور قلعہ والوں نے دو لاکھ پچاس ہزار روپے اور تیس ہاتھی پیشکش کر کے امان پائی۔

اس کے بعد مہاون قلعہ پر چڑھائی کی جو دیای جون کے کنارے پر واقع ہے۔ وہاں کے راجا گل چند نے اپنی بیوی اور بیٹوں کو قتل کر کے خود اپنے سینے میں بھی غیرت کا خنجر اُتار دیا اور سلطان کے امرا کے ہاتھ پہاڑ مانند حشمت والے اسی ہاتھی اور مال و جائیداد کے انبار لگے۔ وہاں سے متھرا کا رُخ کیا اور غیر کی کسی مداخلت کے بغیر ہی اس ملک کو غارت کیا اور بہت سے بتکدوں کو توڑ کر اور نذر آتش کر کے بے شمار مال و دولت پائی۔ اس میں خالص سونے کے وہ پانچ بت بھی پائے ہیں جن کے کاسۂ چشم میں آنکھوں کی جگہ یاقوت بھر دئے گئے تھے اور جن کی مجموعی قیمت پچاس ہزار دینار تھی۔ ایک بت کے کاسۂ چشم میں نیلے رنگ کا یاقوت رکھ دیا گیا تھا جس کا وزن چار سو مثقال تھا۔ جب اس بت کو توڑ ڈالا گیا تو اس سے تین من مثقال سونا حاصل ہوا۔ اور چھوٹے بڑے چاندی کے بتوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ تھی۔ جب انہیں توڑا گیا تو ایک سو اُونٹوں کے بوجھ کے برابر ہو گئے۔ اس کے بعد عمارتیں جلا ڈالی گئیں اور بیس دنوں کے بعد وہاں سے کوچ کیا۔ پھر دریا کے کنارے پر ایک مضبوط قلعہ نظر آیا جو دہلی کے راجا کے تصرف میں تھا اور وہاں کا راجا سلطان کی ہیبت سے باگ نکلا اور سلطان قلعہ کے اندر داخل ہوا۔ وہاں چند قدیم بت خانے دیکھے، جن کی تعمیر چار ہزار سال پہلے کی تھی۔ سلطان نے ان بتکدوں سے مال و متاع نکال کر قلعہ منج کا رُخ کیا اور پندرہ دنوں تک محاصرہ کیا۔ اہل قلعہ عاجز آ گئے اور ان میں سے بعضوں نے خود کو قلعہ سے گرا دیا اور بعضوں نے خود کو زن و فرزند سمیت نذر آتش کر دیا اور بعضوں نے قلعہ کا دروازہ کھول کر اس قدر جنگ کی کہ وہ سب کے سب قتل ہو گئے۔ قلعہ کے مال غنیمت کو سمیٹنے کے بعد سلطان چند پال کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں قلعہ کے لوگ مال و متاع کو ساتھ لے کر پہاڑوں کی طرف جا کر چھپ گئے۔ سلطان نے بقیہ مال کو اپنے تصرف میں لا کر قلعہ کے غلہ

کے ذخیروں کو اپنے سپاہیوں میں تقسیم کیا۔ وہاں سے چندرای راجا پر حملہ آور ہوا، جو بڑا مغرور اور خود بین راجا تھا۔ اس نے بھی چندپال کی پیروی میں پہاڑوں میں خود کو چھپا دیا۔

کہتے ہیں چندرای کے پاس ایک عجیب قسم کا بے مثال ہاتھی تھا۔ سلطان نے کئی بار بھاری رقم دے کر راجا سے اس ہاتھی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ صبح کے وقت یہ پہاڑ جیسا جسم رکھنے والا ہاتھی بغیر فیلبان کے لشکر میں داخل ہو کر سلطان کے شاہی خیمہ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے اس کے آنے پر خوشیاں منائیں اور ہاتھی کا نام خداداد رکھا اور سلطان بہت سے شہروں اور مقامات کو فتح کر کے فتح مندی وظفریابی کے ساتھ غزنی کی طرف لوٹ گیا۔ جب ان اموال غنیمت کا شمار کیا گیا تو بیس ہزار ہزار دینار اور ہزار ہزار درم کی رقم تھی جس کے علاوہ پچاس ہزار غلام، تین سو پچاس ہاتھی اور دوسرے نفائس تھے۔ نفائس چیزوں میں سے قمری کی صورت کا ایک پرندہ تھا کہ اگر مجلس میں کوئی زہر آلود غذا آ جاتی تو یہ پرندہ بے چین ہو کر آنسو بہانے لگ جاتا تھا۔ نیز ایک پتھر بھی پالیا تھا جس کے مل دینے پر زخم عظیم فوراً بھر جاتا تھا۔

اسی سال غزنی میں جامع مسجد کی تعمیر ہوئی۔ مسجد کی اصل عمارت چوکور اور چھ اور آٹھ کونے والے گول مرمر اور خام پتھروں کی بنائی گئی کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے تھے۔

۴۱۲ھ میں سلطان نے سنا کہ ہندوستان کے راجاؤں نے سلطان کی اطاعت گذاری کرنے پر قنوج کے راجا کی ملامت کی اور کالیجر کے نگہبان راجا نندا نے راجا کور پر چڑھائی کر کے اُسے قتل کر دیا۔ یہ خبر سن کر سلطان کے قہر کی آگ بھڑک اُٹھی اور وہ لشکر و سامان جنگ کے ہمراہ ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ جب دریای جون کے کنارے پہنچا تو پنجاب کا راجا ترلوچن پال جو کئی بار سلطان کے پاس سے بھاگ نکلا تھا، اب راجا نندا کی مدد

ومعاونت کرنے کے لئے بھاری فوج لے کر سلطان کے راستے میں آ گیا۔ چونکہ قہر ڈھانے والا دریا مانع تھا، اس لئے لشکر کے دلاوروں میں سے کوئی بھی دریا کو پار نہ کر سکا۔ سلطان نے اپنے خاص آٹھ غلاموں کے ہمراہ دریا کو عبور کر ہی ڈالا اور اس کے طفیل سات غلاموں کے تابعین بھی دریا کے پار اُتر آئے اور ترلوچن پال کی فوج کو توڑ کے رکھ دیا۔ ترلوچن کو چند آدمیوں کے ساتھ شکست ہوئی اور غلام نزدیکی شہر میں داخل ہو کر اسے غارت کیا۔ وہاں سے سلطان نے نندا کے ملک کا رُخ کیا۔ راجا نندا نے چھتیس ہزار سوار، پنتالیس ہزار پیادہ فوج اور تین سو چالیس ہاتھیوں سے سلطان کے مقابلے میں آ کر جنگ کا ارادہ کیا۔ سلطان نے اس کی اس جمعیت کو دیکھ کر خدای عالم پناہ سے عجز وزاری کی اور اس حملے کی کیفیت سے نہایت غمزدہ ہوا۔ جب رات آئی تو نندا کے دل میں سخت خوف پیدا ہوا اور سارا سامان چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کی۔ سلطان اس کے تعاقب میں دوڑا اور غارت کر کے پہاڑوں پہاڑوں مال غنیمت غازیوں کے ہاتھ لگا۔ اس میں ایک ہی جنگل سے پانچ سو اسی ہاتھی بھی پائے۔ چونکہ پنجاب کے ساتھ تعلق خاطر نہ تھا، اس لئے اسی پر اکتفا کر کے غزنی لوٹ گیا۔

اور اسی سال قیرات اور ناردین کے ممالک، جو ہندوستان کی سرحد کے ممالک میں سے ہیں، فتح کر لئے اور وہاں کے باشندوں کو دین اسلام میں لے آیا۔ کہتے ہیں ناردین میں ایک گھسا ہوا نقش دار پتھر پایا جو چالیس ہزار سال پرانا تھا۔

اور سال ۴۱۳ھ میں سلطان نے کشمیر کی سیر کرنے کا ارادہ کیا۔ راستے میں لوہر کوٹ قلعہ کا محاصرہ کیا اور اس کے محاصرہ کے لوازمات میں ایک ماہ کا عرصہ صرف کیا۔ چونکہ اس قلعہ کی مضبوطی سخت سے سخت تر تھی، اس لئے اسکی تسخیر نہ ہو پائی۔ وہاں سے واپسی کا پرچم لہراتے ہوئے لاہور کے شہر آسایش میں پڑاؤ ڈال دیا۔ مقابلے کی تاب خود میں نہ پا کر

ترلوچن پال نے بھاگ کر اجمیر کے راجا کے پاس پناہ لی۔ سلطان نے شہر لاہور پر قبضہ کر کے اسے اپنے صاحب اعتماد آدمیوں کے سپرد کر دیا اور پنجاب کے اطراف کو غارت کر کے خطبہ وسکہ جاری کرنے کے اقدامات کئے اور بہار کے اوایل میں غزنی چلا گیا۔

اور سال ۴۱۴ھ میں لاہور کی راہ سے پھر راجا نندا کے ملک کا قصد کیا۔ جب گوالیار کے قلعہ کے پاس پہنچا تو چار روز تک قلعہ کو محاصرہ میں گھیر لیا۔ قلعہ والوں نے پنتیس ہاتھی پیش کش کر کے صلح کر لی۔ وہاں سے سلطان کالنجر گیا اور اسے نرغے میں لے لیا۔ راجا نندا نے تین سو ہاتھیوں کی تعداد اپنے ذمہ لے کر صلح کی درخواست کی جسے سلطان نے قبول فرمایا۔ آزمایش کرنے کے ارادے سے راجا نندا نے فیل بانوں کے بغیر تین سو ہاتھی صحرا میں ہانک دئے۔ ترکوں نے سب پر تصرف کر کے ان پر سواری کی اور اہل قلعہ دنگ رہ گئے۔ پھر اس کے بعد راجا نندا نے ہندی زبان میں سلطان کی مدح میں شعر کہہ کر اس کی خدمت میں بھیج دیا۔ سلطان نہایت دلخوش ہوا اور اس کے عوض اس کے نام پندرہ قلعوں کی سند حکومت بخش دی۔ راجا نندا نے اس کے بدلے میں ہیرے، جواہرات اور عمدہ ترین اشیاء سلطان کی خدمت میں بھیج دئے اور سلطان اس کے ملک کو چھوڑ کر غزنی چلا گیا۔

اور سال ۴۱۵ھ میں ماوراء النہر کے لوگوں نے علی تکین کے ظلم کے خلاف فریاد کی۔ سلطان نے اسے ہٹانے کے لئے دریای جیحون کو پار کیا۔ ماوراء لنہر کے روسا نے نذرانے پیش کئے اور ترکستان کے بادشاہ یوسف قدر خان نے تحایف و ہدایات کے ساتھ خدمت کی۔ علی تکین خبر سنتے ہی بھاگ گیا۔ آخر گرفتار ہوا اور محبوس۔

اور اسی سال سلطان نے سومنات جانے کا خیال کیا اور شعبان کی دسویں تاریخ کو لشکر کے خاص پچپن ہزار سپاہیوں اور جہاد کرنے والے غازیوں کی جماعت کے ساتھ، جو

تنخواہ لئے بغیر رکاب میں رہتے تھے، سومنات کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب ملتان کے شہر میں پہنچا تو سامنے ایک صحرا تھا جس میں نہ کوئی پانی تھا اور نہ ہی چارہ۔ حکم دیا کہ ہر کوئی چند دنوں کے لئے پانی اور چارہ ساتھ اٹھائے۔ سلطان کے خاص مصرف کے لئے آٹھ ہزار اُونٹوں پر پانی اور چارہ کا بوجھ لاد دیا گیا۔ جب اس خونخوار بایان سے گذر گیا تو قلعہ اجمیر کو غارت کر کے آگے کی مسافت طے کرنے لگا۔ راستے میں کئی قلعے جنگ کئے بغیر ہاتھ لگے جو سلطان کے امراء کے تصرف میں آگئے۔ گجرات کے شہر پٹن سے چارہ و پانی ساتھ اُٹھا کر سومنات پہنچا اور ساحل دریا پر ایک قلعہ دیکھا جس کا سر آسمان تک گیا تھا اور سمندر کا پانی اسکی فصیل تک پہنچ چکا تھا اور بے شمار برہمن دیوار پر باہر نکل کر فوجوں کا تماشا دیکھنے میں مشغول تھے اور کہہ رہے تھے کہ سومنات نے تم لوگوں کو یہاں ہلاک کرنے کے لئے بلایا ہے۔ دوسرے دن شجاعت صفت لشکر اس مستحکم قلعے کے نیچے آ کر سیڑھیاں لگاتے ہوئے قلعہ کی فصیل کے اُوپر چڑھ آئی اور ہندوؤں نے اس کو بھگانے کی کوشش کی اور شام ہونے تک جنگ جاری رہی۔ تیسرے روز ہندوستان کے اطراف کے راجے جمع ہوگئے اور صفتیں ترتیب دیں اور جنگ وجدل کی آگ ایسی بھڑکی کہ آسمان کا جگر بھی لڑنے والوں کا حال دیکھ کر جل اٹھتا تھا۔ نصف روز کے قریب پرم دیو اور دابشلیم کی فوجوں کے غلبہ کرنے کے بموجب اسلامی لشکر میں سستی دکھائی دی۔ سلطان محمود مضطرب ہو کر ایک گوشے میں چلا اور حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ (۱) کے خرقہ مبارک کو ہاتھ میں پکڑ کے خدای اور کارساز جل جلالہ کی درگاہ میں روئے نیاز زمین پر رکھ کر رو دیا اور اس بزرگوار قدس سترہ کے خرقہ شریف کی وسالت سے قلعہ کی فتح درگاہ الٰہی سے درخواست کی۔ اسی حالت میں غازیوں نے حملہ کر کے ایک ہی لمحے میں پانچ ہزار ہندوؤں کو قتل کر ڈالا۔ اچانک قلعہ والوں پر رعب و ہراس چھا گیا اور

جنگ کرنے سے پیچھے ہٹ گئے۔ سومنات کے قریب چار ہزار پجاری اور برہمن کشتیوں میں سوار ہوکر بھاگ گئے اور سلطان کی فوج ان کے راستے میں آگئی اور ان میں سے اکثر گرداب فنا میں غرق ہو گئے۔ اس کے بعد سلطان اپنے درباری امراء کے ہمراہ قلعہ میں داخل ہوا اور وہاں کی عمارتوں کو دیکھا اور پھر قلعہ میں بت خانے میں آیا اور بت خانہ دیکھا جو طویل و عریض تھا اور جس کی اندرونی چھت چھپن سنگین ستونوں پر قائم تھی۔ سومنات کا بت دیکھا جو پتھر سے تراشا گیا تھا اور پانچ گز لمبا تھا۔ گرزہ کی ضرب سے سلطان نے اس کا چہرہ توڑ دیا اور پھر اس کے جسم کے چار ٹکڑے کئے گئے جن میں سے دو ٹکڑے غزنی لے جائے گئے ہیں، جہاں ان کو مسجد جامع کی دہلیز پر اور سلطنت کے شاہی دربار کے باہر زینے کے طور پر رکھ دیا گیا اور باقی دو ٹکڑوں کو مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ بھیج دیا گیا۔

گہ او دیر بگرفت وشد سجدہ گاہ   گہ او کعبہ پذرفت و شد قبلہ گاہ

گہی مسجد فگندو بتخانہ بست   گہی کعبہ آراست بت برشکست

تماشاہی اُو گہ چنان گہ چنین   نہد تہمت فعل بر آن و این

(کبھی اس نے دیر پکڑا تو وہ سجدہ گاہ بنا۔ کبھی کعبہ قبول کیا اور وہ قبلہ گاہ ہو گیا۔ کبھی مسجد کی بنیاد ڈالی اور بت خانہ بند کر دیا۔ کبھی کعبہ کو آراستہ کیا اور بت توڑ دیا۔ اس کے تماشے کبھی یوں ہیں اور کبھی یوں۔ اور اس عمل کی تہمت اُس پر ڈالتا ہے اور اس پر)

سلطان محمود نے جب سومنات کو توڑ ڈالنے کا ارادہ کیا تو برہمنوں کے ایک گروہ نے سلطان کے مقرب امراء کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر سلطان سومنات کو توڑ ڈالنے سے باز رہیں گے تو اس کے بدلے میں ہم اتنی رقمیں پیش کریں گے۔ ارکان سلطنت نے یہ بات سلطان کے کانوں تک پہنچائی۔ سلطان نے فرمایا: اگر میں یہ کام کروں گا تو مجھے محمود بت

فروش کہا جائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ لوگ مجھے محمود بت شکن کہیں۔ اس کے بعد سومنات کو توڑ دیا گیا اور اسکے شکم میں سے جو خاصا گہرا بنایا گیا تھا اتنے درخشان لعل و جواہر اور شاہوار موتی نکلے جن کی قیمت برہمنوں کی مجوزہ رقموں سے سینکڑوں کے برابر تھی۔ سومنات کے مندر میں سورج اور چاند گرھن کے مواقع پر تین لاکھ لوگوں سے بھی زیادہ بھیڑ جمع ہوتی تھی اور دُور ممالک سے لوگ نذر و نیاز لے کر آیا کرتے تھے۔ ہندوستان کے راجاؤں نے اس مندر کے لئے دو ہزار گاؤں وقف کر دئے تھے اور دو ہزار برہمن ہمیشہ سومنات کی پوجا کرنے میں مشغول رہا کرتے تھے اور ہر روز اسے گنگا کے پانی سے نہلاتے تھے۔ گھڑیال بجانے کی زنجیر طلای احمر کی تھی، جس کا وزن دو سو من تھا اور پانچ سو گانے والی عورتیں اور رقاصائیں اور تین سو مرد ساز ندے اس بت کی ملازمت میں رات دن حاضر رہتے تھے۔ اسی طرح زائرین کی داڑھیوں کی اصلاح کرنے اور سر منڈ وانے کے لئے تین سو آدمی موجود رہتے تھے۔ اکثر راجا لوگ اپنی بیٹیوں کو بھی نذر کرتے تھے۔ مندر کی روشنی رات کو شب چراغ ہیروں سے ہوتی تھی۔ سومنات کے خزانے سے سونے اور چاندی کے اتنے بت نکالے گئے جو حساب سے باہر تھے اور سلطان کے خزانے میں اتنے عمدہ ہیرے، جواہرات اور نقدی کی کثرت داخل ہوئی جس کا دسواں حصہ بھی کسی بادشاہ کے خزانے میں موجود نہیں ہوسکتا۔

غرض سلطان محمود سومنات کی مہم سے فراخت پانے کے بعد راجہ پرم دیو کی سرکوبی کے لئے جو نہر والہ کا والئی تھا گجرات پہنچا اور پرم دیو کھنڈ قلعہ میں قلعہ بند ہوگیا۔ اس قلعہ کے اردگرد گہرا پانی احاطہ کئے ہوئے تھا۔ سلطان نے پانی کو پار کیا اور پرم دیو قلعہ سے بھاگ نکلا۔ قلعہ میں داخل ہو کر سلطان نے اہل قلعہ کو انتقام کی تلوار کی نذر کر دیا اور بچوں اور عورتوں کو اسیر کر کے مال و جواہرات کو اپنی حکومت کے خزانے میں داخل کیا۔ وہاں سے سلطان

نہروالہ گیا اور خیال کیا کہ اسے اپنا دارالخلافہ بنائے لیکن ارکان سلطنت کو جگہ پسند نہ آئی۔ تب سلطان نے ریاضت کیش ددابشلیم کو نہروالہ اور سومنات وغیرہ جگہوں کی حکومت سونپ دی۔ اس نے شاہی خراج کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کی اور مسند حکومت پر بیٹھ گیا۔ دو سال چھ ماہ کی مدت کے بعد سلطان نے واپسی کا پرچم لہرایا اور سال ۴۱۷ھ میں غزنی پہنچا۔ اور اسی سال جٹوں کے ملک پر چڑھائی کی۔ جب ملتان پہنچا تو ایک ہزار چار سو کشتیاں بنا کر سندھ ساگر کی راہ سے جٹوں کے ملک پر حملہ آور ہوا اور کافی جنگ وجدل کے بعد سلطان فتح یاب ہوا اور ان سب کو گرفتار کر کے غزنی پہنچا دیا۔

اور سال ۴۱۸ھ میں سلجوقی ترکمانوں کا تدارک کرنے کی طرف متوجہ ہو کر ہزاروں کی تعداد میں اُن کو قتل کر ڈالا اور دیالمہ حکمرانوں نے سالہا سال سے جو دفینے اور خزانے جمع کر رکھے تھے، وہ بے زحمت اُس کے ہاتھ آئے اور قرامطی فرقے کا قتل عام کیا۔ رے اور اصفہان کے ممالک امیر مسعود کو دئے اور جب واپس غزنی پہنچا تو ضعف جگر کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور اسی بیماری سے ۳ ربیع الاول ۴۲۱ھ کو ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ پینتیس سال تک حکمرانی کی۔

سلطان کی انصاف پسندی کے کئی قصے بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہیں کہ:

ایک دن ایک شخص انصاف مانگنے آیا اور کہا کہ بادشاہ کا بھانجا ہر روز میرے گھر آتا ہے اور مجھے تازیانے مارتا ہے اور صبح تک میری بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔ سلطان نے کہا کہ یہ بات کسی سے نہ کہنا۔ جب وہ ظالم تمہارے گھر میں آئے گا تو فلاں مکان میں آ کر مجھے خبر کر دو کہ تمہارا مقصد پورا ہو جائے۔ وہ شخص اپنے گھر چلا گیا۔ تین روز تک اس کے گھر کوئی نہ آیا۔ تیسری رات کو سلطان کا بھانجا آیا اور اسے گھر سے نکال دیا۔ یہ شخص وعدہ گاہ پر گیا اور

بادشاہ کو خبر کی۔ سلطان محمود اس انصاف مانگنے والے کے گھر گیا اور وہاں اپنے بھانجے کو اس عورت کی آغوش میں سویا ہوا دیکھا۔ فوراً شمع بجھا کر اس کا سر تن سے الگ کر دیا۔ اس کے بعد پانی کا ایک گھونٹ منگوا کر پی لیا۔ اُس شخص نے سلطان کا دامن پکڑتے ہوئے عرض کی آپ کو اس خدا کی قسم ہے جس نے آپ کو یہ شوکت و عظمت عطا کی مجھ سے کہئے کہ یہ شمع بجھا دینا اور پانی منگوانا کیا مطلب رکھتا تھا۔ سلطان نے فرمایا شمع میں نے اس لئے بجھا دی کہ کہیں اسے دیکھ کر صلہ رحم میرے کام میں مانع نہ آئے اور پانی اس لئے منگویا کہ ان تین دنوں تک میں نے کھانا پینا اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا۔ اب میں نے تیرا کام کر دیا ہے اور پیاس مجھ پر غالب تھی، میں نے پانی کا گھونٹ منگوا کر پی لیا۔

قنوج کو فتح کرنے کے بعد سلطان محمود سے راجا سنگرام نے واپس جانے کی اجازت مانگی اور وہ اپنے ملک میں لوٹ آیا اور ملکی اُمور کو منظّم کرنے میں مشغول ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد وزیر ٹونگ کو مخالفوں نے راجا کی اجازت کے بغیر ہی قتل کر دیا اور بدریشور کو وزارت کے عہدہ پر مقرر کیا گیا۔ اس نے اکثر مندروں کو ویران کر ڈالا اور کمینے لوگوں کو آگے لا کر سلطنت کے انتظام کو درہم برہم کر دیا۔ راجہ سنگرام نے تیس سال اور نو مہینوں تک حکومت کر کے وفات پائی۔

۲۔ راجہ ہری راج

راجہ سنگرام کا بیٹا راجہ ہری راج تخت سلطنت پر بیٹھا تو صرف بائیس دنوں تک حکومت کر کے فوت ہوا۔

۳۔ راجہ اننت راج

راجہ ہری راج کا بھائی راجہ اننت راج ۱۰۹۵ء (ب) میں دس سال کی عمر میں نیا یک اور انگی قوموں کی مدد سے تخت نشین ہوا۔ راجہ سنگرام کی رانی شری لیکھا تخت نشینی کے لئے آمادہ بیٹھی تھی لیکن ارکان مملکت نے اسے پسند نہ کیا اور انی نے حکمرانی کی ہوس میں راجہ اننت دیو کو زہر دے دیا، جو کارگر نہ ہوا۔ ملک پر قبضہ کرنے کے ارادے سے سنگرام راج کا بھائی اُگرہ راج لوہر کوٹ سے نکل کر جنگ کرنے لگا لیکن اننت دیو کے بہادر سپاہیوں نے غالب آکر اس کے ٹکڑے کر دئے اور لوہر کوٹ جا کر وہاں قلعہ کو نذر آتش کر دیا۔ جب راجہ بالغ عمر کو پہنچا تو اس نے رُودھر پال کو وزارت کا رتبہ دیا اور اسکی ماہانہ تنخواہ ڈیڑھ لاکھ سکے مقرر کر دی اور اس کے بھائی وید پال کے لئے اسی ہزار سکے۔ اس کے بعد راجا نے رُودھر پال کی ہدایت سے بندگان خدا کی طرف ظلم وستم کا ہاتھ بڑھا کر ظالم پیشہ وروں کو اُن پر حاوی کر دیا۔ چنانچہ اصطبل کا داروغہ اپنے اختیار سے لوگوں کو لوٹتا تھا اور مسخرہ وضع کا ایک ڈلک

نامی شخص دربار میں راجا کو ہنساتا تھا اور غرور و تکبر میں ڈوب کر لوگوں پر ظلم کرتا تھا جیسے کہ راجا کا شریک تھا۔ وزیر نے مندروں کے گنبدوں سے سونا اُتروا کر رکھ لیا اور راجا نے اس کی کوئی باز پرس نہ کی۔ جلندر کے راجا نے چاند جیسی بدن رکھنے والی اپنی دو بیٹیاں راجا کے لئے نذر میں بھیج دیں۔ راجا نے چھوٹی بیٹی شری متی کو اپنے لئے منسوب کیا اور بڑی بیٹی کو آدت پل کی نذر کر دیا۔ شری متی نہایت عقلمند، نیک سیرت اور سنسکرت خوان تھی۔ اُس نے بھاشا زبان میں لکھی گئی برہمست کتھا کا سوم بھٹ برہمن سے سنسکرت زبان میں ترجمہ کروایا۔

وزیر تربھون اور ڈانگر فرقے کے لوگ بغاوت کا چہرہ دکھا کر راجا کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے۔ راجا نے نایک اور انگی قوم سے اتحاد پیدا کر کے کافی جنگ و جدل کے بعد وزیر کو مغلوب کر لیا اور بارہ مولہ میں اسے پھانسی دی اور اپنے مددگاروں کو کثیر انعام سے نوازا۔ خزانچی برہمہ راج نے رُودھر پال کے خلاف دشمنی کی اور شمالی علاقوں کے راجاؤں کے ساتھ مل کر بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ مقابلے میں رُودھر پال کے ہاتھوں دارُدو کا راجا مارا گیا اور مخالفین شکست کھا کر بھاگ گئے۔ رُودھر پال نے مال غنیمت اور راجہ دارُدو کا سر راجا کے سامنے پیش کر دیا۔ چنبہ کے راجا نے اطاعت کے دائرے سے قدم باہر نکالا اور راجا اننت راج نے اس بدسیرت کو سزا دے کر قید میں ڈالا دیا۔

رانی شری متی نے گوریشور مندر اور سویہ مٹ بسائے اور برہمنوں کو ایک سو آٹھ گاؤں جاگیر میں دے دئے۔ چونکہ راجا اس پر فریفتہ تھا، اس لئے اس کی ہدایت اور مشورے سے اس نے ظلم و جور کی راہ ترک کر کے عدل و انصاف اور رعایا پروری کا راستہ اختیار کیا اور خزانے اور زیر زمین دفینے اور مال و اسباب اور گھوڑے لوگوں میں صدقہ و خیرات کئے۔ ترپن سال تک حکومت کرنے کے بعد رانی شری متی کی منت سماجت کرنے

پر راجا نے اپنے بیٹے کلش دیو کو ولی عہد بنایا اور خود تخت سلطنت سے دستبردار ہو گیا۔

۴۔ راجہ کلش دیو

راجہ کلش دیو نے باپ کی اجازت سے ۱۱۴۸ھ (ب) میں سر پر تاج رکھا۔ بد خصلتی کی وجہ سے لفنگے اور بدمعاش لوگوں کی صحبت میں رہ کر بدکاری اور بدعملی میں مشغول رہا۔ اپنی چچیری بہن سے چپک گیا اور دن رات کوچہ و بازار میں کتے کی طرح بھٹکتا پھرتا تھا اور پردہ نشین عورتوں کی عصمت کا پردہ پھاڑ کر خرابی اور تباہ کاری کیا کرتا تھا۔

ایک رات ایک امیر کے گھر میں گھس گیا۔ محافظوں نے چور سمجھ کر اسے گرفتار کر لیا اور پہچان کر چھوڑ دیا۔ اننت دیو نے جب یہ ماجرا سنا تو اس نے بیٹے کو مشفقانہ نصیحتیں اور باپ کی حیثیت سے وصیتیں کیں۔ اسکی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور راجا نے طمانچہ مار کر اسکے رخسار کو تکلیف میں ڈال دیا اور وہ بدذات سر درد کے بہانے سے بستر علالت پر لڑھکنے لگا۔ شفقت کے پیش نظر راجا دوسرے دن اس کی عیادت کو گیا اور اس کے دربانوں نے راجا اور اس کے ہمراہیوں کو دروازے سے اندر جانے کی اجازت نہیں دی۔ اس حرکت کو دیکھ کر راجا سخت دل آزردہ اور ملول ہوا اور دنیا کی حکومت سے بیزار ہو کر وہ مال و دولت اور بیوی کے ساتھ بیج بہاڑہ چلا گیا اور وہاں بجیشور مندر میں عبادت میں مشغول ہو گیا۔ کلش دیو خالی ہاتھ ہو گیا اور اس نے اپنی فوج کے ہمراہ باپ کے خلاف جنگ کرنے کا عزم کیا۔ برہمنوں کی وساطت سے اس کی ماں نے اسے نصیحتیں کر کے اس مذموم کردار سے باز رکھنے کی کوشش کی

لیکن اندرونی آگ سے بے قابو ہو کر اس نے باپ کی، اس کے رشتہ داروں اور اس کے ہم نشینوں کی عمارتوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ تب راجا اننت دیو کے قہر کی دیگ میں اُبال آ گیا اور اس نے اُس کے بیٹے ہرش دیو کو حکمرانی کے لئے بیج بہاڑہ میں بلوایا۔ یہ خبر سنتے ہی کلش دیو باپ کے قدموں پر آ گرا اور عاجزی وانکساری کر کے اس کے غصے کو ٹھنڈا کیا اور اپنے ساتھ شہر لے آیا۔ دو مہینوں کے بعد بدمعاشوں کی صلاح پر اسے اپنے حق میں بہتر دکھائی دیا کہ باپ کو قید میں ڈال دیا جائے۔ راجا اننت بیٹے کے مشورہ کرنے سے واقف ہو کر بیج بہاڑہ واپس چلا گیا۔ کلش دیو نے اس کے لئے اپنے ملازموں اور باپ کے رشتہ داروں کو ذمہ دار ٹھہرا کر اُن میں سے بعضوں کو گھاس میں لپیٹ کر جلا ڈالا اور بعضوں کو تلوار کی کاٹ کا پانی پلا دیا۔ اس افراتفری سے لوگ مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔ اننت دیو رانی شری متی کے ہاتھوں مجبور تھا جس نے کبھی بھی کلش دیو کو گرفتار کرنے کا مشورہ نہیں دیا۔ یہاں تک کہ وہ بداصل اور زیادہ سرپھرا بن گیا اور باپ کو خراب کرنے پر تدبیریں کرنے لگا۔

ایک رات بیج بہاڑہ جا کر راجا کے شاہی محل اور شہر کی عمارتوں کو آگ لگا دی اور اُن کو پوری طرح جلا ڈالا اور راجہ کے سارے سرمائے کو تباہ کر دیا لیکن بڑی زحمتوں کے بعد راجا اور رانی دریا کو پار کر کے بچ گئے۔ رانی شری متی کے بازو پر ایک بدخشی لعل بندھا ہوا تھا ۔اسے سات لاکھ روپے میں بیچ کر اپنے ملازموں اور متعلقین کے لئے خوراک و پوشاک مہیا کر دیا اور جلے ہوئے مکانوں کو مرمت کروائی ۔ اس واقعہ کے ہونے سے راجا دنیا سے نہایت دل گیر ہوا اور گھاس کا لباس پہن کر ایک تاریک کوٹھری کے گوشے میں عبادت میں مصروف رہا۔

اس حالت کے باوجود ناخلف بیٹے نے فتنہ گر فسادیو کے اُکسانے پر اپنے باپ کو

پیغام بھیجا کہ اگر آپ میں ابھی بھی زندہ رہنے کی آرزو باقی ہے تو پونچھ کے پہاڑیوں کی طرف نکل کر عبادت کریں ورنہ زندہ رہنے کی کوئی اُمید نہ رکھیں۔ اننت دیو یہ خبر سن کر سخت غم ناک ہوا اور دل صد چاک کے ساتھ اپنی رانی سے کہا کہ میں نے تمہاری کم عقلی کی وجہ سے وقار و اعتبار اور نام و آرام اور جان و مال سے ہاتھ دھویا۔ ہر اُس بیٹے کے حق میں، جو اپنے باپ کی جان کے درپے ہو، اصلی نسل کے بارے میں شک کیا جاسکتا ہے۔ رانی نے جواب میں کچھ سخت الفاظ کہے اور راجا نے غصے میں آکر اپنے سینے میں خنجر اُتارتے ہوئے اپنا سرمایہ حیات گنوا دیا۔ رانی شری متی آہ و واویلا کرنے لگی اور ہرش دیو کو اپنے مددگاروں کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ اسے تخت سلطنت پر بٹھائیں اور اسے اس کے باپ کلش دیو سے رہائی دلائیں۔ اس کے بعد ہرش دیو کو خزانوں کی کنجیاں دے دیں اور کلش دیو کو خبر بھیج دی کہ باپ کی لاش پر حاضر ہو جائے۔ ایک دن تک اس کے آنے کا انتظار کیا لیکن کلش دیو باپ کی لاش پر نہ آیا۔ دوسرے دن رانی شری متی خود کو زیورات و زیبائی سے آراستہ کر کے شوہر کے شمشان پر تین نوکروں اور چار کنیزوں کے ہمراہ ستی ہوئی۔ ہرش دیو نے خیرات و سخاوت میں خزانے لٹا دئے اور لوگوں کی بہبودی میں نیک نامی حاصل کی۔ کلش دیو اسے معمولی دشمن جان کر بیج بہاڑہ آ گیا اور ہرش دیو کو تسلی دلاسا دے کر اپنے ساتھ شہر لے گیا۔

اب اس کے بعد کلش دیو اپنے کئے ہوئے پر شرمندہ ہوا اور وہ رعایا پروری اور لوگوں کی آبادی اور بہبودی کی طرف راغب ہو گیا اور اپنی آمدنی کے مطابق خرچ کرنے لگا۔ جگہ جگہ جاسوس مقرر کئے اور ملک کے حالات سے باخبر ہو کر ان کا تدارک کیا۔ پرہیزگاری میں بھی ثابت قدمی دکھائی اور شجاعت و دلاوری کا دبدبہ ہر طرف قائم کیا۔

لیکن شہوت رانی پر قائم رہا۔ ملک کے اطراف سے خوبصورت بہتر باکرہ لڑکیوں کو

منگوا کران کو اپنے شبستان میں سامان عشرت کے طور پر داخل کر دیا۔ شراب نوشی، رقص و سرود اور گانے بجانے میں ہمیشہ مخمور رہتا تھا۔

بیج بہاڑہ کے متصل کلشیشور مندر بنایا اور تر بھون گاؤں کے پاس کلش شہر بسایا۔ اسی دوران راجور کے راجا سہج پال نے وفات پائی اور راجا کلش دیو نے اس کے بیٹے سنگرام پال کو باپ کا جانشین بنا دیا لیکن سہج پال کے بھائی مدن پال نے وراثت کے دعویٰ میں شورش برپا کی۔ کلش دیو نے جیانند کی افسری کے تحت ایک لشکر جرار بھیج کر مدن پال کو کشمیر میں قید میں رکھا۔

اس سے پہلے کشمیر کے راجاؤں کا دبدبہ زیادہ نہیں رہا تھا۔ کلش دیو نے البتہ اپنی شجاعت وسیاست کی دھاک بٹھا کر شہرت پائی۔ ایک دن رازہ سی نامی دربار کو کمال خوبی و شان سے ترتیب دے کر کشمیر کے اطراف کے راجاؤں اور ملک کے روسا و اعیان کو جلسہ کرنے کے موقع پر بلایا اور بیرون ریاست سے آٹھ راجے نذر گذرانی کے لئے دربار میں شامل ہوئے۔ ایک ابھے پور کا راجا کرتنی، دوسرا چنبہ کا حکمران راجا ہسٹھ، تیسرا بلاسپور کا راجہ گلشن، چوتھا راجور کا راجہ سنگرام، پانچواں لوہر کوٹ کا راجہ آدت کرشن، چھٹا عوری کا راجہ پون گنج، ساتواں خاندیس کا راجہ کا پرسی اور آٹھواں کشتواڑ کا راجہ گوتم۔ راجاؤں کی خدمت اور اُن کی مدارات کرنے پر پردمن وزیر مقرر ہوا تھا۔ جب کمال تزک وحشمت کے ساتھ جلسہ ختم ہوا تو راجاؤں اور اعیان مملکت میں سے ہر ایک کو گران قیمت خلعتوں اور عجیب وغریب نفائس سے نوازا۔ ان ایام میں موسم سرما کی وجہ سے دریا یخ بستہ ہو چکے تھے، اس لئے ہر کوئی جلدی سے واپس چلا گیا۔

اس کے بعد مفسدوں نے راجا اور ہرش دیو کے درمیان پھوٹ ڈالی اور راجا کے

فرمان سے ہرش دیو کو جیل خانے میں قید کر دیا گیا۔ اسکی ماں نے جدائی برداشت نہ کرتے ہوئے خودکشی کر لی۔ کلش دیو کا مزاج بگڑ گیا اور اس نے لوہر کوٹ سے اپنے دوسرے بیٹے وُت کرش کو بلوا کر ولی عہد بنایا اور خود ٹانڈ کھتر میں بدن خاکی سے جان تسلیم کی۔ اس کی حکمرانی کی مدت آٹھ سال تھی۔

۵۔ راجہ وُت کرش

۱۱۵۶ھ (ب) میں تخت و تاج کی حکمرانی کو جاری کر کے اپنے بھائی بجے مل کو وزیر بنایا۔ بجے مل نے ہرش دیو کو، جو باپ کے حکم سے قید میں تھا، رہا کرنے کی درخواست کی۔ راجا نے اسکی استدعا کو ٹھکرا دیا جس کی وجہ سے اُن کے درمیان دشمنی پیدا ہوئی۔ بجے مل لار کی طرف بھاگ نکلا، جہاں اُس نے جنگی سامان مہیا کر کے بھائی پر چڑھائی کی اور محلّہ تاشون میں فریقین میں جنگ ہوئی۔ وُت کرش نے اپنی جگہ سوچا کہ اگر فتح میرے نصیب میں ہوئی تو ہرش دیو کو رہا کر دوں گا اور اگر دشمن غالب آ گیا تو اسے قتل کر دوں گا۔ اس لئے اس نے جیل خانے کے افسروں کو دو انگوٹھیاں دکھائیں اور کہا اگر سبز نگین والی انگوٹھی آپ کے پاس پہنچے گی تو ہرش دیو کو رہا کر دیجئے گا اور اگر سرخ نگین کی انگوٹھی آ گئی تو اسے قتل کر کے نابود کر دیجئے۔ دوسرے دن اپنے بھائی کے مقابلے میں آ کر جنگ وجدال میں مشغول ہو گیا۔ وُت کرش جنگ میں مغلوب ہو گیا اور اضطراب و وحشت میں گرفتار ہو کر اس نے غلطی سے سبز نگین والی انگوٹھی اپنے بیٹے کے ہاتھ جیل خانے کے افسروں کے پاس بھیج دی اور انہوں

نے سبز نگین کی انگوٹھی دیکھ کر ہرش دیو کو جیل سے رہا کر دیا۔ ہرش دیو جب معرکہ جنگ میں پہنچا تو بجے مل میں حوصلہ وعظمت پیدا ہوگئی اور اس نے بھائی کی لشکر کا قتل عام کر دیا۔ وُت کرش کو شکست ہوگئی اور اس نے اپنے سینے میں خنجر گھونپ کر جان دے دی۔ اس نے انتیس دنوں تک حکومت کی۔

۶۔ راجہ ہرش دیو

اعیان مملکت کے باہمی اتفاق اور بجے مل کی مدد سے ۱۱۵۶ھ (ب) میں تخت نشین ہوا۔ دوست نوازی کی اور دشمنوں کو بیخ کنی۔ عدل وانصاف اور نرم روی، احسان اور سخاوت مندی کرنے کی توفیق پائی۔ شاہی محل کے دروازوں پر چاروں طرف سے عدل کی زنجیریں لگوادیں کہ انصاف چاہنے والے دربانوں کی مزاحمت کے بغیر حضور میں پہنچ جاتے تھے۔ اعیان وارکان مملکت کے لئے مخصوص عہدے مقرر کیئے۔ بجے مل کو وزیر اعظم بنا دیا۔ کچھ عرصہ بدخواہوں کے پھوٹ ڈالنے سے ان کے درمیان نزاع پیدا ہوا اور بجے مل نے مقابلے میں آکر جنگ کی۔ بجے مل نے قوت جنگ کو برداشت نہ کرتے ہوئے دارُدو کا رُخ کیا اور وہاں کے راجا سے مدد لے کر بہار کے اوائل میں کشمیر پر چڑھائی کی۔ جب پہاڑوں کے درے میں پہنچا تو قضا سے برف کا ایک حصہ لڑھک آیا جس نے بجے مل اور اس کے سارے مددگاروں کو نابودی کی وادی میں دھکیل دیا۔

کچھ عرصہ بعد راجا ہرش دیو لفنگوں اور لچے بدمعاشوں کی صحبت میں پڑ کر اپنی اولین

روش سے پھر گیا اور فحش کاری اور برے اُمور کا ارتکاب کرنے لگا۔شاہی دربار میں ہر روز ایک ہزار شمعیں جلایا کرتا تھا اور تین سو ساٹھ حسین و نازنین اور شوخ دختران طناز کو ان کی ناز و ادا کی روش کو دیکھ کر چن کے سال کے ایام کی مباشرت کے لئے اپنے حرم خانے میں داخل کیا۔لیکن اس کے باوجود حرام کاری سے باز نہ آیا حتیٰ کہ اپنی بہن تک کو بھی نہ چھوڑا۔ اگلے راجاؤں کے ذخیروں اور قدیم مندروں کے سامان اور مال و متاع کو قوالوں، بے حیا فحش کاروں اور خوشامدیوں کی نذر کر دیا۔چنانچہ ایک دن ایک فاحشہ عورت کو ایک لاکھ درستی بخش دیئے۔نامور وزیروں کو بے اعتبار کر کے بدمعاشوں اور نیچ قوم کے لوگوں کو اپنی مجلس و مصاحبت میں رُتبہ دیا اور ان ہی کے مشورہ و رائے سے اُمور مملکت کو چلاتا تھا۔اس خرابی و فتور کے آجانے سے اعیان و ارکان مملکت بددل ہو گئے اور اُمور سلطنت میں خلل پڑ گیا۔

ایک دن مٹ اور جے رام نے راجا کو قتل کرنے کی ٹھان لی۔ راجا ان کے اس اقدام سے باخبر ہوا اور اس نے اپنی قوم اور قبیلے سے بیزار ہو کر سب کو قتل کر دیا اور کسی ایک فرد کو بھی زندہ نہ رکھا۔اس کے بعد اپنے مشیروں کی ترغیب سے داڑدو پر نے وقت حملہ کر دیا۔چونکہ دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے پہاڑوں میں جنگی صفیں ترتیب دیں تھیں، رات کو اس قدر بارش اور برفباری ہوئی کہ ساری لشکر شاہی تباہ ہو گئی۔راجا میدان کارزار سے بھاگ گیا اور اُس کے پیچھے اس کی کثیر فوج کرشن گنگا دریا میں غرق ہو گئی۔دشمن نے پیچھا کیا اور قریب تھا کہ راجا گرفتار ہو جائے لیکن راجا کے چچیرے بھائیوں اُوسچل اور سوشل نے مردانہ وار جنگ کر کے مخالفوں کو پسپا کر دیا اور راجا کی بزدلی اور اس کے بھائیوں کی شجاعت کا ملک بھر میں چرچا ہو گیا۔اس کے بعد راجہ بھون نے حملہ کر کے لوہر کوٹ کو غارت کیا۔راجا کے حکم پر یہاں سے سپہ سالار گندھرب اس پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہوا اور اس کو

پامال کیا۔ اس کے بعد راجور کا راجہ سنگرام پال باغی ہو گیا اور گندھرب تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ اسکی سرکوبی کرنے پر مامور ہوا۔ سنگرام پال آٹھ ہزار سپاہیوں کے ہمراہ مقابلے میں آیا اور کشمیر کے دو سو سپاہی اور مقابل کے چار سو سپاہی قتل ہوئے۔ آخر سنگرام پال مغلوب ہوا اور اس نے اطاعت گذاری کا خط لکھ کے دیا۔ ۱۱۵۶ء (ب) کے بہادون ماہ کی اول تاریخ کو سخت بارش برسی اور دریاؤں میں طغیانی آ گئی۔ فصلیں خام رہیں اور غلے کا قحط اس حد تک ہوا کہ ایک خروار شالی کی قیمت پانچ سو دینار تک پہنچی۔ جو کو مس کے وزن کے برابر بیچا جانے لگا اور اُون کے ایک تولے کی قیمت چھ دینار ہو گئی۔ نمک اور مصالحہ جات سونے کے بھاؤ کے ہو گئے اور بہت سے بندگان خدا تلف ہوئے۔

کلہن پنڈت نے راجا کی سادہ لوحی اور بیوقوفی کی بہت سی کہانیاں لکھی ہیں۔ ان میں سے ہم نمونے لاتے ہیں۔ خاص مصاحبوں میں سے ایک مصاحب نے ایک پر وقار عورت کو زیورات ولباس سے آراستہ کر کے راجا کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ آپ کی والدہ ماجدہ جنت سے آئی ہے اور آپ سے کچھ چاہتی ہے۔ راجا اس کے قدموں سے لپٹ گیا اور ایک کثیر رقم دے کر اسے رخصت کر دیا۔

ایک اور مصاحب نے بھی چند عورتیں پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ دیویاں ہیں اور عالم بالا سے آپ کو دیکھنے کے لئے آئی ہیں۔ راجا نے ان کی خدمت میں نذرانے پیش کر کے ان کے دل خوش کر دئے۔

ایک شخص نے دکھن کے راجہ کی بیوی، جو حسن و جمال میں بڑی مشہور تھی، کی تصویر اس کی نظر میں لائی اور راجا اسے دیکھ کر فریفتہ اور عاشق ہو گیا۔ سخت اضطراب میں وقت گذرنے لگا اور اس نادرہ روزگار حسینہ کے وصال کو پانے کے لئے دکھن کو فتح کرنے کا

خیال کیا۔ اعیان مملکت اس کام کو ملک کی تباہی کا باعث جان کر مجبور ہو گئے۔ مدن پال نامی ایک مسخرہ تھا جو مسخرے پن اور ہزل گوئی کی وجہ سے راجا سے نزدیکی مصاحبت رکھتا تھا۔ اس سے التجا کی کہ وہ راجا کو کسی نہ کسی طرح اس اقدام سے باز رکھے اور مدن پال نے اس کی ذمہ داری لے لی۔ ایک دن اس نے راجا کی خدمت میں عرض کیا کہ آج رات خواب میں مجھے ایک خط ملا ہے، جب میں نے اسے پڑھا تو اسے دکھن کے راجہ کی بیوی نے لکھا تھا کہ میں ایک حور تھی اور میں جنت سے آپ کو دیکھنے کے ارادے سے نکلی اور راہ میں دکھن کے راجہ کے ہاتھ لگی۔ ناچار میں اس کے بیاہ کے بندھن میں اسیر ہو گئی۔ اب میں خود کو کسی نہ کسی طرح سے رہائی دلا کر راجا کی خدمت میں پہنچنا چاہتی ہوں۔ اس لئے اب میں نے اپنی چند خاص کنیزیں بھیج دی ہیں کہ میرے آنے تک وہ راجا کی خدمت میں رہیں ی جو البتہ فلاں تاریخ تک پہنچ جائیں گی۔ راجا یہ سن کر بہت خوش ہوا اور چشم براہ اُن کنیزوں کے انتظار میں رہا۔ وعدہ کے وقت پر مدن پال نے چند گلبدن کنیزوں کو زینت دے کر اور زیورات سے آراستہ کر کے راجا کے حضور میں پیش کر دیا اور احمق راجا اُن کو دیکھ کر شادمان ہوا اور عیش و عشرت میں مشغول!

راجہ مذکور ایک دن راجور کے علاقے میں گیا تھا اور فوج اور خدم و حشم کے ساتھ وہاں ایک ماہ رہ کر قیامت برپا کی۔ لوگ عاجز آ گئے اور مدن مسخرہ کو رشوت دے کر اُسے راجا کے لوٹ جانے کے لئے التماس کی۔ اُس مکار نے راجا کے حضور میں عرض کیا کہ پہاڑوں کے دامن میں ترکی فوج آ پہنچی ہے، اس لئے یہاں قیام کرنا خود کو اژدہا کے منہ میں ڈالنے کے برابر ہے۔ یہ خبر سن کر راجا بلا کسی تامل و تحقیق کے سخت اضطراب کی حالت میں کشمیر لوٹ آیا۔

راجا کے گھر کے صحن میں پھلدار اور بے پھل درخت خاصے اُونچے ہو گئے تھے۔ کہا کہ درختوں کی ٹہنیاں دیواروں کے اُوپر سے سر اُٹھا کر ہمارے حرم سرا کو دیکھ رہی ہیں۔ اور اسی وسواس پر سب کی بیخ کنی کی۔

اور اسکی محترم بیوی پٹ رانی رات کو اس کے آغوش سے اُٹھ کر فیل بان کے ساتھ جُت گئی۔ راجا اس کے پیچھے گیا اور فیل بان کے جسم سے الگ کرنے کے بعد اسے فیل بان کو بخش دیا۔ اور یہ قصہ عوام کی زبانوں میں مشہور ہے۔

راجا کی لاپروائی اور بیوقوفی سے اس کے نظام مملکت میں خرابی آ گئی۔ اور اس کی بزدلی سے اعیان مملکت اور ارکان حکومت سرکش ہو گئے۔ لون اور ڈانگر قوم نے شورش اُٹھائی۔ راجا نے ان کا تدارک کرنے کی خاطر لشکر کے افسر متعین کر کے ان میں سے اکثروں کو قتل کر دیا اور بہت سے خودسر برہمنوں کو بھی تلوار کی کاٹ سے گذار دیا اور ان کے سر عام بازاروں میں لٹکائے گئے۔ ڈانگر اور لون قوم کے افراد نے اسکی خونریزی اور سخت دلی کے خلاف جمع ہو کر لولاب میں شورش برپا کی۔ راجا نے ان کے مقابلے میں لشکر کشی کی اور یہ فساد دیر تک جان لیوا رہا۔

اسی اثنا میں راجا اپنے دو چچیرے بھائیوں سے بیزار ہو کر ان کو قید میں ڈالنے کی فکر میں رہا۔ وہ دونوں راجا کے اس خیال سے آگاہ ہو کر راجور کی طرف بھاگ نکلے اور وہاں پر اُسچل ایک سو سپاہیوں کو جمع کر کے کشمیر کو فتح کرنے کے ارادے سے بارہ مولہ کی راہ سے کامراج پہنچا۔ ڈانگر اور لون قوم کے افراد بھی اس سے متفق ہوئے اور پرسپور میں جنگ کی صفیں آراستہ کی گئیں۔ ہرش دیو اُن کے مقابلے میں آنکلا اور فریقین میں جنگ ہوئی۔ مقابلے کی تاب نہ لا کر اُوسچل کو شکست ہوئی اور راجا پرسپور اور پٹن کے مندروں کے سامان

واسباب وآلات اور سونے اور چاندی کے بنائے گئے بتوں کو لوٹ کر شہر میں لوٹ آیا۔ اُوسچل نے بارہ مولہ میں ثابت قدمی دکھائی اور پنجاب سے بھاری لشکر کے ساتھ اس کا بھائی سوشل اس سے آملا۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے راجا نے فوج مقرر کر دی اور طرفین میں جنگ ہوئی۔ میدان کارزار میں سوشل کی ٹانگ بیکار ہوئی اور ناچار وہ پہاڑ کی طرف بھاگ نکلا۔ اُوسچل دو تین دن بعد کو یہامہ کی راہ سے لار میں آگیا اور ہرش دیو نے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے فوج بھیج دی اور میدان جنگ میں راجا کی فوج کے سردار کا سر کٹ جانے کی وجہ سے افراتفری پیدا ہوئی۔ اُوسچل کے ماموں آنند نے ڈانگر اور لون قوم کے بل پر کامراج میں شورش اُٹھائی اور ہرش دیو نے ان کی سرکوبی کے لئے چندر راج کو مامور کیا۔ آنند معرکہ کارزار میں مارا گیا اور اس کی فوج تتر بتر ہو گئی۔ سوشل شوپیان کے راستے سے لوٹ آیا اور بیج بہاڑہ میں شورش برپا کی۔ چندر راج بارہمولہ سے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے پہنچا اور حملہ آور ہوا لیکن سوشل کے ہاتھوں جنگ میں قتل ہوا اور فوج کے ہمراہ سوشل شہر میں آ کر اُوسچل کی فوج کے ساتھ مل گیا۔ پس دونوں بہادر شہر میں داخل ہوئے اور شور محشر برپا کیا۔ ہرش دیو نے ہیبت ناک ہاتھی کو شراب پلا کر دشمنوں کے مقابلے میں ڈال دیا۔ اُوسچل کے ہاتھ کا تیر ہاتھی کے کان میں جا لگا اور ہاتھی نے واپس لوٹ کر ہرش دیو کی فوج کو کچل کے درہم برہم کر دیا۔ ہرش دیو مغلوب ہو کر بھاگ نکلا اور اُوسچل نے راجا کے محل کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا اور راجا کے خدم وحشم اور رانیوں میں سے اسی افراد کو زندہ جلا ڈالا۔ لون اور ڈانگر قوم نے لوٹ مار کا بازو بڑھاتے ہوئے شہر کو غارت کر دیا اور راجا کا خزانہ لوٹ کر لے گئے۔ ہرش دیو دو آدمیوں کے ساتھ ایک زمیندار کے گھر میں چھپ گیا۔ جہاں تین رات اور دن تک بھوکا رہا۔ اُوسچل نے اس کا سراغ پایا اور اس کے چھپ جانے کی جگہ میں گھس کر اسے قتل کر دیا۔ گیارہ سال آٹھ ماہ اور بائیس دنوں تک حکمرانی کی۔

۷۔ راجہ اُوسچل

۱۱۶۸(ب) میں تخت کامرانی پر حکمرانی کے لئے بیٹھا اور ملک کی دلہن کو عدل و انصاف کے زیور سے آراستہ کیا۔ ذاتی طور پر دادرسی کرتا تھا اور لوگوں کے حالات کی تحقیق کرنے کے لئے کپڑے بدل کر اور راتوں کو گھوم کر ہر معاملے کا تدارک کیا کرتا تھا۔ سچے جاسوسوں کو مقرر کر کے ہر جگہ سے اطلاعات منگوا کر ظلم کی بیخ کنی اور چارہ سازی کی۔ کثرت کے ساتھ غلہ جمع کر کے ذخیروں میں رکھ دیا اور ضرورت کے وقت سستے دام پر بیچ کر خدا کے بندوں کو ہرش دیو کے زمانے کے قحط کے صدمے سے محفوظ رکھا۔ چوروں کو عہدے اور جاگیریں دے کر انہیں چوری اور ڈاکہ زنی سے باز رکھا اور بزرگوں اور عالموں اور ہنر مند لوگوں کی عزت افزائی کی۔ ظالموں، رشوت خوروں اور چغلی خوروں کو ذلیل کر کے رکھ دیا۔

کلہن پنڈت کا کہنا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی اوصاف ہیں وہ سب اسکی ذات میں موجود تھے۔ لیکن دو بُری عادتیں بھی اس میں تھیں۔ ایک یہ کہ ہر شریف وادنیٰ آدمی کو گالیاں دیتا تھا اور دوسری یہ کہ دشمنوں کو آپس میں لڑا کر خونریزی کرواتا تھا۔

چند برسوں کے بعد اپنے پسندیدہ اوصاف سے پھر گیا اور غرور و گھمنڈ کے خیال سے ہر کسی سے دشمنی کرنے لگا۔ چنانچہ سابق حقوق امداد کے پیش نظر اُس نے ڈانگر فرقے کے لوگوں کو جو عظیم عہدے دئے تھے، آخر حکمت عملی کے ساتھ اُن کے قبیلے میں پھوٹ ڈالی اور ان کی آپس میں خونریزی کروا کے انہیں پامال کیا۔ بھائی ہونے کی رعایت اور ایام فتنہ و

فساد میں اس کی مدد کرنے کے خیال سے سوشل کی قدر ومنزلت بڑھائی اور اسے اول لوہر کوٹ وغیرہ علاقوں کی حکومت پر مامور کیا لیکن بعد میں اسکا دشمن بن کر اُسے رنج پہنچایا۔ اس نے بغاوت کا جھنڈا الہرایا اور بھاری لشکر کے ساتھ اپنے خونخوار بھائی کے مقابلے میں آ گیا۔ اُوسچل بھی لشکر جرار کے ہمراہ مقابلے کو نکلا اور فریقین میں جنگ ہوئی۔ سوشل معلوب ہو کر بھاگ نکلا۔ دوسری بار ایک جماعت کو اکٹھی کر کے مقابلے کے لئے آیا اور گگنہ چندر نے بارہ مولہ میں اس کی مدافعت کرنے کے لئے فوج کا پڑاؤ ڈالا۔ جنگ وجدل کرنے کے بعد سوشل دارُدو کی طرف بھاگ نکلا اور وہاں سے کرنا کے راستے سے لوہر کوٹ میں پہنچا۔

خبر داری: لوہر کوٹ راجور اور اکنور کے بیچ میں سابق ایام میں ایک آباد شہر تھا۔ اب اس کا نام ونشان نہیں رہا۔

اسی زمانے میں دارُدو کے راجا نے سرکشی کر کے کامراج میں شورش کی۔ آخر مقابلے کی طاقت نہ لا کر واپس چلا گیا۔ ہرش دیو کی پشت سے اس کا ایک چھوٹا بیٹا، جس کا نام بکھاجر تھا، موجود تھا۔ راجا نے اسے دشمن جان کر جلاد کے حوالے کر دیا اور اسکی گردن میں رسی ڈال کر جلاد نے اسے پل پر تختہ دار پر لٹکا دیا۔ اسی وقت ہوا تاریک ہوگئی اور طوفانی تند ہوا اٹھی۔ اس بیگناہ کی گردن سے رسی ٹوٹ گئی اور وہ دریا میں آ گرا۔ ایک عورت نے اسے دریا سے اٹھا کر مالوہ کے راجا نرورم کے پاس پہنچا دیا۔ راجہ نے بیٹے کی طرح اسے پالا اور وہ فن سپاہ گری میں اور جوانمردی کے کارناموں میں یگانہ وقت بن گیا۔

اسی زمانے میں سوشل کے گھر میں راجہ مگر کوٹ کی بیٹی کے بطن سے ایک بلند پایہ ارجمند بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام جے سنگھ رکھ دیا گیا۔ ان ہی ایام میں راجور کا راجہ دنیا سے چل

بسا اور راجا اُوسچل نے اس کے بیٹے سوم پال کو باپ کی جگہ پر بٹھا دیا اور سوشل کے ساتھ صلح و صفائی کر لی۔ اسی زمانے میں کامراج کے علاقے میں واقع سویم جی کے مقام پر غیبی آگ نمودار ہوئی۔ اُوسچل نے اسے دیکھنے کا ارادہ کیا اور راہ میں بدمعاشوں کی ایک جماعت کے ساتھ ڈانگر فرقے نے راجا پر شبخون مار کر اس کے ساتھ جنگ کی لیکن فوج کی کمی کے باوجود اُن پر غالب آ کر راجا نے ان کو شکست دی۔ البتہ خود اپنے مددگاروں سے جدا ہو کر دُور جا پڑا۔ دشمنوں نے اسے مقتول ہو جانے کی خوش فہمی میں خوشیاں منائیں اور چھوڑ اور رڈ کو، جو راجا یشسکر کی اولاد میں سے دو بھائی تھے، حکمران بنا دیا۔ اور جب کل دوسرے دن راجا کو تخت پر بیٹھا دیکھا تو کامراج کے پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلے اور وہاں ایک جماعت کو جمع کر کے وقت کے انتظار میں رہے۔

ایک دن حرم سرا کے صحن میں راجا اُوسچل تنہا گردش کر رہا تھا کہ ایک شخص فریادرسی کے بہانے سے اس کے پاس آیا اور اس کے بالوں کو پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ اسی حال میں رڈ نے اس کے سر پر تلوار مار کر اسے موت کی وادی میں پہنچا دیا اور اس کے بعد راجا کے سارے مددگاروں اور معاونت کرنے والوں کو قتل کر ڈالا اور اپنے خون آلود لباس کے ساتھ تخت پر بیٹھ گیا۔ پرتھوی چندر کا بیٹا گگنہ چندر جو راجا کا سپہ سالار تھا، لار چلا گیا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی وہ تیزی سے شہر میں آ پہنچا اور خون نوش تلوار کو میان سے نکال کر دشمنوں کا قتل عام کر ڈالا اور رڈ کو موت کے تخت پر بٹھا دیا اور اُوسچل کی لاش کو خاک و خون سے اٹھا کر شمشان میں پہنچا دیا۔ ماتم داری کے رسوم ادا کرنے کے بعد اُوسچل کے بھائی سلہن نے راجگی کا تاج سر پر رکھا۔ اُوسچل کی حکمرانی کی مدت دس سال چار ماہ اور ایک دن تھی۔

۸۔ راجہ سُلہن

۱۱۷۹ (ب) میں گگنہ چندر کی مدد سے تخت نشین ہوا۔ سوشل نے خبر سنتے ہی بھاری لشکر کے ہمراہ کشتواڑ سے حملہ آور ہو کر دشمنی کا پرچم لہرایا لیکن آخر جنگ میں تنگ آ کر شکست سے دوچار ہوا۔ گگنہ چندر سلطنت کا مشیر بنا اور اس نے ڈانگر فرقے کو تیغ و تبر سے زیر وزبر کر ڈالا۔ سلہن نے اپنی بدبختی کی وجہ سے گگنہ چندر سے اتفاق کے رشتے کاٹ کر اسکی مخالفت کی۔ بیزار ہو کر گگنہ چندر نے سوشل کو کشمیر آنے کی ترغیب دی۔ اس کے آنے سے پہلے ہی اعیان سلطنت نے سلہن کو حکومت سے معزول کر کے گگنہ چندر کے ہاتھ میں اُمور مملکت سونپ دئے۔ گگنہ چندر کے پیغام کے بموجب سوشل ایک کثیر فوج کے ساتھ بارہ مولہ پہنچ گیا اور ادھر سے گگنہ چندر بھی بھاری لشکر لے کر نکلا اور جنگ کا بازار گرم کر کے طرفین کے سرداروں اور دلاوروں کے سر کٹ کر گرنے لگے۔ بالآخر سوشل کی فوج کو عظیم شکست ہوئی اور سوشل خود گگنہ چندر کے ہاتھوں اسیر ہو گیا۔ گگنہ چندر اسکے مراتب عزت و حرمت کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ شہر میں لے آیا۔ سلہن نے قلعہ کے دروازوں کو بند کر لیا تھا لیکن جب دیکھا کہ کام ہاتھ سے نکل گیا ہے تو دروازے کھول دئے اور سوشل قلعہ میں داخل ہو کر حکمرانی کرنے لگا اور سلہن اور لوٹن دونوں بھائیوں کو لوہر کوٹ کے قلعہ میں قید میں رکھا۔ سلہن کی حکومت کی کل مدت تین ماہ اور ستائیس دن تھی۔

۹۔ راجہ سوشل

اسی سال حکمرانی کا پرچم لہرایا۔ غداروں کے خوف سے ہمیشہ ہتھیار بند رہتا تھا اور اعتماد والے اشخاص کے بغیر کسی کو بھی اپنے دربار میں آنے نہیں دیتا تھا۔ باغیوں اور سر پھروں کو جلاوطن کر دیا اور گگنہ چندر کو بھی ملک سے نکال دیا۔ اس نے اس کے بیٹے کے ساتھ سازش کی اور دونوں نے مل کر بیج بہاڑہ میں شورش اُٹھائی۔ سوشل ان کے مقابلے میں آیا اور دونوں کو شکست دی۔ گگنہ چندر نے پرسپور کے آہنی قلعہ میں پناہ لی اور سوشل نے اس کا پیچھا کر کے قلعہ کو تحس نحس کر ڈالا اور اس کا بیٹا اُوچل بھاگ نکلا۔ گگنہ چندر نے خود اپنی خواہش سے راجا کے حضور میں آ کر صلح کر لی اور دونوں آپس میں متحد اور متفق ہو گئے۔ گگنہ چندر کو تبت کی حکومت کا اقتدار مل گیا اور اس نے لار میں گگنہ گیر گاؤں بسایا۔ کچھ عرصہ بعد ڈانگر قوم کی ایک جماعت نے دشمنی کا لبادہ پہن کر سوشل کو شکار گاہ میں پکڑ کر زخمی کر دیا۔ لیکن اپنی شجاعت و جگر داری سے ہلاکت سے جان بچا لی اور کل دوسرے دن اپنی فوجوں کے ساتھ مخالفوں پر حملہ آور ہو کر انہیں قتل کر کے نابود کر دیا۔

ان ہی ایام میں پریاگ کھتیر کے حکمران راجہ دیوک نے کشمیر کے تیرتھوں کی زیارت کا عزم کیا اور ہرش دیو کا بیٹا بکھاجر، جو مالوہ کے راجا کے پاس زندگی بسر کر رہا تھا، بھی اس کے ہمراہ کشمیر آیا۔ کہان قوم کی ایک جماعت اور اکثر وہ کشمیری جنہیں راجا سوشل نے جلاوطن کر دیا تھا، اس کے ساتھ مل گئے اور راجور کے راجہ سوم پال اور بہلول پور کے راجہ

ڈگر پال سے مدد لے کر کشمیر کو فتح کرنے کے لئے پرچم لہرایا۔ ان ہی ایام میں سوشل نے گگنہ چندر کو ضیافت کھلانے کے بہانے اپنے ہاں بلا کر اس کا تین بیٹوں سمیت گلا گھونٹ کر کام تمام کر دیا۔ اس ذلیل کام کے کرنے پر فوج کے سردار اور دوسرے افسر اس سے بیزار ہو گئے اور انہوں نے فتنے برپا کئے۔ سوشل نے اپنی فوج کو آراستہ کر کے بکھاجر کے خلاف بھیج دیا اور بکھاجر نے جنگ کا ڈھول بجا کر سوم پال کے بل پر جنگ کی۔ سات مہینوں تک جنگ وجدل کا بازار گرم رہا۔ تمام معرکوں میں بکھاجر غالب رہا اور راجا کی فوج مغلوب ہو کر شہر میں آ کر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد سوشل نے اہل وعیال کو لوہر کوٹ بھیج دیا اور خود بکھاجر کے مقابلے میں ثابت قدم رہا۔ لیکن ہر معرکہ میں عاجز آ جاتا تھا اور اس طرح سے اس کے ہزاروں سپاہی ضائع ہو گئے۔ ڈانگر قوم نے بھی لوٹ مار کا ہاتھ دراز کر کے شہر کو غارت کر دیا اور راجا کے شاہی محلات کو آگ لگا کر خاکستر کر ڈالا۔ دو سال تک ملک میں شور وغل اور فتنہ و آشوب برپا رہا۔ کبھی بکھاجر غالب آتا تھا اور کبھی مغلوب ہو جاتا تھا۔ راجا جب پسپا ہوا تو لوگ بھی اس سے علیحدہ ہو گئے۔ کل پانچ ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر تاپر گاؤں میں ملک سہہ بھٹ، جو معزول کئے گئے امراء میں سے تھا، کے گھر میں اُترا۔ اُس نے احترام وعزت اور مہمان داری کے لوازمات بجا لائے لیکن بکھاجر کو خبر بھیج دی کہ سوشل میرے ہاتھوں میں مغلوب ہو چکا ہے۔ بکھاجر کا سپہ سالار کلیان مل تیزی کے ساتھ آ پہنچا اور رات کو راجا پر حملہ آور ہوا۔ فریقین نے جنگ اور خونریزیاں کیں۔ آخر سوشل بھاگ کر پہاڑوں میں رہزنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور اس کے ہمراہیوں کو قتل کر دیا گیا۔ سوشل نے تن تنہا لوہر کوٹ میں پناہ لی اور سارے خدم وحشم کو گنوا دیا۔ اس کی حکومت کا کل عرصہ آٹھ سال چھ ماہ اور اٹھارہ دن تھا۔

۱۰۔ راجہ بکھاجر

راجا سوشل کو ہٹانے کے بعد راجہ بکھاجر نے ۱۱۸ھ (ب) میں راجگی کا خلعت پہن لیا اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنے دشمنوں کو مغلوب کیا کہ لوگ اسکی ہیبت سے لرزتے تھے۔ جو خزانے راجا سوشل کے باقی رہ گئے تھے، انہیں سپاہیوں میں بانٹ دیا۔ وعیب نامی ایک شخص کو اسکی سابق خدمات کے پیش نظر وزیر اعظم بنا دیا اور ایک عرصے تک عدل وانصاف اور احسان سے کام لیا۔ لیکن بالآخر بد معاشوں اور منافقوں کی صحبت میں گرفتار ہو کر بُرے کام کرنے لگا اور ناشائستہ حرکتوں میں مبتلا ہو گیا۔ عزت دار اور اُونچے رتبوں والے لوگوں نے اس کی صحبت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور گوشہ نشین ہو گئے۔ وقت کے امراء نے اسکے کردار سے بیزار ہو کر سرکشی کے خیال اس کی مخالفت کی اور فتنہ وفساد کا بازار گرم ہوا۔ اسی اثنا میں راجا نے مسیٹ نامی ایک سردار کو راجا سوشل کو گرفتار کرنے کے لئے لوہر کوٹ بھیج دیا اور اس کے پیچھے اس کی بیوی جو بڑی خوبصورت اور دلربا تھی، کے ساتھ جت جانے کے بعد اسے اپنے حرم خانہ میں داخل کیا اور اس کے عشق ومحبت میں گرفتار ہو کر ملکی اُمور کو سنبھالنے کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ مسیٹ کا دل یہ خبر سن کر پارہ پارہ ہو گیا اور سوشل کے ساتھ مل کر دونوں نے کشمیر پر قابض ہونے کا ارادہ کر لیا اور امراء کی ایک جماعت نے بھی جو راجا کے کردار سے بیزار تھے، راجا سوشل کو خطوط لکھ کر اسے کشمیر پر قبضہ کرنے کے اُکسایا۔ اپنی لشکر کو ساتھ لے کر سوشل نے بیج بہاڑہ میں آ کر جنگ کا پرچم لہرایا اور سوم پال حکمران راجور نے

جو بکھا جر کا طرفدار اور سپہدار تھا، ترکی فوجوں کی ایک کثیر جماعت اور ہندوؤں کے مختلف طایفوں کے ہمراہ راجا سوشل کے خلاف مقابلے میں آکر جنگ کی۔ سپاہیوں کی قلت کے باوجود راجا سوشل نے دشمن کے فوج کے درمیانی حصے پر حملہ کر کے انہیں تتر بتر کر دیا اور سوم پال کا ماموں جو ایک بڑا سردار تھا، راجا سوشل کے ہاتھوں قتل ہوا اور ترکی جنگجو جو ترکتازی میں مشہور تھے، سوشل کی کمند بازی کے اسیر ہو گئے۔

آخر سوشل نے غالب آکر سرینگر کا رُخ کیا اور بکھا جر نے اپنے نامی گرامی فوجی افسروں کو اس کے مقابلے میں بھیج دیا لیکن وہ سب کے سب راجا سوشل کے ساتھ مل گئے۔ اس کے بعد راجا سوشل پوری قوت اور اطمینان کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور شہر کے لوگوں نے جو بکھا جر کے ظلم وستم سے عاجز آگئے تھے، سوشل کی مدد و معاونت کے لئے اقدامات کئے اور بکھا جر کو شہر بدر کر کے اسے راجوری کے قلعہ میں پہنچا دیا۔ بکھا جر نے کل چھ ماہ اور بارہ دن تک حکومت کی۔

۱۱۔ راجہ سوشل

راجہ سوشل دوسری بار ۱۱۸۸ء (ب) میں حکومت کا تاج سر پر رکھ کر حکمرانی کے تخت پر بیٹھا۔ بکھا جر نے پہاڑی راجاؤں سے مدد حاصل کر کے بیج بہاڑہ میں جنگ کا پرچم بلند کیا۔ راجا سوشل بھی فوج لے کر مقابلے میں آیا اور جنگ ہوئی، جس میں سوشل کے بہت سے سپاہیوں کے سر کٹ گئے۔ بکھا جر نے چکدر کی عمارتوں میں آگ لگا دی اور بہت سے

مال واسباب اور حیوانوں اور انسانوں کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ سوشل نے خود میدان جنگ میں اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے ایک جنگی شیر کی طرح اور مردانہ حرب سے محشر کا سماں پیدا کیا اور بکھاجر کی بہادری کی چوگان میدان میں ٹوٹ گئی اور وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلا۔ لون اور ڈانگر فرقوں نے کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف ڈانواں ڈول رہتے ہوئے چکمہ دے کر ملک کو تباہ کر ڈالا اور کئی سال تک ان دو راجاؤں کے درمیان دشمنیاں اور جھگڑے طول پکڑتے رہے اور بہت سی جنگیں ہوئیں۔ کبھی بکھاجر فتح پاتا اور کبھی سوشل۔ اس وجہ سے اس ملک کے باشندوں کو سخت مصائب جھیلنے پڑے اور شدید قحط بھی اٹھا۔ راجا سوشل نے اپنے متعلقین کو بے جا اذیتیں دیں اور جان بوجھ کر ان کو ناراض کر دیا۔ مجبور ہو کر لوگ بکھاجر کے پاس گئے لیکن وہاں بھی انہیں کوئی بہتری نہیں دکھائی دی اور لوٹ کے پھر راجا کے پاس آ گئے۔ کسی جگہ اُن کا کام نہ بن پایا۔ اعیان مملکت وارکان سلطنت کے فریب کارانہ اور منافقانہ رویہ سے بیزار ہو کر اور اُمور سلطنت کو چلانے سے عاجز آ کر راجا سوشل نے بارہ مولہ کی راہ سے اپنے بیٹے جے سنگھ کو لوہر کوٹ سے بلوا کر اسے اپنا ولی عہد بنایا۔

جے سنگھ اوائل شباب سے ہی شجاع اور بہادر تھا اور اُمور حکمرانی اور انتظام سلطنت میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ لوگوں نے اس کے حکومت میں آجانے پر خوشیاں منائیں۔ اس بار سوشل نے کل ایک سال تین ماہ اور چوبیس دن تک حکومت کی۔

۱۲۔ راجہ جے سنگھ

راجہ جے سنگھ نے، جس کا اصلی نام زیہ سہم دیو تھا، اپنے باپ کی رائے وصواب دید

سے ۱۱۸۹(ب) حکمرانی کا پرچم بلند کیا اور اس کا باپ سوشل اس کے وکیل اور نائب کی حیثیت سے ملکی اُمور کو چلاتا رہا اور مل چندر وزارت عظمیٰ اور سپہ سالاری کے لوازمات بجالاتا رہا۔

خبرداری: کہتے ہیں کہ سوسرم چندر کا بیٹا مل چندر چندر بنسی راجاؤں کی جماعت میں سے تھا، جو چندر قوم کہلاتی تھی اور ہمیشہ کمال شان وشکوہ کے ساتھ نگر کورٹ یعنی کانگرہ پر حکومت کیا کرتے تھے۔دشمنوں کے غالب آجانے پر مل چندر نے وطن کو چھوڑ کر سابق اُلفت ومحبت کے روابط کے پیش نظر راجا جے سنگھ کے پاس پناہ پائی۔راجا نے سابق محبت و دوستی کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوئے پرگنہ لار میں وجہ کفاف ومعیشت کے لئے اسکی جاگیر مقرر کر کے وزارت وسپہ سالاری کا عہدہ بھی اسے دے دیا۔چنانچہ اسکی اولاد وذریات نے پشت در پشت چغتائی بادشاہوں کی حکومت کے زمانے تک امراء اور وزراء کے منصبوں پر فائز رہ کر قابل تعریف کارنامے انجام دئے ہیں، جن کا ذکر آنے والے اوراق میں کیا جائے گا۔

راجا جے سنگھ نے لوگوں کی دل جوئی کر کے ہر ادنیٰ واعلیٰ کو اپنی طرف مائل کیا۔لیکن بعض فتنہ گر راکھ کے نیچے چنگاریوں کی طرح چھپ کر بڑی گرمجوشی کے ساتھ فتنہ وفساد کے کوئلوں کو ہوا دے رہے تھے۔ راجا نے عہد و پیمان کی مضبوطی اور قسموں کی تصدیق و استواری کے ساتھ شہر میں اعلان کرایا کہ قضا وقدر کے معاملات کارخانہ تقدیر کے کار پردازوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔کامیابی اور ناکامی سے مربوط سارے اُمور جو آدمی سے ہوتے ہیں اسکی قدرت کی تقدیر سے وابستہ ہیں۔اس لئے ہر وہ شخص جو امراء سے ہو یا عوام سے ہو اور اس نے زمانہ ماضی کی کج بازی سے ہمارے خاندان کے بارے میں کوئی قصور کیا

ہو، وہ بے درنگ ہمارے دربار میں حاضر ہو جائے تاکہ مربیانہ عنایات سے ہم اس کی خطاؤں کو معاف کر کے اسے بخشش وعطا سے سرفراز کریں۔ اس جان بخشش بشارت کو سن کر بعض سرکش باغی بادشاہ کے دربار میں باریاب ہوئے اور اپنے جرایم سے عفو و درگذر پا کر بادشاہ کے الطاف وعنایات سے نوازے گئے۔ اور عام رعایا بھی راجا کے انصاف و مرحمت سے آرام وسکون میں رہی۔

کچھ عرصہ بعد بکھا جر نے فتنہ وغوغا پر کے پہاڑی لوگوں کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ ملا لیا اور راجا سوشل کے ساتھ عظیم جنگیں اور براہ راست لڑائیاں لڑیں، جن میں کبھی غالب اور کبھی مغلوب ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں معزول راجے ایک دوسرے کے خلاف کارزار میں مشغول رہے اور راجا جے سنگھ سلطنت کے اہم اُمور کے انجام دینے اور رعایا کی دل جمعی میں اطمینان سے سرگرم تھا۔ جب اس کی اہلیت درجہ کمال کو پہنچی تو بعض منافقوں نے باپ بیٹے کے درمیان پھوٹ ڈالی اور وہ ایک دوسرے پر قابو پانے کی فکر کرنے لگے۔ اپنے باپ سے وحشت زدہ ہو کر جے سنگھ نے راجور کے راجہ سے سازش کر کے بکھا جر کو صلح کا پیغام بھیجا۔ اسی اثنا میں بکھا جر کے وزیر نے راجہ سوشل کے ایک معتمد رنبل نامی شخص کو گمراہ کر کے اس کے ہاتھوں راجہ سوشل کو قتل کرا دیا۔ اور اُس کا سر ساتھ لے کر بکھا جر کے پاس جا رہا تھا کہ راستے میں راجا جے سنگھ کے امراء میں سے ایک امیر نے اسے گرفتار کر کے راجا کے پاس پہنچا دیا۔

کچھ عرصہ بعد بانہال کے علاقے میں کہان قوم کی اعانت سے بکھا جر نے شورش اُٹھائی اور جے سنگھ خود بیج بہاڑہ میں جا کر ڈٹ گیا اور اودے چند سپہ سالار لشکر کو اس پر حملہ آور ہونے کے لئے مقرر کیا۔ بانہال کے حدود میں فریقین کے درمیان جنگ وکارزار کی

آگ کے شعلے آسمان کو چھونے لگے۔ بکھاجر دن بہ دن قوی ہوتا گیا اور آخر سپہ سالار اودے چند نے کہان قوم کو، جو بکھاجر کے معاون و مددگار تھے، سازش سے اپنی طرف کرلیا جس سے بکھاجر کی ہمت وقوت کی کمر ٹوٹ گئی۔ جنگ کے دوران اس سپر نہنگ کے آنکھ میں تیر آکر لگا جس سے اُس نے لباس حیات کو دنیا سے لپیٹ لیا۔ بکھاجر سے معرکہ کارزار کے ختم ہوجانے کے بعد سلہن کا بھائی لوٹن جو لوہر کوٹ کے قلعہ میں قید تھا، بھاگ گیا اور اس نے کئی بار شورش کی لیکن جے سنگھ کے بہادروں نے ہر بار اس کی سرکوبی کی اور آخری مقابلے میں اسے قتل کردیا۔

اس کے بعد جے سنگھ پوری آزادی وعظمت کے ساتھ گمراہ کن لوگوں کے خلل ڈالے جانے اور اُن کے نزاع کے بغیر، سلطنت کے اُمور کو منظّم کرنے اور عدل وانصاف کو رواج دینے میں معروف رہا۔ اس نے دانشمند علماء اور ذہین لوگوں کو عزت وحرمت بخشی اور شرو بدباطن لوگوں کی مصاحبت وہم نشینی سے کنارہ کرلیا۔ اس کے زمانے میں پنڈت کلہن ایک بے نظیر عالم تھا جو راجا کے دربار میں ہم نشینی اور امیری کے رتبے پر فائز تھا۔ تاریخ راز ترنگینی جو زمانہ کلجوگ کی ابتدا سے جے سنگھ کی حکمرانی کے زمانے تک کے کشمیر کے راجاؤں کے حالات پر سنسکرت میں مسلسل طور پر نظم میں زبان کی رنگینی اور فصاحت کے ساتھ لکھی گئی ہے اسی کی طبع زاد تصنیف ہے۔

نیز اسی زمانے میں سال ۵۲۵ھ میں ترکستان کے حکمران نے حملہ کر کے افغانستان پر قبضہ کرلیا اور فوج کے ایک افسر کو بھاری لشکر کے ساتھ پنجاب اور کشمیر کو فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ پنجاب کے راجاؤں کے ساتھ مل کر جے سنگھ دریای نیلاب کے کنارے آگیا اور جنگ وقتال کر کے خون کی ندیاں بہادیں۔ اسی دوران راجا جے سنگھ نے

اپنے وزیر مل چندر کو حکم دیا کہ کسی اہل فہم و فراست کو ترکوں کے لشکر میں بھیج دیا جائے کہ وہ حالات کی جستجو اور ان کی فوج کی طاقت کے بارے میں تفحص کر کے لوٹ آئے۔ مل چندر نے اپنی جگہ اندازہ کرنے کے بعد اپنے فرمان برداروں میں سے کسی ایک کو بھی یہ عظیم کام انجام دینے کے لائق نہ پایا۔ ناچار لباس بدل کر خود ہی رات کے وقت ترکوں کی لشکر میں تنہا گھس گیا اور ایک خط لکھ کر اپنے جوتے میں چھپا کر ساتھ لے گیا۔ خراماں خراماں ترکوں کی فوج میں پہنچ کر ہر طرح کی تلاش و جستجو کرتا رہا۔ جب خیمے میں فوجوں کے افسر کے سرہانے پہنچ گیا تو جوتا مع خط کے اس کے تکیے پر رکھ دیا اور خود بڑی عمدگی کے ساتھ حالات کی تفتیش کرنے کے بعد لوٹ آیا۔

کل جب سردار غفلت شعار آرام کی نیند سو کر جاگا تو تکیہ پر سے ایک جوتے میں خط دیکھ کر اسے پڑھا۔ لکھا تھا ''میں ہوں مل چندر راجے سنگھ کا فوجی افسر۔ میں آ گیا اس جگہ پر جب تم غفلت کی نیند میں مست و بے خود پڑے تھے۔ میں نے چاہا کہ تیرے بدن سے سر کو کاٹ کر بندگان خدا کو تیرے ظلم و ستم سے نجات دوں لیکن دشمن کو غفلت کی حالت میں قتل کرنے کو میں نے شرط مروت نہیں جانا۔ اس لئے تمہارا خون بہانے سے میں باز رہا۔ تم جیسے غفلت خصال لوگوں کے شایان نہیں کہ خواہ مخواہ کی بیہودگیوں اور غرور و سرکشی میں اُلجھ کر دلاوروں اور شجاعت پیشہ بہادروں کے خلاف دشمنی کا علم بلند کر کے خود کو اژدہا کے منہ میں ڈال دیں''۔ ترکی فوجوں کے افسر نے جب خط کا مضمون دیکھ لیا تو اس نے کشمیر کے راجا سے صلح کر لی اور واپس چلا گیا۔ اور راجے سنگھ بھی خوش بختی کی مدد پا کر کشمیر کے پائے تخت میں لوٹ آیا۔ مل چندر کو دونوں تبت جاگیر میں بخش دئے اور اس کی قدر و منزلت بڑھائی۔ اس کے بعد مل چندر نے گگنہ گیر گاؤں میں ایک سنگین و مضبوط قلعہ بنایا اور وہاں عیش و

عشرت کے ساتھ رہا۔ جے سنگھ نے ستائیس سال تک حکومت کی اور آخر ترکوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔

کلہن پنڈت نے راجا سوشل اور جے سنگھ اور مل چندر کے حالات خاصی شرح و تفصیل کے ساتھ قریب دو ہزار شلوکوں میں اپنی کتاب میں لکھے ہیں۔ طوالت و فضول گوئی کی وجہ سے ان سے صرف نظر کر کے ہم نے ایک نمونہ لکھ دیا۔

جے سنگھ کی وفات کے بعد مل چندر میں لیاقت و دانش کی برتری کے لحاظ سے حکومت کرنے کا حق تھا لیکن جوانمردی کی رعایت سے اور نمک خوارگی کے حقوق کا پاس کر کے اس نے جے سنگھ کے بیٹے پرمانو کو باپ کی جگہ پر بٹھا دیا۔

۱۳۔ راجہ پرمانو

مل چندر کی اعانت سے راجہ پرمانو نے ۱۲۱۶ (ب) میں بادشاہی کا رتبہ پایا۔ احمق پن اور غرور میں ممتاز تھا۔ چنانچہ بیوقوفی اور بیہودگی کی وجہ سے مل چندر کی بھی کوئی قدر و عزت نہ کی اور بد کردار شریر لوگوں میں سے دو آدمیوں کو وزارت کا عہدہ دے دیا اور خود ہمیشہ ہی لوگوں پر ظلم و ستم ڈھا کر انہیں اذیتیں پہنچاتا رہا۔ اسی اثنا میں مل چندر کی زندگی کا سورج غروب پر پہنچا اور اپنے پیچھے ایک لاکھ ستر ہزار اشرفیاں زر نقد اور سونے کے چار سو من چھوڑ کر فوت ہوا۔ راجا پرمانو کے خلل دماغ اور مل چندر کی موت ہو جانے کی خبر سن کر اطراف کے پکھلی، راجور، جموں، کشتواڑ اور تبت کے راجاؤں نے راجا کی اطاعت کو ترک

کر کے خودمختاری اختیار کی۔

شعبدہ بازوں میں سے دوشعبدہ باز راجا پر مانو سے آ کر ملے اور شعبدہ کی شکلیں دکھا کر کہا کہ یہ وہ صورتیں ہیں جو عالم بالا کے فرشتے یعنی دیوتا ہیں اور تمہاری مدد کے لئے آ رہے ہیں۔ ان کے قدموں کی برکت سے تمہاری حکمرانی جاودان بن جائے گی اور تم ہمیشہ ہی فتوحات اور حکومت کرتے رہوں گے۔ مکاری اور طرّاری سے اسی طرح کی فریب و عیاری کی باتیں بنا کر انہوں نے راجا سے بے شمار دولت لوٹ کر اسے مفلس اور تہی دست بنا دیا۔ نو سال چھ ماہ اور دس روز تک حکومت کر کے راجا کی وفات ہوگئی۔

۱۴۔ راجہ ورتی دیو

راجہ پر مانو کا بیٹا راجہ ورتی دیو ۱۲۲۵ء (ب) میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ کل سات سال تک حکمرانی کر کے فوت ہوا۔ چونکہ اس کا اس جہان فانی میں کوئی میوہ باقی نہ رہا اور حکومت کے وارثوں میں بھی حکمرانی کی لیاقت نہ تھی، اس لئے اعیان سلطنت نے لون فرقے کی ترغیب پر راجہ اُوپیہ دیو کو جو حکومت کرنے کے اہل نہیں تھا، قحط رجال کے سبب حکمران بنا دیا۔

۱۵۔ راجہ اُوپیہ دیو

۱۲۳۲ء (ب) میں تخت حکومت پر بیٹھا۔ تباہی و ویرانی کے بغیر اس کے ہاتھوں اور

کچھ نہ ہوا۔ اسکی حماقت کے قصے مشہور ہیں۔

کہتے ہیں ایک دن جھیل ڈل میں کشتی میں سیر کر رہا تھا۔ اچانک پانی پر نظر ڈالی اور اپنے چہرے کا عکس دیکھا۔ ہنس پڑا تو اس طرح سے عکس کو بھی ہنستے پایا۔ پس قہر وغضب میں آخر اپنے چہرے پر طمانچہ مارا اور انگوٹھی پانی میں گرادی۔ وہاں پر پانی کی سطح پر ایک لکیر کھینچی۔ جب گھر پہنچا تو ایک مصاحب نے پوچھا آپ کی انگوٹھی کہاں کھوگئی ہے۔ کہا جھیل ڈل کی سیر میں پانی میں گر گئی اور وہاں پر میں نے ایک لکیر کھینچ دی ہے تا کہ نشانی رہے۔ کل جا کر وہاں ڈھونڈ لیجیئے۔

کہتے ہیں چھوٹے چھوٹے پتھروں کو بڑے پتھروں کے بچے جان کر تجویز کیا کہ چھوٹے چھوٹے پتھروں کو دودھ پلایا جائے کہ پرورش پا کر بڑے ہو جائیں۔

نو سال اور چار مہینوں تک حکومت کر کے وفات پائی۔

۱۶۔ راجہ رس دیو

راجہ اُوپیہ دیو کا بھائی راجہ رس دیو ۱۲۴۱ء (ب) میں تخت پر بیٹھا۔ اگر چہ حکمرانی کرنے پر اضی نہ تھا لیکن لون فرقے کی صوابدید سے، جو قبیلے والے لوگ اور چست و چالاک قوم تھی، اس کام کی ذمہ داری سنبھالی۔

دو مکار برہمنوں نے جو ایک ہی قبیلے کے تھے، راجا کی ملازمت میں خاصا اعتبار پیدا کیا اور حکمرانی کرنے کے درپے ہو گئے اور فتنہ وفساد برپا کیا۔ چونکہ لون فرقے کی

جماعت راجا کے نیک خواہ تھے، اس لئے برہمنوں کا کام بے رونق ہو کر رہ گیا اور راجا نے پوری آزادی واستحکام کے ساتھ اٹھارہ سال اور تیرہ دن حکومت میں گذارے۔

۱۷۔ راجہ جگ دیو

راجہ جگ دیو نے ۱۲۵۹ھ (ب) میں امرا کے مشورے سے حکمرانی کے تخت پر قدم رکھ کے معمول کے ظلم و جفا کے رسوم کو برطرف کر دیا اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو خوشحال رکھا۔ فسادیوں کو سخت سزا دی۔

کچھ عرصہ بعد امراء وزراء نے بُری لالچ کی وجہ سے اُسے تخت سلطنت سے اُٹھا کر ہندوستان کی طرف نکال دیا۔ کراہل نامی وزیر نے جو صاحب عقل وفہم تھا، البتہ راجا کے ساتھ موافقت کی اور دونوں ملک سے باہر چلے گئے۔ جب دُور فاصلہ طے کیا تو راجا اس مدبر اور روشن ضمیر وزیر کے کہنے پر کشمیر کی طرف لوٹ آیا اور یہاں پہنچ کر ایک قلیل جماعت کے ساتھ دشمنوں کو شکست دے کر پھر سے تخت نشین ہوا اور وزیر کی رہنمائی میں رعایا کی خوشحالی و بہبودی کی طرف متوجہ ہو کر نیک نامی پائی۔

کہتے ہیں سخاوت و بخشش اور جود و عطا میں حاتم سے بھی سخی تر تھا۔ کشمیر کے لوگ اسے جگ دیو داتا کہتے تھے۔ بالآخر پدم نامی ایک شخص نے، جو راجا کے رشتہ داروں میں سے ایک صاحب اعتبار اور مقتدر آدمی تھا، سلطنت کی ہوس میں راجا کو زہر دے کر مار ڈالا۔ راجا نے چودہ سال تین ماہ اور تین دنوں تک حکمرانی کی۔

۱۸۔ راجہ رازہ دیو

راجہ جگ دیو کے چچیرے بھائیوں میں سے تھا۔ پہلے شریر لوگوں کے خوف سے کشتواڑ کی طرف قیام پذیر تھا۔ وہاں راجا کے موت کی خبر پا کر لوٹ آیا اور کھاور پارہ میں ایک جماعت کو اکٹھا کر کے سیر قلعہ میں بغاوت کا پرچم لہرایا۔ ادھر سے جگ دیو کو مار ڈالنے کے بعد پدم نے ہنگامہ آرائی کر کے حکومت کی تیاری کر لی تھی لیکن جب رازہ دیو کے حملے کرنے کی اطلاع پائی تو اپنی جماعت کے ساتھ مقابلہ کرنے کو نکلا اور رازہ دیو کو قلعہ بند کر کے محاصرے میں گھیر لیا۔ طرفین میں سخت جنگ وجدل اور داد شجاعت دینے کے نتیجے میں خون کی ندیاں بہہ گئیں۔

ایک دن ایک شخص ایک پاک وصاف جوتے کو جو نقش ونگار سے آراستہ تھا، تحفہ کے طور پر پدم کے پاس لایا۔ پدم اسے دیکھنے میں مشغول تھا کہ پیچھے سے ایک پیادہ سپاہی نے آ کر اسے قتل کر دیا۔ اہالی قلعہ خوشی کے ڈھول بجاتے ہوئے قلعہ سے باہر آ گئے اور اعیان وارکان سلطنت نے اجتماع کر کے راجا رازہ دیو کو تخت پر بٹھا دیا۔ مفافقین اور مخالفین سب اس سے متفق ہو گئے۔

راجا نے اکابرین میں سے ہر ایک پر شفقت ونرمی کے ساتھ نوازشیں کیں۔ لون فرقے کو، جو طرح طرح کے فتنہ وفساد برپا کرنے سے سرکش ہو گئے تھے، اپنا ایسا اطاعت گذار وفرمان بردار فرقہ بنا دیا کہ وہ گھاس کے انبار سروں پر لا کر شہر میں پہنچایا کرتے تھے۔

مل چندر کے بیٹے کھکہ چندر کو، جو ہمیشہ سپہ سالاری کے خطاب سے کامران تھا، راجا رازہ دیو نے اس کے قدیمی عہدہ پر برقرار رکھتے ہوئے اسے ناموری دے کر اعتبار و اقتدار بخشا لیکن خدای قادر کی تقدید سے اس نے ۶۳۷ھ میں اس دنیای فانی کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے بلاد چندر نے اپنے باپ کے عہدے کی بلندی پائی۔ پست فطرت لوگوں نے فتنہ انگریزیوں کی راہ سے راجا رازہ دیو کے خلاف دشمنی کی جس کی وجہ سے بلاد چندر نے سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے نصف شہر پر قبضہ کرلیا اور بلدیمر محلے میں اپنی جگہ قائم کر کے اسے اپنے نام سے مشہور کر دیا۔

اپنی نسبت راجا کی کم توجہی اور بے التفاتی کے نتیجے میں بے عزتی کے اثرات کو پا کر برہمنوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ راجا کو تخت سلطنت سے ہٹا کر اس کی جگہ پر کسی اور کو بٹھا دیا جائے۔ کسی طرح سے راجا اُن کے اس مشورے سے خبردار ہوا اور اس نے حکم دیا کہ بھٹ فرقے کو غارت کیا جائے۔ سپاہی جب پنڈتوں کا تاراج کر رہے تھے تو اُن میں سے اکثر پنڈتوں نے اپنے حسب نسب سے انکار کیا۔ چنانچہ ابھی مشہور ہے بٹو۔ نہ بٹو یعنی کیا تم بھٹ ہوا؟ حاشا! ہرگز نہیں۔ میں بھٹ نہیں ہوں۔

اس زمانے میں جملا چارج نامی ایک عالم و فاضل آدمی تھا، جس نے لیپ سالوں کے حساب پر ارناس و چارنام کی کتاب تصنیف کی۔ راجا نے پرگنہ آڈون میں جمال نگر گاؤں اسے جاگیر میں دے دیا۔

راجا نے اپنی حکومت میں دو گاؤں بسائے ایک لاجورار دوسرا رُزلو۔ تئیس سال تین ماہ اور ستائیس دنوں تک حکومت کی۔

۱۹۔ راجہ سنگرام دیو

راجا رازہ دیو کا بیٹا راجہ سگرام دیو ۱۲۹ھ (ب) میں باپ کی جگہ فرمانِ ہی کے تخت پر بیٹھا۔ اس نے فوج کی نگہداشت کرنے کی بہت کوشش کی اور بلاد چندر کو سپہ سالاری کا عہدہ دیا۔ اس نے بلدیمر محلے میں شاہی تعمیرات بنوائیں اور دچھن پارہ پرگنہ کے سلر گاؤں میں ایک سنگین و مضبوط قلعہ تعمیر کیا۔

سنگرام دیو نے سابق راجاؤں سے بڑھ کر مکمل تسلط اور اقتدار پایا اور خدم و حشم نیز لشکر کی تعداد میں بھی خاصا اضافہ کیا۔ راجا کی ہیبت سے سرکشی باغی لوگ اطراف و جوانب کی طرف بھاگ نکلے۔ راجا نے اپنے بھائی سورج دیو کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ دے کر قدر و منزلت میں اُسے اپنے برابر جانا۔ لیکن اپنی بدبختی اور خود کو برابری کا درجہ دیئے جانے کے دغدغے سے اس نے بغاوت کا پرچم لہرایا۔ راجا نے اُس کے صلاح و مشورے کی آگاہی پا کر اسے حکومت سے برطرف کر دیا۔ خوف جان کی وجہ سے سورج دیو نے گگنہ گیر قلعہ میں جا کر بلاد چندر کے دامن میں پناہ لی۔ راجا نے محافظ اور محفوظ دونوں کے خلاف لشکر کشی کی۔ سرکشوں نے جب اپنے اندر مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پائی تو وہ شکست کھا کر اسکردو کی طرف بھاگ گئے۔ اسکردو کے حکمران ٹونگ نے پہاڑوں کے اطراف سے کثیر فوج جمع کر کے سورج دیو کی مدد کرنے کے لئے کشمیر کے راجا کے خلاف جنگ کا علم بلند کیا۔ یہ خبر سنتے ہی راجا نے ایک لشکر جرار کو اسکردو کے راجہ کے خلاف بھیج دیا اور ٹونگ راجا کے خانمان کو مٹا

کراُس کے ملک کو بھی ویران کر دیا۔ پریشان حال اور پر شکستہ ہو کر سورج دیو پہاڑی دروں میں اپنے مددگاروں سے دُور پڑ کر آوارہ پھرتا رہا۔ اور بالآخر اپنے دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ راجا نے اسکے بدن کے ٹکڑے کر دئے اور مرزبان شہر کو بھی مار ڈالا۔ آخر کار راجا اپنے بھائی کو مار ڈالنے کی وجہ سے شدید بیماری میں مبتلا ہوا۔ ۶۵۰ھ میں بلاد چندر اس فانی دنیا سے باقی رہنے والی دنیا کی طرف روانہ ہوا۔ اسکی جگہ پر اس کا بیٹا سنگرام چندر باپ کا قائمقام ہوا اور اس نے بیج بہاڑہ قصبہ میں سنگرام محلّہ اور چندرہ پار محلّہ بسائے۔

اس کے بعد کلھن کے بیٹوں نے، جو اس کے چچیرے بھائی تھے، شورش اٹھا کر ملک کو غارت کیا۔ راجا اُن کا مقابلہ کرتے کرتے تنگ آ گیا اور راجور کے راجا کے پاس مدد مانگنے گیا۔ اس کے پیچھے ڈانگروں کے طایفہ نے خروج کر کے کشمیر کو تحس نحس کر ڈالا اور لوٹ مار کی۔ چند دنوں کے بعد سنگرام دیو بھاری لشکر کے ہمراہ راجور سے لوٹ آیا اور کلھن کے بیٹوں سے نبرد آزما ہو کر ان کو گرفتار کر لیا۔ کمال قدرت رکھنے کے باوجود وہ ان کو قتل کرنے پر راضی نہ ہوا بلکہ ان پر عنایتیں اور مہربانیاں کیں۔ راجا نے عالموں اور اور شاعروں کی اپنی حکومت میں بڑی قدر و منزلت کر کے ان کی عزت افزائی کی۔ کل سولہ سال اور دس دن تک حکومت کر کے وفات پائی۔

۲۰۔ راجہ رام دیو

راجا سنگرام دیو کے بیٹے راجہ رام دیو نے ۱۳۱۳ سنہ (ب) میں حکومت کا خلق پہننے کے

بعد باپ کے مخالفین کو پھانسی دی۔ دچھن پارہ پرگنہ میں لدر دریا کے جنوبی کنارے پر ایک مستحکم قلعہ بنایا۔ اس کے عہد میں پرتھی راج وزیر اور صاحب اختیار عہدہ دار تھا، جس کی حسن تدبیر سے مملکت کا انتظام ہوا کرتا تھا۔

کہتے ہیں راجا کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے لچھن نامی ایک برہمن لڑکے کو اپنا متنبیٰ بنا کے اسے ولی عہد مقرر کر دیا۔ اکیس سال اور بارہ دنوں تک حکومت کر کے فوت ہوا۔

۲۱۔ راجہ لچھن دیو

۱۳۳۴ء (ب) میں ولی عہدی کا تاج سر پر رکھنے کے بعد اپنی پست فطرتی اور کم ہمتی کے باعث سلطنت کا بوجھ اُٹھا نہ سکا۔ اس زمانے میں کچل نامی ایک جادوگر، جو جادو اور منتر میں مہارت رکھتا تھا اور سحر و طلسم سے لوگوں کو رُلاتا تھا، سیر و سیاحت کرنے کے لئے کشمیر میں داخل ہو کر کوہ سلیمان کے دامن میں قیام پزیر ہوا۔ چونکہ کشمیر کے لوگ بہت ہی سُست اعتقاد ہیں، وہ جوق در جوق اس کے پاس جاتے رہے اور یوں ہزاروں آدمی اس کے مکر و فریب کے دام میں گرفتار ہو کر اس کے مطیع و فرمان بردار بن گئے۔ یہاں تک کہ اسے حکمرانی کا خیال آیا اور صفحہ روزگار پر طرح طرح کے فتنے پھیلائے اور لشکر و فوج کے بغیر شہر کو مسخر کر لیا۔ ارکان حکومت اسے زیر کرنے سے عاجز آ گئے۔ بالآخر سنگرام چندر سے متفق ہو کر انہوں نے لشکر کشی کر کے کچل جادوگر کو مغلوب کیا۔ راجا نے تیرہ سال اور تین ماہ تک حکومت کی۔

۲۲۔ راجہ سہم دیو

راجہ لچھمن دیو کا بیٹا راجہ سہم دیو ۱۳۴۸ء(ب) میں تخت نشین ہوا۔ سنگرام چندر نے لار سے خروج کر کے جدید راجا کے خلاف جنگ کی اور بالآخر معرکہ جنگ میں قتل ہوا۔ اس کا بیٹا رام چندر اطاعت گذاری کا طوق گردن میں ڈال کر اپنے آباء کے عہدے پر فائز ہو کر سرفراز ہوا۔

ان ہی ایام میں شنکر آچارج نے، جو وقت کے علماء کا پیشوا تھا، شہر میں پہنچ کر چل جادوگر کے ساتھ مباحثہ و مناظرہ کر کے اس کے سحر و جادو کو پامال کیا اور لوگوں کے ہجوم سے دسویں منڈہ کے دن اُسے ملک سے باہر نکلوا دیا۔ اس کے بعد اُس نے بدھ مذہب کے عالموں سے مناظرہ کر کے اُن سب کو پامال و زیر کر لیا اور اکثر بدھ علماء کو قتل کر کے اس ملک میں شو مذہب کو رائج کر دیا۔ شنکر آچارج کی نسبت تعظیم و آداب حرمت بجا لا کر راجا نے اسے اپنا مربی اور مرشد بنا لیا اور اس کے حکم سے ہرگز نافرمانی نہیں کی۔

کوہ سلیمان کے دامن میں اپنی عمر عزیز گذار کر شنکر آچارج نے وفات پائی۔ اس کی بیوی نے اپنے تمام زیورات و اسباب بیچ کر مُرن گاؤں میں ایک سنگین حوض بنا کر اسے عوام کے لئے وقف کیا۔

کہتے ہیں کشمیر میں اگلے زمانوں سے رسم تھی کہ اگر کوئی عورت بدکاری کا ارتکاب کرتی تو اس کے باپ کو قید میں ڈال کر اس سے تاوان لیتے تھے۔ ایک روز راجا سہم دیو، عطا

گلی نامی ایک زیبا نگار مطربہ سے گانا سُن کر بہت محظوظ ہوا اور گانے والی اس عورت کو کوئی بھی انعام مانگنے کی اجازت دی۔ مُطربہ نے عرض کی کہ اس ملک میں بیٹی کے گناہ پر اس کے باپ کو سزا دیتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں اسے معاف کر دیا جائے۔ اُس کی اس عرضداشت پر راجا نے یہ بدعت ختم کر دی۔

کہتے ہیں راجا سہم دیو کسی وقت تک رعایا کی خیر و خوبی اور اُن کی خوشحالی و بہبودی میں مشغول رہا لیکن آخر میں اہل فتنہ وفساد کے گمراہ کرنے پر انحراف کر کے بُرے اور مذموم کام کیئے۔ یہاں تک کہ امراء اور وزراء اس کے اعمال و کردار سے بیزار ہو کر اسکی خرابی کے اقدامات کرنے لگے۔ دُر نامی ایک شخص نے، جو راجا کے مقربین سے تھا، بعض امراء کے ایما پر راجا کو قتل کر دیا۔ راجا نے چودہ سال اور پانچ ماہ تک حکومت میں گذارے۔

۲۳۔ راجہ سُہہ دیو

قسمت کی یاوری سے ۱۳۶۲ (ب) میں باپ کے تخت پر بیٹھا اور رام چندر کو سپہ سالاری کا عہدہ دیا۔ اُنیس سال اور چار مہینے سلطنت کے بندو بست و انتظام میں گذارے۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰہ شُیئاً ھَیّاً اسبابُہ (اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو اسباب بھی ویسے ہی مہیا کرتا ہے) کے مطابق اس کے عہد میں اطراف سے تین آدمی یہاں آ کر قیام پزیر ہوئے۔

ایک تھا شاہ میر، جو شاہ طاہر بن فور شاہ کا بیٹا تھا اور سواد گُنر سے آ کر بارہ مولہ میں

رہا۔ اُس کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے دادا فور شاہ نے، جو صاحب کرامات و اہل کشف تھا، ایک بار شاہ میرزا کو کم سنی میں گود میں لے کر کہا کہ عالم غیب سے مجھے الہام ہوا ہے کہ ہمارے جگر کا ٹکڑا یہ بیٹا کشمیر کی بادشاہی کو ترتیب دے گا بلکہ کئی پشتوں تک نسلاً بعد نسلاً اسکی اولاد وہاں حکمرانی و جہانداری کا ڈنکا بجائے گی۔

چونکہ کُنز سواد کے لوگوں کو فور شاہ کی کشف و کرامات پر یقین کامل تھا، اس لئے شاہ میرزا کے بالغ ہو جانے پر اُنہوں نے اس کے جد بزرگوار کی بشارت کو یاد دلاتے ہوئے اسے کشمیر جانے پر اُکسایا۔ اس کے بموجب عیال و اطفال کے ہمراہ شاہ میرزا سال ۷۲۰ھ میں کشمیر چلا آیا اور اس کے حسب نسب کی بلندی کی رعایت میں راجا سہہ دیو نے اسے پرگنہ کروھن میں دارہ ویر گاؤں جاگیر میں دے دیا اور اپنی مصاحبت و ہم نشینی سے معزز و سرفراز کیا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ شاہ میرزا پانڈوں کی نسل سے تھا۔ چنانچہ شاہ میرزا ابن شاہ طاہر ابن فور شاہ ابن کرشٹ ابن آل ابن بنگو در تھا اور بنگو در کی نسبت ارجن دیو تک پہنچتی ہے، جو پانڈوں میں سے تھا اور پانڈوں کے حالات مہا بھارت میں مذکور ہیں۔ اور یہ شاہ میرزا کشمیر کے سلاطین کا جد ہے۔

دوسرا شخص تبت کے حکمران بُغین کا بیٹا رینچن شاہ تھا، جو اپنے چچا کی دشمنی سے مغلوب و پریشان حال ہو کر کشمیر چلا آیا اور امداد و اعانت کے لئے رام چندر سے التجا کی اور کوئی برسوں تک مدد و معاونت کی اُمید میں گگنہ گیر گاؤں میں آسودگی کے ساتھ رہا۔ جہاں اُسے خزانے سے وظیفہ ملتا رہا۔

تیسرا آدمی لنگر چک تھا، جو چک فرقے کا جد ہے اور وہ دشمنوں کے خوف سے دارُدو سے کشمیر میں راجا کی پناہ میں آگیا۔ مورخوں نے اس کے نسب کے بارے میں عجیب

قصے نقل کئے ہیں جن کا ذکر اپنی جگہ پر ہوگا۔

نیز اس عہد میں بلکہ اس عہد سے پہلے کشمیر کے لوگ راہ مستقیم سے منحرف ہو کر بدکاریوں اور بدکرداری میں پڑ کر فسق و فجور اور جرائم و یقصیرات میں مبتلا ہو گئے تھے اور خیر و نیکی کے کاموں کو چھوڑ کر لہو ولعب، شراب نوشی اور جوا کھیلنے کی وجہ سے تمام نیک صفات سے محروم ہو چکے تھے۔اس کردار کے پاداش میں اس حقیقی انتقام لینے والے خداوند نے اس قوم کو مصیبت و آفت کے گرداب میں ڈال کر فنا کر ڈالا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ:

سال ۷۲۴ھ میں ذوالقدر خان، جو چنگیز خان کے بیٹے ہلاکو خان کی اولاد سے تھا اور کشمیر کے لوگ اُسے ذوالچو کہتے ہیں، ترکستان سے ستر ہزار سوار فوج کی لشکر کے ساتھ کابل کی راہ سے آیا اور بہت سے شہروں میں قتل عام کیا۔ اس کے بعد اپنے عزم کے گھوڑے کو کشمیر کی طرف دوڑا کر وہ اوائل بہار میں یہاں پہنچا۔ یہ خبر سن کر راجا سہہ دیو نے اپنی فوجوں میں طاقت مقابلہ نہ پا کر اور قوت مدافعت نہ دیکھ کر اپنے قوم قبیلے کے ہمراہ بھاگ کر کشتواڑ کی راہ لی۔

ذوالقدر خان نے میان سے خون آشام تلوار نکال کر یہاں کے ہر خاص و عام باشندوں کا قتل عام کیا اور یہاں کی عورتوں اور بچوں کو ترکستان سے ہمراہ لائے ہوئے تاجروں کے ہاتھ بیچ کر خزانے جمع کئے۔ ہر کسی سے مال ومتاع اور حیوانات وگلہ وریوڑ چھین کر شہر کے مکانوں کو نذر آتش کر کے راکھ کر دیا۔اور موسم بہار کی کھیتی کی بیجوں کا ایک دانہ بھی بویا نہ گیا اور ربیع کی فصل کو گھوڑوں کے لئے اصطبل میں کھانے کو ڈال دیا گیا۔

رام چندر سہہ دیو راجا کے سپہ سالار نے لار پرگنہ کے علاقے میں گگنہ گیر قلعہ میں محفوظ رہ کر بہت سے بزرگوار لوگوں کو اپنی پناہ میں رکھا۔ بعض ستم رسیدہ لوگ پہاڑوں کی

کھوہ میں چھپ کر شریروں کے قہر سے بچ گئے اور بعض تبت اور گلگت اور کشتواڑ کے اطراف میں بھاگ کر مال وعیال سے محروم رہ گئے۔ فتنہ وعناد سے ذوالقدر خان نے آٹھ ماہ تک اس ملک کی بیخ کنی کی اور خرابی وتباہی سے وحشت پھیلا دی۔ جاڑے کے موسم میں ہوا میں شدت کی سردی اور سرما کی سختی اور غلے کی نایابی کی وجہ سے مجبور ہو کر اسے واپس چلے جانے کا خیال آیا۔ قیدیوں سے ہندوستان جانے کی راہ کے بارے میں پوچھ تاچھ کی تو انہوں نے پیرہ پل پہاڑ (دیوسر) کے اُوپر سے کھوری راستے سے گذرنے کی رہنمائی کی اور پچاس ہزار کشمیری قیدیوں کو مع بچوں اور عورتوں کے ہانکتے ہوئے ہندوستان جانے کے ارادے سے کشمیر سے چلا گیا۔ جب دیوہ سر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے تو باد سموم چلنے لگی اور آسمان سے برف اور اولے گرنے لگے۔ گرج دار آوازوں کے ساتھ تند وتیز کڑک کے لِمَنِ المُلک الیوم لِلہ وَاحِدِ القھار کا شور وغوغا اُوپر سے غُراتا ہوا آکر شریر لشکر کے فوجیوں کے جگر پھاڑتا گیا اور طوفانِ برف نے طغیانی کر کے ان شریروں اور اس ملک کے قیدیوں کو غرق برف کر کسی ایک فرد کو بھی زندہ باقی نہیں چھوڑا۔

بیک لمحہ از حکم عالم پناہ ہزاران سرِ سروان شد تباہ

(اس عالم پناہ کے حکم سے ایک لحظہ میں ہزاروں سرداروں کے سر تباہ ہو گئے)

اس شریر قوم کے ہلاک ہو جانے کے بعد جب اس ملک کے بچے کھچے لوگ پہاڑوں کی کمین گاہوں سے باہر نکلے تو صفحہ روزگار پر اپنے قوم قبیلے کے کسی بھی آدمی کو زندہ نہ پا کر وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو کر خون کے آنسو رونے لگے۔ غرض سو آدمیوں میں سے ایک آدمی زندہ بچ چکا تھا اور انہوں نے دیہات میں جا کر اپنے لئے ایک گھر کو اختیار کیا۔ شہر میں کل گیارہ آدمیوں نے نئے مکان تعمیر کئے۔

سپہ سالار رام چندر جولار کے علاقے میں گگنہ گیر قلعہ میں رہتا تھا، اپنے قوم قبیلے کے ساتھ اندر کوٹ قلعہ میں آکر قیام پذیر ہوا۔ رینچن اور شاہ میرزا، جو حادثے کے وقت اسکی حمایت کے دامن میں آسودہ تھے، دونوں اس کی صحبت و ملازمت سے سرفراز ہوئے۔ راجا سہہ دیو کشمیر کی حکومت سے دلگیر ہو کر کشتواڑ ہی میں خسر دامادی کے رشتے کی وجہ سے وہاں کے راجا کے پاس رہا۔

سال ۷۲۵ھ میں کشمیر کے بچے کچھے لوگوں نے اپنی طاقت وقوت کی بساط کے مطابق آبادی کی خاطر کوششیں کرتے ہوئے خرمن جمع کئے۔ چونکہ کشمیر میں کوئی ناظم نہ تھا اور نہ کوئی حکمران، کہان فرقے کے لوگوں نے پہاڑوں میں شورش اُٹھا کر مراج کے علاقے کو لوٹ لیا اور غلہ جات وحیوانات اور مال ومتاع کی صورت میں جو چیز اُن کے ہاتھ لگی اُسے لوٹ کر لئے گئے۔ کشمیر کے مصیبت زدگان نے کہان فرقہ کی غارتگری سے ڈر کر رام چندر کی طرف رجوع کیا۔ رام چندر نے رینچن اور شاہ میرزا کو کہان قوم کی مدافعت کے لئے مامور کیا اور رینچن نے کمال دلاوری وشجاعت کے ساتھ کہان قوم کی کمین گاہ پر ثابت قدم رہ کر اس قوم کو حسن تدبیر سے گرفتار کیا اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھانسی پر لٹکا دیا۔ لوگ جب کہان فرقہ کے خوف وہراس سے آزاد ہو گئے تو انہوں نے سلام وشکرانے کے طور رینچن کو نقد وجنس کے اشیاء پیش کش کئے اور رینچن نے کچھ اشیاء اپنے لئے رکھیں اور کچھ رام چندر کو دیں۔ اسی اثنا میں رینچن کو حکمرانی کا خیال دل میں سما گیا اور شاہ میرزا کو اپنے ساتھ ملا کر دونوں نے رام چندر کو ہٹانے کی تیاری کر لی۔

ان ہی ایام میں رینچو لار پرگنہ میں گیا تھا۔ رام چندر نے اُسے پیغام بھیجا کہ اس علاقے کے باشندوں سے کوئلوں کے چند بوجھ لے کر بھیج دے۔ اس روز تبت کے لوگوں کی

ایک جماعت گھوڑوں پر غلہ لاد کر شہر کو جا رہی تھی۔ رینچن نے ان کو اپنے ساتھ ملا کر بوریوں میں کوئلے بھر دئے اور کوئلوں میں جنگی سامان چھپا کر انہیں اپنے ہمراہ اندر کوٹ میں پہنچا دیا اور کوئلوں کو ایک کمرے میں ڈال کر اس کے دروازے پر تالا لگا دیا۔ رات کو کمرے کا دروازہ کھول کر سامان جنگ تبتیوں نے اور اپنے مددگاروں کے ہاتھ میں دے دیا اور خود رام چندر کے شبستان میں گھس کر رام چندر کو قتل کر دیا اور اس کی طرف سے مقابلے میں آنے والوں کو بھی تلوار کی کاٹ سے گذار دیا اور رام چندر کے بیٹے روان چندر کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ اندر کوٹ کے اس اس ماجرا کے ختم ہونے کے بعد رینچن تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہوا اور وہاں حکمرانی کے تخت پر بیٹھا۔

یاداشتیں

(۱) روایت ہے کہ اعلیٰ وادنیٰ لوگوں کے مولا جناب حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی خود اس جگہ پر سلطان پر جلوہ گر ہوئے اور فرمایا: اے سلطان! تم نے مجھے مفت میں خدا کے پاس بیچ ڈالا۔ اگر اس خرقہ کی وسالت سے تم نے سارے عالم کی فتح اور اسلام کی نصرت چاہی ہوتی جب بھی کم تھا۔

دسواں تخت

سلاطین کشمیر کے ذکر میں

ا۔ رینچن شاہ
(رینٹچن)

۷۲۵ھ مطابق ۱۳۸۱(ب) میں ملک کے تخت پر حکمرانی کا استحکام پا کر فرماندہی کا بانی بن گیا اور سب اُس کے مطیع و اطاعت گذار ہوئے۔ رام چندر کی بیٹی کوٹہ رین کے ساتھ بیاہ کیا اور اس کے بھائی روان چندر کو طرح طرح کے الطاف و اکرام سے نواز کر رینہ کے خطاب یعنی مدار المہامی (وزارت عظمیٰ) کے رتبے پر فائز کیا۔ اور شاہ میرزا کو وکیل الملک کا عہدہ دے کر کارخانہ حکمرانی اُسی کے حوالے کر دیا اور اپنے بیٹے حیدر خان کا اتالیق بھی بنا دیا۔

راجا سُہہ دیو، جو ذوالچو کے واقعہ میں کشتواڑ کو بھاگ گیا تھا، اپنی موروثی سلطنت پانے کی اُمید میں کشمیر میں آ گیا۔ جب حالات اپنی مراد کے برعکس دیکھے اور اپنے سے ادنیٰ رینچن کے آگے سر کو خم بھی نہیں کر سکتا تھا اور خود میں مقابلہ کرنے کی قوت بھی نہیں تھی اس لئے مجبور ہو کر فرار کی راہ اختیار کر کے کشتواڑ میں قیام پذیر ہوا اور رینچن سلطنت کے اُمور سنبھالنے اور ملک کی آبادی میں مشغول رہا۔

کشمیر میں دین اسلام کی اشاعت

مورخین نے راجاؤں کی حکمرانی کی مدت رینچن کے زمانے تک چار ہزار چار سو پینتالیس شمسی سال لکھی ہے اور اس عرصے تک اس ملک میں ہندو مذہب کا طریقہ رائج تھا۔ لیکن کوئی شخص خالص مذہب پر عمل پیرا نہ تھا بلکہ مختلف طور طریقے اور مذہبوں کی کافی رنگارنگی اور کثرت تھی۔ ان میں اَلنَّاسُ عَلٰی دین مُلوکیھم (لوگ اپنے بادشاہوں کے طور طریقوں پر چلتے ہیں) کے مطابق بدھ مذہب کا بہت زیادہ رواج تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی مختلف مذاہب کے لوگ جیسے کتھری، ویش، کالست، پارسی اور ناگ پرست وغیرہ اور بہت سے فرقے یہاں رہتے تھے۔ چونکہ ذوالچو کے واقعہ میں بہت لوگ قتل ہو گئے، اس لئے مختلف مذہبوں کے لوگوں کی کم تعداد باقی رہ گئی۔ جب رینچن، جو بدھ مذہب کا تھا، حکمرانی کے تخت پر بیٹھا تو اس نے مذاہب وملل میں اختلافات کی کثرت کی وجہ سے حقیقی مذہب میں خلل پایا اور چاہا کہ اس ماتحت ملک میں ایک ہی دین کو رائج کرے اور چونکہ شو مذہب میں داخل ہونا مشکل تھا تو دیگر مذاہب کے بارے میں بھی تردّد میں رہا۔ اس لئے اس نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ کل اوّلِ صبح جس آدمی کو دیکھوں گا میں اُسی کے مذہب کو اختیار کروں گا۔

صبح کو جناب سید شرف الدینؒ ملقب بہ بلبل شاہ کو دیکھا جو دریای بہت کے اُس کنارے پر نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کی نماز و دعا کے طریقے کو پسند کر کے اہل وعیال کے ساتھ اُن کے مذہب میں داخل ہوا اور دین اسلام کی متابعت کا طوق گردن میں ڈال کر خود کو

ملک صدرالدین کا لقب دیا۔ دوسرے دن اس کی پیروی میں رام چندر کا بیٹا راون چندر اور بزرگان سلطنت اور عام لوگ جوق در جوق حضرت سید بزرگوارؒ کے ہاتھ پر دین اسلام کی بزرگواری سے شرفیاب ہوئے۔ اس واقعہ کی تاریخ طلوع آفتاد دین احمدی (۷۲۶ھ) سے نکالی گئی ہے۔

پار من بہر محفل آرائی شُد تماشی ہر تماشائی
رُوی اُو کرد دعویٰ اسلام موی اُو کرد کفر آرائی
کفر و اسلام راجنگ آورد کود مر آن جنگ راتماشائی

(میرا محبوب محفل آرائی کے لئے ہر تماشائی کا تماشا بن گیا۔ اُس کے چہرے نے اسلام کا دعویٰ کیا تو اس کے موئے (بال) نے کفر کو آراستہ کیا۔ کفر واسلام میں جنگ کرائی اور خود اس جنگ کا تماشا دیکھنے گا)

دین اسلام کی سعادت پانے کے بعد رینچن شاہ نے اپنے مرشد بزرگوار کے لئے دریائے بہت کے کنارے پر ایک بلند خانقاہ تعمیر کی اور یہ اوّلین خانقاہ ہے جو کشمیر میں بنی اور اس میں مسافروں اور حاجت مندوں کے آنے جانے کے لئے لنگر جاری کیا اور خانقاہ کے باورچی خانے اور اخراجات کے لئے پرگنہ ناگام سے چند گاؤں مقرر کئے جو چغتائی بادشاہوں کے زمانے تک جاری تھے اور فقیر و مسکین لوگ وہاں سے روزانہ خوراک پاتے تھے۔ اسی لئے اس محلے کو بلبل لنگر کہتے تھے۔

رینچن شاہ نے اپنی رہائش کے لئے شاہی محل بسایا جو اب حضرت سید محمد امین اویسیؒ کی مرقد شریف کی جگہ ہے۔ اس کے ساتھ خاصی وسیع جامع مسجد بھی بنائی جہاں خود آ کر جمعہ کی نماز پڑھتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد جامع مسجد جل گئی اور اس کی جگہ چھلے ہوئے پتھروں کی

ایک چھوٹی سی مسجد بنوائی جو ابھی موجود ہے اور اسے رینٹن مسجد کہتے ہیں۔

رینچن شاہ نے کل دو سال سات ماہ تک حکومت کر کے وفات پائی اور خانقاہ بلبل شاہ کے متصل جنوب میں آسودہ ہوا۔

۲۔ ادون دیو

راجا سہہ دیو کا بھائی ادون دیو، جو ذوالچو کے واقعہ کے دوران پکھلی کی طرف بھاگ گیا تھا، ارکان ملک کی صوابدید سے کشمیر آ کر کوٹہ رانی کے ساتھ بیاہ کرنے سے سرفراز ہوا اور ۷۲۸ھ میں (مطابق ۱۳۸۴ بکرمی) سلطنت کشمیر کے تخت پر بیٹھا۔ شاہ میرزا اور پیچہ بٹ کا کاپور کو وزارت اور سپہ سالاری کا عہدہ دیا۔

سال ۷۳۲ھ میں اُردن نامی ایک تُرک ہیرپور کے راستے سے بھاری فوج کے ہمراہ کشمیر میں داخل ہوا اور یہاں کی حکومت کے کام میں خلل پیدا کیا۔ یہ خبر سن کر ادون دیو بزدلی اور احمق پن کی وجہ سے تبت کی طرف بھاگ نکلا لیکن کوٹہ رین کے فرمان پر شاہ میرزا نے دشمن خونخوار کو ہٹانے پر ہمت کی کمر باندھی اور اس نے دیہات کے اکابر اور سرکش لوگوں کے نام خط لکھے کہ اس سے پہلے آپ جانتے ہیں کہ ذُوالچو کے واقعہ میں کتنی سختیاں ہم پر گذاری ہیں۔ اب ایک اور دشمن ہم پر حملہ آور ہوا ہے۔ اگر اس وقت بھی غفلت اور سستی سے کام لیا جائے گا تو یقیناً ملک کی خرابی، ہماری بدنامی اور دشمن کی کامیابی ہوگی۔ یہ پیغام سن کر اطراف کے پیشوا اور سردار، شریف اور رذیل باہم متفق ہو کر ترک سردار کے مقابلے میں

آ گئے اور طرفین نے جنگ وجدل میں داد شجاعت دے کر مقتولین کے انبار لگا دئے۔ ترکی سردار پسپا ہو گیا اور صلح وصفائی کر کے واپس چلا گیا۔ شاہ میرزا نے کمال استقلال کے ساتھ فتح مندی کا ڈنکا بجا کر اعلیٰ اقتدار پایا۔ ادون دیو تبت سے لوٹ آیا لیکن اپنی بزدلی اور پست فطرتی کے سبب انتظام اُمور مملکت میں اس نے کوئی اعتبار نہ دیکھا اور ملک داری کا سارا انتظام شاہ میرزا کے اہتمام سے ہی ہوتا رہا اور اُس کے بیٹے پرگنوں پر حکمران تھے۔ ادون دیو نے پندرہ سال اور دو ماہ اُدھار کی حکومت میں گذار کر وفات پائی۔

اُس کی موت کے بعد کوٹہ رین نے اندر کوٹ قلعہ میں جا کر اپنے بھائیوں کی پشت پناہی سے جاہ وحشمت کا پرچم لہراتے ہوئے پچاس دنوں تک بے استقلالی کی زندگی گذاری۔ شاہ میرزا نے عرصہ روزگار کو خالی پا کر اپنے جد بزرگوار کی کرامت کی قوت سے بادشاہت کا خیال دل میں لایا اور اندرکوٹ سے شہر میں آ کر اعیان مملکت کے ساتھ سازش کی۔ پس سابقہ وگذارے ہوئے ایام کی خدمات کو خاطر میں لا کر وہ سب تردّد ونفاق سے صرف نظر کر کے فرمان بردار اور اطاعت گذار بن گئے اور قسمیں وعدے کر کے عہد و پیمان کی راہ سے اس کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ پیچہ بٹ نے اس کی متابعت کرنے سے سرکشی کی لیکن اُسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد شاہ میرزا نے شاہی لباس آراستہ کر کے خود کو سلطان شمس الدین کا لقب دیا۔

۳۔ سلطان شمس الدین

سلطان شمس الدین اعیان مملکت کے اتفاق سے سال ۷۴۳ھ میں (مطابق

۱۳۹۹ بکرمی) بادشاہت کے تخت پر بیٹھا اور ملک و رعیت کی آبادی کی طرف متوجہ ہو کر زمینداروں میں شاہی خراج کا پانچواں حصہ مقرر کر دیا۔ کوٹہ رین کو شادی کا پیغام اندرکوٹ میں بھیج دیا لیکن اُس نے اسے سابق ملازم سمجھ کر اسے منظور یہ کیا۔ سلطان نے اپنی لشکر کے ہمراہ اندرکوٹ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ ناچار کوٹہ رین نے بیاہ کا اقرار کر لیا اور نکاح کر کے اس کے ساتھ شہر آئی۔ شبستان عالی میں گران قیمت لباس پہن کر اور قیمتی زیوارت سے آراستہ ہو کر وصل کے موقع پر اپنے شکم میں خنجر اُتار کر انتڑیاں باہر نکالتے ہوئے کہا کہ یہ لیجئے یہ ہے میری قبولیت۔ لون فرقے نے متفق ہو کر شورش برپا کی۔ سلطان نے ان کے آگے پایمردی دکھا کر سب کو قتل کر دیا اور ماگریوں اور چکوں کو کلی اعتبار بخشا اور ان کو فوج کا افسر اور ملک کا منتظم بنا دیا۔

سلطان نے سات رکھیشر وں کا سن، جو ابھی تک یہاں کے دفتروں اور معاملات میں معمول تھا، منسوخ کر کے اس کی جگہ خود کا بنایا ہوا کشمیری سن رائج کیا اور اس کی ابتدا رینچن شاہ، جو سلاطین کشمیر کا پیشوا ہے، کی تخت نشینی کے سال ۷۲۵ھ سے مقرر کی جو چغتائی بادشاہوں کی حکومت تک جاری اور رائج تھا۔ اس کی کیفیت پہلی جلد میں تفصیل سے درج کی گئی ہے۔

سلطان نے تین سال اور پانچ مہینوں تک حکمرانی کے جام پی کر شربت اجل کو بالآخر گوارا کر لیا۔ سنبل گاؤں میں مدفون ہے جہاں اس کو مقبرہ سلطان پادشاہ کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ۔ آمدہ شمس باز زیر سحاب (شمس پھر مادل کے نیچے آگیا)۔

تاریخ فرشتہ کی روایت کے بموجب سلطان سے چار بیٹے یادگار رہے۔ میرزا جمشید، میرزا علی شیر (جس کا خطاب علاء الدین تھا) میرزا شامک (جو شہاب الدین کے نام

سے جانا جاتا تھا) اور میرزا ہندال (جو قطب الدین کے نام سے مشہور تھا)۔ بعض مورخین کے بقول شہاب الدین اور قطب الدین، علاء الدین کے بیٹے ہیں۔

۴۔ سلطان جمشید

سال ۷۴۷ھ میں (مطابق ۱۴۰۳ بکرمی) تخت سلطنت پر بیٹھ کر عدل و احسان اور رعایا پروری پر ہمت کی کمر باندھ لی۔ کچھ عرصہ بعد علاء الدین نے بغاوت کا پرچم بلند کر کے زینہ پورہ کے علاقے میں اپنے بھائی کے ساتھ جنگ و قتال کیا اور بے خبری میں شبخون کر کے سلطان جمشید کو شکست دی۔ اس کے بعد سلطان جمشید نے ثابت قدم رہ کر زینہ پور کو خراب کرنے کے لئے چڑھائی کی اور علاء الدین کے سپاہیوں کو جو زینہ پور میں تھے، قتل کر دیا۔ جمشید شاہ کے وزیر سراج الدین نے، جو دارالخلافہ سرینگر کا محافظ تھا، علاء الدین کو پیغام بھیج کر تخت و تاج اُس کے حوالے کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد سلطان جمشید نے کوئی کوشش نہ کرتے ہوئے بادشاحت کو خیر باد کہا اور ان ہی ایام میں فوت ہوا۔ چودہ مہینوں تک حکمرانی کی۔

۵۔ سلطان علاء الدین

سال ۷۴۸ھ میں (مطابق ۱۴۰۴ بکرمی) حکمرانی کے تخت پر بیٹھا اور محلہ علاء الدین پور بسایا۔ اپنے برادر شہاب الدین کو وزارت کا رُتبہ دیا۔ سلطان کی حکومت کے اواخر

میں بے وقت بارش کے آنے سے عظیم قحط واقع ہوا اور لوگوں کی بھاری تعداد ضائع ہوگئی۔

لون اور نیا یک طائفوں نے مخالفت کر کے کشتواڑ کی طرف فرار کیا لیکن سلطان نے عمدہ بہانوں سے اپنا کران کو قید میں ڈال دیا۔ سلطان نے ملک میں فرمان جاری کیا کہ بدکار عورت کو شوہر کی میراث نہیں ملے گی۔ اس حکم کے صادر ہونے پر بہت سی فاحشہ عورتوں نے پرہیزگاری اختیار کر لی۔

وقائع کشمیر کا مؤلف لکھتا ہے کہ سلطان علاء الدین کے عہد میں جناب جلال الدین مخدم جہانیان جہانگرد قدس اللہ سرہ نے اپنے بابرکت قدموں سے ملک کشمیر کو تروتازگی بخشی اور کل دو تین ہفتوں تک اطراف کی سیر و سیاحت کر کے لوٹ گئے۔

سلطان نے شہر کو قدرے آباد کر کے وفات پائی۔ بارہ سال آٹھ ماہ اور تیرہ دن حکومت میں گذارے۔ تاریخ وفات ؎ بہر تاریخ وفات سلطان ہاتھی گفت "مکانش فردوس" (۷۶۱ھ) (سلطان کی وفات کی تاریخ کے لئے ہاتفی نے کہا: اس کا مقام فردوس ہے)۔ فتح کدل سے ذرا اُوپر ملک آنگن میں مدفون ہے۔

۶۔ سلطان شہاب الدین

سلطان شہاب الدین (جس کا نام شیر آشامک تھا) سال ۷۶۱ھ میں (مطابق ۱۴۱۶ بکرمی) بادشاہت کے تخت پر بیٹھا۔ تاریخ ؎ ہاتفِ غیب بہر سال جلوس۔ گفت برگو "شہنشہ نامی" (ہاتف غیبی نے تخت نشینی کے لئے کہا: کہو نامدار شہنشاہ)۔

بیان ہوا ہے کہ شہزادگی کے دنوں میں ایک دن شکار کی خواہش میں پہاڑوں کے درے میں آبادی سے دُور نکل کر اسے پیاس لگی۔ ملازمیوں میں سے تین آدمی اس کے ہمراہ تھے۔ ایک رائے شردل، دوسرا جنڈا اور تیسرا آختہ جی۔ للّہ عافہ درے میں ظاہر ہوئی اور اس نے شہاب الدین کو ایک دودھ کا پیالہ دیا۔ شہاب الدین نے تھوڑا پی کر جنڈا کو دے دیا۔ اُس نے تھوڑا پی کر رائے شردل کو دیا اور اُس نے سارا پی کر آختہ جی کے لئے کچھ نہ چھوڑا۔ للّہ عارفہ نے بشارت دے کر کہا کہ شہاب الدین ایک عظیم بادشاہ بنے گا اور جنڈا اور رائے شردل وزیر اور سپہ سالار ہونگے۔ آختہ جی کی عمر مختصر ہے۔ جب شہر کی طرف لوٹے تو راستے میں آختہ جی کی موت ہوگئی۔

جب شہاب الدین تخت نشین ہوا تو اس نے جنڈا کو سپہ سالاری کا عہدہ دے دیا اور رائے شردل کو وزارت دی اور انتظام ملک کا مختار بنادیا اور اس کی حسن تدبیر سے ملک کا باج وخراج اور پرگنہ بندی مقرر ہوئی، جو چغتائی عہد تک باقی تھی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ذوالچو کی خرابی کے بعد کشمیر کی آبادی وقت گذرنے کے ساتھ آہستہ آہستہ ترقی کر گی تھی لیکن حکومت کے عدم استحکام کی وجہ سے اطراف میں ربط وضبط نہ تھا کیونکہ پرگنوں اور اطراف میں سرکش اور سردار لوگ چند گاؤں کو اپنے قبضے میں کر کے حکومت کر رہے تھے اور تحفہ وہدیہ کے طور پر کوئی کوئی چیز شہر کی طرف بھیجا کرتے تھے اور شہر کے حاکم میں ان سے مقاومت ومقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔ لیکن جب شہاب الدین نے حکومت کا پرچم لہرایا تو اس نے سرکشوں اور باغیوں کی بیخ کنی کر کے انہیں رسوائی کے کنوئیں میں دھکیل دیا۔ جس روز کہیں سے فتح نامہ نہ آتا اس دن کو اپنی عمر میں شمار نہ کرتا۔

خطہ دل پذیر کو منظّم کرنے کے بعد سلطان نے کشمیر کے مضافات کی نظم ونسق کی

طرف توجہ کی۔ اوّل بارہ مولہ کی راہ سے روانہ ہوکر ملک پکھلی، گبر سواد اور گھکروں کی مملکت کو فتح کیا۔ اس کے بعد بھاری لشکر کے ساتھ تبت جاکر حاکم کاشغر کے خلاف ایک عظیم جنگ کی اور تبت اور اسکردو کے ملکوں کو اس کے تصرف سے نکال کر اپنے قبضہ اقتدار میں لے آیا۔ وہاں سے گلگت آکر دارُدو کے ملک اور اس کے اطراف پر قابض ہوا۔ کثیر لشکر کے ساتھ جنڈا کو کشتواڑ کے لئے مقرر کرکے جموں اور کشتواڑ فتح کر لئے۔

اطراف میں ربط وضبط اور ملک میں نظم قائم کرنے کے بعد سال ۷۷۳ھ میں سامان جنگ مہیا کرنے کی طرف توجہ کی اور اسباب لشکر میسر ہوکر پچاس ہزار سواروں اور پانچ لاکھ پیدل سپاہیوں کے ہمراہ بارہ مولہ کے راستے سے عزم وروانگی کا پرچم بلند کیا اور سید تاج الدینؒ کے فرزند سید حسن بہادرؒ کو جو حضرت امیر کبیرؒ کے چچیرے بھائیوں میں سے تھا، لشکر کا امیر بنا دیا اور وہ بیس ہزار سواروں اور ایک لاکھ پیادہ سپاہوں کی جماعت کے ساتھ ہراول کے طور پر آگے آگے چلتا تھا۔ وہ جہاں بھی پہنچتا تھا فتح پاتا تھا، گویا فتوحات کی کنجیاں اس کے ہاتھوں میں تھیں۔

پہلے ہی حملے میں یوسف زئی کے ملک بجور کے علاقے اور پشاور کو فتح کیا۔ وہاں سے کابل روانہ ہوا۔ کابل کا حاکم سلطان احمد خان مقابلہ کے لئے نکلا لیکن شکست کھائی اور سید حسنؒ نے پیچھا کرتے ہوئے اسے گرفتار کیا اور آٹھ ماہ تک قید میں رہا۔ بالآخر سید تاج الدینؒ کی سفارش سے قید سے رہائی پاکر پھر سے اپنے موروثی ملک پر تسلط پایا۔ سلطان شہاب الدین نے اس کی بہن کے ساتھ عقد نکاح کیا اور اپنی بہن کو اسکے نکاح کے لئے نامزد کیا اور اس کی بیٹی کو سلطان قطب الدین کے عقد نکاح میں لاکر سرفرازی بخشی۔

وہاں سے فتوحات کا پرچم لہراتا ہوا بدخشان، ملتان، غزنین، غور، قندھار اور ہرات

کو مسخر کیا اور خراسان کو فتح کرنے کے بڑھا اور کئی ممالک کو فتح کیا اور ہندوکش پہاڑ کو پہنچ کر فوج کو کافی تکلیفوں کا سامنا ہوا جس کی وجہ سے لوٹ کر سندھ اور ملتان فتح کر لئے۔ وہاں سے فتح یابی کا پرچم لہراتے ہوئے لاہور کے قلعہ کا محاصرہ کیا اور اس کے بعد کئی جنگوں کے نتیجے میں پنجاب کے ممالک پر قبضہ کر لیا اور سیالکوٹ، لوہر کوٹ اور جموں کو فتح کیا۔ پنجاب کو مسخر کرنے کے بعد دریائے ستلج پر خیمے گاڑے۔ دہلی کے بادشاہ فیروز شاہ نے یہ خبر سن کر پادشاہ کشمیر کے خلاف بھاری لشکر مقرر کی اور فریقین میں سخت جنگیں ہوئیں۔ آخر جناب حضرت امیر کبیر قدس سرہ کے حکم سے معاملہ صلح پر ختم ہوا اور شہاب الدین سرہند کی حدود تک پنجاب پر قابض ہوا۔ فیروز شاہ کی تین بیٹیاں تھیں۔ حضرت امیرؒ نے تینوں کو سلطان کے قریبی رشتہ داروں کی نکاح کے لئے نامزد کیا۔ چنانچہ پہلی بیٹی شہاب الدین کے فرزند حسن خان، دوسری سلطان قطب الدین اور تیسری سید حسن بہادرؒ کے عقد نکاح میں آنے سے مفتخر ہوئی۔

وقائع کشمیر کا مؤلف لکھتا ہے کہ سلطان شہاب الدین کے فیروز شاہ سے جنگ کرنے کے ایام میں ہی جناب حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہ نے اپنے بابرکت قدموں سے ملک کشمیر کو رونق بخشی اور سلطان قطب الدین نے جو بادشاہ کا نائب تھا آپ کے حتی المقدور خدمات بجالائے اور آنجنابؒ نے چار مہینوں کے بعد مراجعت کی اور فیروز پور میں سلطان شہاب الدین سے ملے اور دونوں دشمنوں کے درمیان صلح کرنے کی تجویز پیش کی۔ مقدم شریف (۷۷۴ھ) تاریخ ہے۔

صلح وصفائی ہو جانے کے بعد سلطان نے فتح مندی کا ڈنکا بجاتے ہوئے دُور و نزدیک کے ممالک کا عمدگی کے ساتھ نظم ونسق کر کے کشمیر کی طرف لوٹ جانے کا پرچم لہرایا۔

سلطان اُمورِ حکمرانی ،قلعوں اور جگہوں کو مسخر کرنے میں ایک بے نظیر بادشاہ تھا اور اس کا زمانہ عجیب وغریب واقعات اور نادر حالات کے واقع ہونے میں عجائب زمانوں میں سے شمار کیا جاتا تھا۔

ممالک کو فتح کرنے کے بعد ملک کی آبادی کی طرف متوجہ ہوا اور محلّہ شہاب الدین پور کو، جواب شہام پور کہلاتا ہے، ساٹھ ہزار گھروں سے آراستہ کر کے اسے اپنا دارالخلافہ بنایا اور وہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی جس کی بنیاد ابھی بھی موجود ہے۔ نیز فوجوں کی رہائش کے لئے ایک ہزار چھاونیاں بنوائیں۔ آخری عمر میں بت خانوں کو ڈھانے کی فکر میں رہا اور بجیشور بت خانہ کو جو بیج بہاڑہ میں خاصا بلند تھا توڑ ڈالا۔ اور شہر کے بیچ میں جہاں کہیں بدھ بت خانے تھے، انہیں تباہ کر دیا۔

سال ۷۷۷ھ میں سیلاب سے دس ہزار گھر ویران ہو گئے۔ اس سال بادشاہ نے اپنے بیٹوں حسن خان اور علی خان کو اپنی دوسری ملکہ کے کہنے پر جس کا اُن کی ماں سے جھگڑا تھا، دہلی کی طرف نکال دیا اور کچھ عرصہ بعد شدید بیماری کی وجہ سے بستر پر دراز ہوا اور حسن خان کو دہلی سے بلوایا۔ وہ جموں پہنچا ہی تھا کہ شہاب الدین قریب المرگ ہوا اور اس نے اپنے بھائی ہندال کو جو قطب الدین کے نام سے جانا جاتا تھا جانشین بنا کے وفات پائی۔

تاریخ ؎

زور بار کشمیر چون رخت بست   شہاب و دگر قطب جانشین تشت

(کشمیر کے دربار سے جب رخت سفر باندھا شہاب نے، تو دوسرا قطب اس کی جگہ پر بیٹھا)

انیس سال تین ماہ تک حکمرانی کی اور محلّہ بلدیمر میں دریا کے کنارے اس کا مقبرہ ہے۔ سلطان زین العابدین کے مقبرے سے شمال کی طرف تیس قدم کی دُوری پر اس کے

اُوپر ایک سنگین اُونچا گنبد تھا۔ پرتاب سنگھ، جو رنبیر سنگھ کے اہلکاروں میں سے تھا، اس گنبد کو تعمیرات کے نیچے لے آیا۔

۷۔ سلطان قطب الدین

سلطان قطب الدین نے سال ۷۸۰ھ میں (مطابق ۱۴۳۵ بکرمی) حکمرانی کے تخت پر حکومت کا پرچم بلند کیا۔ محلّہ قطب الدین پور بسا کر وہاں سنگین و مضبوط ستونوں کے ساتھ ایک وسیع و رفیع عمارت بنوائی۔ اہل فتنہ وفساد کی بیخ کنی کرنے اور عدل واحسان کو رواج دینے میں اپنوں سے آگے نکل گیا۔ حکمرانی کی مشغولیتوں میں رہ کر بھی علمی کمالات رکھتا تھا۔ لوہر کوٹ کے حکمران نے بغاوت کا پرچم لہراتے ہوئے جنگ وجدل کیا لیکن بالآخر قتل ہوا۔

سلطان نے اپنے بھتیجے حسن خان کو دہلی سے بلوا کر اسے ملکی اُمور میں دخیل بنا دیا۔ کچھ عرصہ بعد مخالفوں کی فضول گوئیوں کی بنا پر اس سے بیزار ہو کر سلطان نے اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ رائے شردل، جو اس کے باپ کا وزیر تھا کے مشورہ پر وہ سلطان کے دشمنوں کے ساتھ لوہر کوٹ میں جا ملا۔ رائے شردل سے بدگمان ہو کر سلطان نے اسے قید میں ڈال دیا اور وہ قید سے بھاگ کر حسن خان کے پاس جا پہنچا اور دونوں نے متفق ہو کر وہاں مخالفت کا پرچم لہرایا۔ اس طرف کے بعض زمینداروں نے دونوں کو پکڑ کر سلطان کے پاس بھیج دیا۔ سلطان نے رائے شردل کو قتل کر دیا اور حسن خان کو قید میں ڈال دیا۔

اور اُس کے سعادت سے معمور زمانے میں سال ۷۸۱ھ میں جناب امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہ نے دوسری بار ملک کشمیر کو اپنے پُر برکت قدوم سے جنت نظیر بنا دیا اور حضرات سادات و رفقا میں سے سات سو آدمی آپ کے ہمراہ تھے اور محلّہ علاء الدین پور میں پڑاو ڈالا۔ دریا کے کنارے پر ایک سنگین صفہ بنوا کر آپ وہاں پانچ وقتوں کی نماز ادا کرتے تھے۔ سلطان کمال ارادیت و محبت کے ساتھ آداب بجالاتے ہوئے آپؒ کے پند و نصائح سنتا تھا اور ان پر عمل پیرا ہوتا تھا۔ چنانچہ بے خبری کے عالم میں بادشاہ نے آپس کی دو بہنوں کے ساتھ بیک وقت بیاہ کیا تھا۔ آنجنابؒ کے فرمانے پر ایک کو طلاق دے دیا۔ حضرت سیدؒ نے اپنی کلاہ مبارک برکت کے لئے سلطان کو عطا کی اور سلطان نے تعظیماً اسے اپنے تاج میں رکھ دیا۔ اس کے بعد اس کے فرزندوں نے سلطان فتح شاہ کے عہد تک اس کلاہ کو اپنے تاج میں رکھا اور فتح شاہ اسے اپنے کفن میں لپیٹ کر لے گیا۔

ملا احمد لکھتا ہے کہ حضرت امیرؒ نے کشمیر میں چھ ماہ گذار کر سال ۷۸۲ھ کے اوائل میں تبت کا عزم فرمایا اور کاشغر و ختن میں دین استوارِ اسلام کو رائج کیا۔ اصحاب کہف کی غار کا شہر افسوس میں زیارت کر کے آپ سال ۷۸۵ھ میں پھر کشمیر لوٹ آئے اور سال ۷۸۶ھ میں پکھلی کی راہ سے جاتے ہوئے آپ نے کُنر سواد کے علاقے میں اپنی جان کو حق کے آگے تسلیم کیا۔ یہ داستان تیسرے حصے میں بیان ہوگی۔

سلطان قطب الدین نے سولہ سال پانچ ماہ اور دو دنوں تک حکومت کا ڈنکا بجا کر وفات پائی۔ تاریخ۔

قطب برخاست ز روی کشمیر   از سر جاہ سکندر نبشت

(کشمیر پر سے قطب اُٹھ گیا اور جاہ و حشمت کے ساتھ سکندر بیٹھ گیا)

لنگر ہٹہ محلہ میں پیر حاجی محمدؒ کے روضہ کے ساتھ مدفون ہے۔ دو بیٹے یادگار چھوڑے۔ ایک میرزا شکار جس کا لقب سلطان سکندر تھا اور دوسرا میرزا ہیبت۔ باپ کی وفات کے بعد سلطان سکندر تخت نشین ہوا۔

۸۔ سلطان سکندر بت شکن

سلطان سکندر اپنی ماں، جس کا نام نورہ تھا، کے مشورے سے سال ۷۹۶ھ میں (مطابق ۱۴۵۱ بکرمی) میں حکمرانی تخت پر بیٹھا۔ تاریخ

شاہ عادل سکندر ثانی — کہ ازو بافت سر فرازی تاج

ملک روشن بہ نور شرع ازوست — گرچہ بودہ ز ظلم چوں شب راج

بہر تاریخ سال سلطنش — عقل گفتا: بشرع دادہ رواج (۷۹۶ھ)

(سکندر دوم پادشاہ عادل جس سے تاج نے سرفرازی پائی۔ ملک شریعت کے نور سے اُس کی مساعی سے روشن ہے اگرچہ ظلم کی وجہ سے ایک تاریخ رات کی مانند تھا۔ اس کی بادشاہی کی سال تاریخ پر عقل نے کہا: شریعت کو رائج کیا)

امراء اور ارکان سلطنت کو اپنا اطاعت گذار اور فرمان بردار بنالیا۔ کشمیر کے تمام سلاطین میں شان وشوکت، عظمت اور فوجوں کی کثرت میں ممتاز تھا۔ بہت پُر ہیبت بادشاہ تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں سے تمغا کا باج اُٹھالیا۔ ابتدا میں سلطان کی ماں ملکی اُمور میں دخل دے کر عمدگی کے ساتھ ان کو نبھاتی تھی۔ شاہ محمد، جو سلطان کا بہنوئی تھا، اس بات کا در پردہ مخالف تھا۔ یہ خبر سن کر سلطان کی ماں نے اپنی بیٹی اور داماد کو درمیان سے ہٹا کر

زندان میں ڈال دیا۔ وزیر اعظم رائے مادری نے سلطان کے بھائی ہیبت خان کو شہد دے کر ہلاک کیا اور سلطان اس کے کردار و اطوار سے بیزار ہو کر اسے ہٹانے کی فکر کرنے لگا لیکن نظم مملکت میں خلل پڑنے کے خوف سے فرصت کی تلاش میں رہا۔ اس حقیقت حال سے واقف ہو کر وزیر نے سلطان کے دل کی کدورت کو دُور کرنے کی خاطر اس کی خدمت میں عرض کیا کہ تبت کو چک کے زمیندار باغی ہو گئے ہیں۔ اگر حکم ہو تو بندہ وہاں جا کر ان سرکشوں کی گوشمالی کروں۔ سلطان کو یہ تجویز پسند آئی اور اسے اجازت دے دی۔ ایک بھاری لشکر کے ہمراہ وزیر اسکردو روانہ ہوا اور اس پر قبضہ کیا اور مشرق و شمال کے سارے تبت اپنے تصرف میں لے آیا۔ لیکن ان علاقوں میں ایک جماعت تیار کر کے بغاوت کی۔ سلطان کثیر فوج کے ساتھ تیزی سے اس کی مدافعت کے لئے روانہ ہوا اور تبت کی سرحد پر جنگ ہوئی۔ رائے مادری شکست کھا کر ذلیل و رسوا ہوا اور گرفتار ہو کر کچھ عرصے کے بعد زندان میں زہر کھا کر مر گیا۔ سلطان نے تبت وغیرہ کے اطراف پر اپنے اقتدار کا قبضہ کیا اور شجاعت و سخاوت میں شہرت پیدا کی۔ اس کے عدل و احسان، جود و کرم اور سخاوت و منت نوازی کے چرچے سن کر عراق و خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ ممالک کے دانشمند علماء فضلا اس کی ملازمت میں آ گئے اور ملک کشمیر میں علم و فضل اور دین اسلام کو مکمل رواج ہوا اور عراق و خراسلان کا نمونہ بن گیا۔

سال ۷۹۶ھ میں جناب امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہ کے فرزند صدق حضرت میر محمد ہمدانیؒ اس فرحت افزا ملک میں بائیس سال کی عمر میں اپنے تین سو رفیقوں کے ساتھ تشریف لے آئے اور بائیس سال تک اس ملک میں قیام فرمایا۔ آنجنابؒ کی خدمات کی بجا آوری میں سلطان جان و دل سے کوشاں رہا اور حسن ارادت و عقیدت کے ساتھ آپ کے مریدوں کے حلقے میں داخل ہوا۔ محلہ نوہٹہ میں آنجنابؒ کی اقامت کے لئے ایک عالی شان وسیع و بلند قصر بنوایا۔ نیز آپؒ کے حکم کے مطابق سلطان نے شہر کے بیچ

میں خانقاہ معلیٰ، وچی گاؤں میں خانقاہ والا، ترال گاؤں میں خانقاہ اعلیٰ اور مٹن گاؤں میں خانقاہ کبرویہ تعمیر کئے۔ خانقاہ معلیٰ کے مطبخ کے اخراجات اور مصرف کے لئے تین گاؤں جاگیر میں دئے جو سکھوں کے دور حکومت تک جاری تھے۔ ملک سہہ بھٹ کو، جو سلطان کا مشیر اور وزیر تھا، حضرت سیدؒ نے اُس کے سب پیروکاروں اور رشتہ داروں کے ہمراہ اسے مسلمان بنا دیا اور اُس کی بیٹی بی بی بارعہ کو اپنے عقید نکاح میں لے آئے اور سہہ بھٹ کا نام ملک سیف الدین رکھا۔ حضرت سیدؒ نے علم تصوف میں ایک رسالہ تصنیف کر کے اسے سلطان کو عطا کیا۔ ہجرت میرؒ کے طفیل بہت سے عظیم المرتبت سادات اور عالی شان علماء اس ملک میں آئے اور سلطان نے ان میں سے ہر کسی کو حسن عقیدت سے مناسب جاگیریں اور منصب دئے اور ان کی خدمت کی بجا آوری میں دل و جان سے کوشش کیں۔

راجاؤں کے اس ملک میں سکونت اختیار کرنے کے ابتدائی زمانے سے ہی عجیب و غریب صفت و کاریگری کے بہت سے بت خانے یہاں باقی تھے، جن کے تخلیقی اور اختراعی فن تعمیر کو دیکھ کر عقل و دانش والوں کی عقل حیران ہو جاتی تھی۔ سلطان سکندر نے سختی سے کام لے کر مذکورہ بت خانوں کی بیخ کنی کر کے انہیں خاک کے ساتھ یکساں کر دیا اور بعض بت کدوں کے پتھروں سے مسجدیں اور مقبرے بنوائے۔ اوّل اس نے مارتانڈ یشور بت خانے کو، جو راجہ رام دیو کی تعمیرات میں سے مٹن ٹیلے پر یادگار تھا، گرانے کے لئے ایک سال تک کارخانہ لگوایا لیکن اسے خراب نہ کر سکا۔ آخر اس کی بنیاد میں سے چند پتھر نکال کر بت خانے کے اندرونی حصے میں کافی لکڑی جمع کر کے آگ جلا دی گئی۔ اور اسکی دیواروں پر سونے کی ملع کار تصویروں کو تباہ کر دیا گیا اور احاطے کی فصیل کو بیخ سے کھدوا کر گرایا گیا۔ جس کے آثار ابھی بھی حیرت افزا ہیں۔ اسی طرح بیج بہاڑہ کے بت خانوں کو جن کی تعداد تین سو

سے بڑھ کر تھی، مٹی کے ساتھ یکسان کیا گیا۔ خاص کر وزیہ ایشری بت خانے کو، جو سب سے مشہور اور عظیم تھا، میخ سے اُکھاڑا۔ کہتے ہیں اس کے توڑے جانے کے وقت آگ سے عظیم شعلے نکلے جن کو سلطان اور ارکان سلطنت نے بھی دیکھا اور ہندو اسے اپنے دیوتاؤں کی کرامات کہتے تھے اور اس بارے میں بہت کچھ کہتے تھے۔ سلطان اسے طلسم وافسون جان کر اس کی خرابی سے باز نہ رہا۔ چنانچہ اس کی بنیاد سے ایک پتھر نکلا جس کے اُوپر سنسکرت خط میں کندہ تھا: ''بسم اللہ منتر ینہ نشنت وزیہ ایشری''، یعنی بسم اللہ ہی ایک ایسا منتر ہے جو اس وزیہ ایشری بت خانے کو ویران کر دے گا۔ سلطان نے اس بتکدے کے پتھروں سے بیج بہاڑہ کی جامع مسجد بنوائی۔

سلطان شہاب الدین نے اس سے پہلے بجیشور بت خانے کو تھوڑا خراب کیا تھا۔ سلطان سکندر نے اس کی بیخ کنی کر کے سید محمد قریشیؒ کے خادموں کے لئے خانقاہ تعمیر کی اور عوام اسے وجاشر خانقاہ کہتے تھے۔ راجہ گلاب سنگھ نے مذکورہ خانقاہ کو ویران کر کے وہاں پر نیا بت خانہ بنوایا۔

اسی طرح پرسپور میں للتادت کی تعمیرات میں سے پری ہاسہ کیشو اور مکتا کیشو دو بت خانے تھے۔ سلطان نے ان دونوں پوجا گھروں کو مسمار کر کے ان کے پتھروں کو سد بندی میں استعمال کیا اور اس پتھر کے ستون کو بھی توڑ دیا جو پچاس ہاتھ یا بعضوں کے بقول پچاس گز لمبا تھا اور اُس کی بنیاد میں سے ایک صندوق نکلا جس میں مس (المیونیم) کے ایک ورق پر لکھا تھا کہ اتنی مدت گذر جانے کے بعد اس بت کدے کو گرانے والا سکندر نام کا ایک بادشاہ ہوگا اور بدھ اوتار کی صورت کو جو اس میں موجود تھے توڑ ڈالے گا۔

محلہ سکندر پور میں قصر شاہی کے متصل دو بڑے بت خانے تھے۔ ایک پرورسین کی

تعمیرات میں سے مہاشری اور دوسرا تارا پیڈ کا بنایا ہوا تارا پیٹ۔ سلطان نے ان دونوں بت خانوں کو مسمار کیا اور اس کے مصالہ سے شہر کے وسط میں جامع مسجد بنوائی۔ اور کالشیوری بت خانے کی جگہ پر جسے سلطان قطب الدین نے پہلے مسمار کیا تھا، سلطان سکندر نے خانقاہ معلیٰ آباد کیا۔

دین محمدی ﷺ کو رواج دینے کے لئے ہندوؤں کو بہت تکلیف پہنچائی اور شہر میں اعلان کروایا کہ جو دین محمدی ﷺ کو قبول نہیں کرے گا وہ اس ملک کو چھوڑ کر چلا جائے ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اس وجہ سے بعض ہندو بھاگ گئے اور اطراف میں چلے گئے اور بعض حلقہ اسلام کو گردن میں ڈال کر محفوظ رہے اور بعض برہمن اپنے قتل ہو جانے پر راضی رہ کر جان سے گذر گئے۔ کہتے ہیں سلطان نے تین خروار زُنّار آگ میں جلادیں۔

آخر حضرت میر محمد ہمدانی قدس سرہ کی تجویز پر برہمنوں کو قتل کرنے سے باز آ کر اُن کے لئے جزیہ مقرر کر دیا۔ سلطان نے ہندوؤں کی تمام کتابوں کو جمع کروا کے انہیں جھیل ڈال میں ڈبو دیا اور ان کے اُوپر پتھر اور مٹی ڈال کر وتالن مرگ کا بند بنوایا جسے اب ایشہ بر بند کہتے ہیں اور اس بند پر ایششور بتکدے کو، جو ایشہ بر میں تھا، مسمار کروائے جانے کے پتھروں کا استعمال کیا۔

سلطان کے عہد میں نامشروع بدعتوں اور خلاف شریعت اُمور جیسے شراب نوشی اور قمار بازی وغیرہ کاملاً ممنوع تھے اور آلات سرور جیسے رباط و چنگ وساز وعود ومزمار ورُود وغیرہ کی آواز کہیں سے بھی کانوں میں سنائی نہیں دیتی تھیں۔ چنانچہ کوس و کرنا کی آواز بھی جنگ ومعرکہ کے موقعوں کے بغیر کہیں سے سننے میں نہیں آتی تھی۔ اس کی ساری توجہ اور قوت وطاقت دین متین اسلام کو رائج کرنے کی طرف تھی۔ سلطان نے مملکت کے اطراف

میں ربط وضبط اور اُمور سلطنت میں نظم وانتظام قائم کرنے میں اپنوں پر فوقیت پائی۔ جس طرح بھی عزم کا پرچم لہریا اس طرف فتح ونصرت کا ڈنکا بجایا۔

نیز اس سعادت آثار زمانے میں صاحبقران ثانی امیر تیمور گورکانی نے ترکستان اور خراسان کو فتح کرنے کے بعد اپنے عزم وارادے کی لگام کو ہندوستان کی طرف پھر کر اس برکتوں سے معمور علاقے کو اپنے اقتدار کے تصرف میں لایا۔ چونکہ امیر تیمور کا ذکر درمیان میں آیا اس لئے تاریخ نویسی سے ربط کی بنا پر اس دین پناہ بادشاہ کے بعض حالات یہاں پر بیان کئے جاتے ہیں۔

امیر تیمور گورکانی کا ایران اور خراسان اور ترکستان اور ہندوستان اور کشمیر پر تسلط پانا

مولانا شرف الدین یزدی لکھتا ہے کہ شہر سبز، جسے شہر کش بھی کہتے ہیں، کے رئیسوں میں سے امیر طرکل نامی ایک شخص امیری کی مسند پر صدر نشین تھا اور اس شہر کے اولیای عظام میں سے ایک اولیاء شیخ شمس الدین کی خدمت میں آتا جاتا تھا۔ ایک دن اس شیخ بزرگوار کی زبان سے شادمانی کی بشارت پائی کہ تیرے فرزند کی پشت سے عنقریب ایک فرزند پیدا ہوگا جو ایران، توران، خراسان اور ہندوستان کو فتح کرے گا۔

اسی زمانے میں امیر طرغانی، جو امیر طرکل کا فرزندِ ارشد تھا، کی حرم محترمہ سے سال ۷۳۶ھ میں تیمور شاہ پیدا ہوا۔ جب شباب کی عمر کو پہنچا، ایک روز اپنے متعلقین کے ساتھ حضرت شیخ شمس الدین کی خدمت میں مشرف ہوا اور حضرت شیخ نے فرمایا کہ آج ہماری صحبت ایک ایسے شخص کے ساتھ ہے جو نصف دنیا پر بادشاہت کرے گا اور جو امرای عظام حضرت شیخ عالی مقام کے حضور میں حاضر تھے اُنہوں نے اس نوید کی اُمید اپنی طرف منسوب کر لی۔ امیر تیمور کے دل میں بھی عاجزی کے ساتھ اس عظیم امر کا خیال گذرا لیکن خدائے قادر مطلق کی تقدیر کے بموجب اس مبارک فال ہما کے اقبال کے آفتاب نے رُبع مسکون پر شوکت وجلال کا پرتو ڈال دیا اور ۷۷۱ھ کے اوایل میں شہر بلخ میں بادشاہی کا تاج سر پر رکھ کر فوج اور ملک کی ترقی اور جاہ وحشمت کی افزونی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور حضرت خداوند

کی مدد سے حکمرانی کا ڈنکا بجاتے ہوئے فتح بلاد وممالک کا عزم کیا اور سرکشوں اور سرداروں کے سر خاک وخون میں ملا دئے۔ فتح وظفر کا ہُما ہمیشہ اُس کے موکب کے ہمراہ تھا اور عزم کے وقت کبھی بھی شکست کا سامنا نہیں کیا بلکہ جس طرف حملہ کیا شاہان عالی شان کو مغلوب کر دیا۔

سب سے پہلے خراسان اور افغانستان پر آسانی کے ساتھ حملہ آور ہو کر ان کو زیر فرمان لے آیا۔ اس کے بعد عزم وارادے کے گھوڑے کو عراق و فارس اور آذربایجان کی طرف بڑھا کر فتح وظفر یابی کے ساتھ توران پہنچا اور ایک لمبے عرصے تک ترکستان کے علاقے میں دُور ونزدیک کے حکمرانوں کے ساتھ سخت جنگیں کرنے کے بعد پرچم بلند کو ہندوستان پر فتح پانے کی غرض سے لہرایا اور ۸۰۱ھ (مطابق ۱۳۹۸ء) میں دریائی نیلاب، جواب اٹک کہلاتا ہے، کے ساحل پر اپنے اقبال کے خیمے گاڑ دئے۔ وہاں پر پادشاہ کشمیر سلطان سکندر کی طرف سے حکم اشرف کی قبولیت اور اوامر کی اطاعت، سکہ وخطبہ کی متابعت کی عرضداشت حضور صاحبقران کی نظر اشرف سے مشرف ہوئی۔ سلطان سکندر کے افعال شائستہ اور اطوار پسندیدہ سے خوش ہو کر پادشاہ جمشید جاہ نے بوقیا اور فولاد کے ہمراہ ایک ہاتھی اور شاہانہ تحائف سلطان کے لئے ہدیہ میں بھیج کر محبت ومسرت کا اظہار کیا۔ سلطان سکندر نے ان کے شکرانے میں مولانا نورالدین کی سرکردگی میں فراوان تحائف ونفالیس ارسال کر کے پابوسی کا شرف پانے کی بھی التماس کی۔ صاحبقران نے اپنے سفیروں کو روانہ کر کے پیغام دیا کہ جب ہم اپنے عزم کا پرچم ہندوستان سے پنجاب کی طرف بڑھائیں گے سکندر شاہ وہاں آ کر ملازمت سے مشرف ہوں۔ اس کے بعد صاحبقران نے نیلاب سے پنجاب کا رُخ کر کے بلاد واطراف پر فتح پا کر دہلی پہنچا۔ سلطان محمود تغلق نے اپنی

فوجوں کے ہمراہ مقابلہ کیا لیکن سخت جنگ وقتال کے بعد مغلوب ہو کر شکست کھائی اور تیمور شاہ نے دہلی کے تخت پر جلوس کیا اور سکہ وخطبہ جاری کیا۔ آٹھ دن گذر جانے کے بعد غلہ و خراج کو حاصل کرنے کے لئے کئی ہزار سواروں کو مامور کیا گیا۔ جنگجو دلاور سواروں نے رعایا کے مال ومتاع پر لوٹ کے ہاتھ بڑھا کر آتش فساد بھڑکائی اور عوام نے ہجوم کر کے بغاوت کے جنڈے لہرا کر مقابلہ کیا۔ شاہی فوج نے جوش میں آکر سرکشوں کا قتل عام کر کے تین دنوں تک دہلی میں خون کی ندیاں جاری کیں اور لوٹ مار میں جو بھی چیز اُن کے ہاتھ لگی اسے لے گئے۔ اور نصف شہر کو انتقام کی آگ میں جلا ڈالا اور مردوں کی لاشوں کے انبار لگا دئے۔ غرض پندرہ دنوں تک دہلی میں رہ کر تیمور شاہ نے دریای گنگ کے کنارے تک شہروں اور قصبوں کا تاخت وتاراج کر کے قتل عام کیا۔ اس کے بعد دکھن کا رخ کیا۔ جب سوالک پہاڑ کے دامن میں پہنچا تو وہاں کے نواحی کے مغرور راجاؤں نے صف آرائی اور جنگ آزمائی کی جسارت کی اور سولہ روز تک جانبین میں مقابلہ اور کشت وخون کی آگ بھڑکائی۔ بالآخر شاہی دلاوروں نے مرہٹہ قوم کو پامال وغارت کر کے ان کا قتل عام کر ڈالا۔

اس کے بعد تیمور شاہ نے سمرقند کی طرف عزم کی باگ پھردی۔ جب اقبال کے خیمے وزیر آباد میں نصب کئے تو وہاں کے حاکم نے سفید رنگ کے دو طوطے، جو شیرین کلامی میں مشہور تھے، خدمت میں تحفہ کے طور پر پیش کر کے شاہی الطاف واکرام کی نوازشین پائیں۔ وہاں سے جموں کی جانب فتح مند افواج کو مقرر کر کے روانہ کیا۔ دربار کے جان نثاروں نے وہاں کے راجا کو گرفتار کر کے حضور میں پیش کیا۔ بادشاہ نے وفود کرم سے اس کا ملک اسے لوٹا کر باجگذار بنا دیا۔ وہاں پر بوقیا اور فولاد اور زین الدین، جو سفیر بن کر کشمیر گئے تھے اور وہاں کے بادشاہ سکندر شاہ کے نام واجب التعمیل احکام لے کر گئے تھے، اس کے

ایلچیوں کے ہمراہ شاہی خیمے میں پہنچ گئے اور عرض کی کہ بندگی کے احرام کو باندھ کر سلطان سکندر اپنے روئے نیاز کو قبلہ اقبال میں لا چکا تھا۔ چھٹیان کے مقام پر جب پہنچا تو مولانا نورالدین جو اس کی طرف سے سفیر ہو کر آیا تھا وہاں پر اُس سے جا ملا اور کہا کہ طے ہوا ہے کہ پادشاہ کشمیر اپنے ملک سے تیس ہزار گھوڑے اور ایک لاکھ اشرفیاں جن میں سے ہر اشرفی ڈھائی مثقال وزن کی ہو ادا کرے اور اس حکم کی تعمیل کرنے کے لئے سلطان واپس چلا گیا ہے کہ اس اہم کام کی تکمیل کر کے پھر سے لوٹ کر حضور کی پابوسی سے مشرف ہو جائے۔ جب یہ بات صاجقران کے گوش اعلیٰ نے سنی تو اس نے اسے پسند نہیں کیا۔ فرمایا کہ شاہ سکندر کو اس کی قدرت سے باہر تکلیف دی گئی ہے اور اس کے ملک کی وسعت کے اندازے سے بڑھ کر اس سے طلب کیا گیا ہے۔ عقل کے نور سے جو ایک روشن اور درخشان چراغ ہے آشکار و واضح ہے کہ ہر مملکت سے اتنی ہی رقم کا مطالبہ کیا جانا چاہئے جو اس ملک کی وسعت و فراخی کے مطابق ہو کہ عدل وانصاف کے شرائط کی رعایت کی جائے۔ ایلچیوں نے بھی شاہ سکندر کی خدمت گذاری کی صدق نیت کا پادشاہ کے حضور میں ذکر کیا۔ پادشاہ نے زین الدین کو حکم دیا کہ سلطان سکندر سے کہا جائے کہ وہ ہرگز پریشان خاطر نہ ہو اور ماہ رجب (۸۰۱ھ) کی تیرہ تاریخ کو خود کو دریائے سندھ کے ساحل پر پہنچا دے۔

اس کے بعد بادشاہ نے چناب کے ساحل پر ہندوستان کے اکثر حکمرانوں کو جو فتح مند موکب کے ہمراہ تھے رخصت کیا اور وہ اپنے ممالک میں چلے گئے۔ اس کے بعد دریائے چناب کو پار کرنے میں افواج شاہی کے بہت سے لوگ تباہی کے بھنور میں غرق ہو گئے۔ وہاں سے اٹک کی جانب عزم کا پرچم لہرایا۔

فرمان کے آتے ہی شاہ سکندر نے ملازمت کا احرام باندھا اور بارہ مولہ پہنچا۔

وہاں خبر سنی کہ صاحقران جلدی سے دریائے سندھ کو عبور کر کے سمرقند کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔تب تجربہ کار ایلچیوں کو اپنے فرزند شاہی خان کے ساتھ شایانِ شان تحائف نذرانے دے کر خدمت اشرف میں بھیج دیا اور خود خیر وسعادت کے ساتھ لوٹ آیا۔شاہی خان سمرقند میں ملازمت میں پہنچا اور سات سال تک اس نے بادشاہ کے دربار عالی سے لوٹ جانے کی اجازت نہ پائی۔

سال ۸۰۷ھ میں پادشاہ بلند قدر نے موسم سرما کی سردیوں میں چین و خطا کی طرف فتوحات کا پرچم بلند کیا اور راستے میں حرم محترمہ کو لوٹ جانے کی رُخصت بخشی۔کئی دنوں تک متواتر شراب پینے سے غذا کی خواہش باقی نہیں رہی اور مزاج میں تغیر آ گیا اور تپ محرقہ نے شدت اختیار کی اور بادِ اجل کی یورش سے نامکمل کام نامکمل ہی رہے اور بنے ہوئے کام بگڑ گئے۔اقبال کا چتر سر سے نیچے گر آیا اور سلطنت ومملکت پاپال ہو کے رہ گئی، تاریخ ؎

سلطان تمر آنکہ چرخ رادلخون کرد وز خونِ عدو رُویِ زمین گلگُون کرد

درہفدہ شعبان بہ جنت آمد فی الحال ز رضوان سروپا بیرون کرد

صاحقران کے انتقال کے بعد ۸۰۸ھ میں شاہی خان سمرقند سے لوٹ آ کر اپنے والد بزرگوار کی قدم بوسی سے سرفراز ہوا۔

غرض سلطان سکندر عدل ورافت اور احسان وکرم اور سخاوت وامتنان اور بتوں کو کم کرنے، بدعتوں کو دُور کرنے اور دین اسلام کو ترقی دینے کے کاموں میں چوبیس سال نو ماہ اور چھ دن گزار کر تپ محرقہ کی تکلیف و بیماری میں مبتلا ہو گیا۔اپنے بیٹوں میر خان، شاہی خان اور محمد خان کو حضور میں بلوا کر انہیں آپس میں اُلفت ومحبت اور اتحاد قائم رکھنے کی وصیت

کی۔ بڑے بیٹے میر خان کو علی شاہ کا خطاب دے کر اسے بادشاہ بنا دیا اور خود سال ۸۲۰ھ کے محرم ماہ کی بائیس تاریخ کو اس عالم فانی سے باقی رہنے والے ملک کی طرف چل دیا اور مندر لوکی شری کے احاطے میں شمال کی طرف مدفون ہوا۔ تاریخ: فوت سکندر (۸۲۰ھ) ہے۔ شعراء و فصحاء نے مرثیے اور تاریخیں لکھنے میں داد سخنوری دی ہے۔ بہارستان شاہی کے مؤلف نے سلطان کا سال وفات ۸۱۶ھ لکھا ہے۔ واللہ اعلم!

۹۔ سلطان علی شاہ

سال ۸۲۰ھ (مطابق ۱۴۷۳ بکرمی) میں سلطان علی شاہ بادشاہی تخت پر حکمرانی کے لئے بیٹھا۔ ملک سیف الدین کو وزارت کا رُتبہ دیا اور اسی کی صوابدید و صلاح سے ہندوؤں کی خرابی کرنے اور عذاب دینے میں تعصب کا پرچم بلند کر کے ایک کثیر جماعت کو جبراً مسلمان بنایا اور ایک جماعت اس ملک سے بھاگ گئی اور ایک جماعت نے جزیہ اختیار کر کے ظلم و جفا پر صبر کیا اور بعضوں نے خودکشی کی۔

نیز اسی زمانے میں کاشغر کے حکمران نے بھاری لشکر کے ساتھ حملہ کر کے دونوں تبت فتح کر لئے۔ سلطان نے اپنے عدم استقامت کی وجہ سے تغافل سے کام لیا۔

پانچ سال کے بعد ملک سیف الدین عالم باقی کی طرف چل دیا۔ عاقل، فاضل اور دانا آدمی تھا۔ اسکی عقل رسا اور ذہن کی تیز فہمی کے قصے بیان کئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ دو مالکوں کی دو گھوڑیاں مرغزاروں میں چلی گئی تھیں۔ وہاں دونوں نے دو بچوں کو جنم دیا لیکن ایک گھوڑی کے پیٹ سے بچہ ناتمام گرا۔ وہ بچہ دونوں گھوڑیوں سے دودھ پیتا رہا۔ آخر

اس بچے کی نسبت دونوں مالکوں میں جھگڑا ہو گیا جو طول پکڑنے لگا اور کوئی اس کا فیصلہ نہ کر سکا۔ بالآخر مقدمہ کی مثل ملک سیف الدین کو پیش کی گئی۔ ملک مذکورہ نے ان دونوں گھوڑیوں کو دریائے بہت کے کنارے پر کھڑا کروا کے بچے کو دوسرے کنارے پر بھیج دیا۔ بچے کی اصلی ماں نے جب اپنے بچے کو دیکھا تو ذاتی شفقت کے بموجب اس نے خود کو دریا میں ڈال دیا اور دریا کے پار پہنچی اور دوسری گھوڑی نے کسی بھی اضطراب کا اظہار نہیں کیا۔ پس بچے کو اسی گھوڑی کے مالک کے حوالے کر دیا گیا۔

کہتے ہیں ایک بہت بوڑھا کاتب تھا جس کی بیوی جوان تھی۔ اس عورت نے ایک جوان کے ساتھ رابطہ کر کے اس کے ساتھ نکاح کر لیا اور مقدمہ سیف دین کے پاس آیا اور دونوں شوہروں نے اس کے سامنے اپنے اپنے ثبوت پیش کئے۔ ملک تذبذب میں پڑ گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے قلمدان میں سے پانی کی دوات نکال کر عورت کو پانی لانے کو کہا۔ عورت نے کمال فراست سے قلمدان میں پانی ڈال دیا۔ ملک جان گیا کہ عورت کاتب کی ہے اور اسے کاتب کے سپرد کر دیا۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک مفلس دھوبی تھا جس کو مفلسی کی وجہ سے ترکیب سوجھی کہ خود اپنے ہی گھر میں رات کو نقب لگا کر صبح کو شور اٹھاؤں گا کہ چور میرے گھر سے لوگوں کا سارا مال اڑا لئے گئے ہیں اور پھر لوگوں کے کپڑوں کو بیچ کر کوئی سرمایہ حاصل کروں گا۔ پس اس نے رات کو گھر میں نقب لگانی شروع کی۔ پاسبانوں نے اسے چور جان کر پکڑ لیا۔ دھوبی نے پاسبان کا گریبان پکڑتے ہوئے شور مچایا اور پاسبان کو خوب پیٹا۔ کل کو مقدمہ سیف دین کے سامنے پیش ہوا۔ ملک نے ایک عرصے تک اس معاملے پر غور کیا لیکن حق و باطل میں فرق نہ کر سکا۔ ایک روز اس نے اپنے خدمت گذار کو سکھایا اور خدمت گذار نے خود کو

مردہ بنایا اور اس کی بیوی ماتم کرتی ہوئی ملک کے پاس آئی اور اسے اپنے شوہر کے موت کی خبر دی۔ ملک نے اسے کفن پہنا کر تابوت میں رکھ دیا اور دھوبی اور پاسبان کو قید خانے سے نکال کر دونوں کو حکم دیا کہ اس میت کو پانپور میں پہنچا کر اسے اپنے ہی علاقے میں وہاں دفن کر دو۔ دونوں برف و باران اور کیچڑ و دلدل سے چل کر میت کو کندھے پر رکھتے ہوئے گرتے پڑتے جا رہے تھے کہ پاسبان نے دھوبی سے کہا ناحق مجھے اور خود کو گرفتار کروایا۔ معلوم نہیں تجھے آخر نقب لگانے میں کیا مصلحت تھی؟ دھوبی نے کہا میں چوری کے بہانے لوگوں کے لباس بیچ کر کھاتا تھا۔ تو نے مجھے ناحق گرفتار کیا۔ میت تابوت سے اُٹھ کھڑا ہوا کہ میں آپ کے سچ کہنے کی برکت سے زندہ ہو گیا۔ پس شہر لوٹ آئے اور دھوبی کو سزا دی گئی۔

بہر حال سیف دین ایک عقلمند اور منصف مزاج آدمی تھا۔ وزارت میں چالیس سال گذارے۔ اس کے انتقال کے بعد شاہی خان نے وزارت کا رُتبہ پایا جس نے عدل و انصاف کی راہ سے خدا کے لوگوں کے دلوں کو خوش کر دیا۔

علی شاہ نے چھ سال اور نو ماہ تک حکومت کرنے کے بعد حرمین الشریفین کے طواف کا ارادہ کیا اور اپنے بھائی شاہی خان کو جس کا لقب زین العابدین تھا اور جس کے ماتھے سے جوانی کے آغاز سے ہی شجاعت، سعادت، دانائی اور شہادت کے آثار نمودار تھے، بادشاہت کے تخت پر بیٹھا دیا اور خود خیل و خدم اور جاہ و حشم کے ساتھ جموں کی راہ سے حجاز کی طرف روانہ ہوا اور محمد خان کو اس کی فرمان برداری و اطاعت گذاری کرنے کی نصیحتیں کیں۔ جب جموں پہنچا تو وہاں کے راجا نے، جو اسکی بیوی کا باپ تھا، اسے سلطنت کا تخت چھوڑنے پر سخت ملامت کی اور حج کرنے کی خواہش سے باز رکھا اور اپنی فوج ساتھ دے کر پکھلی کی راہ سے واپس بھیج دیا۔ یہ خبر سن کر زین العابدین عداوت پر اُتر آیا اور فوج و لشکر کو تیغ و خنجر سے

آراستہ کر کے اس کے مقابلے کو نکالا اور دنوں پُر طیش فوجوں نے اُوری کے مقام پر جنگ اور قتل وخون کرنے کے لئے صفیں ترتیب دے کر حرب وضرب میں کئی سرکش افسروں کو بے سر کر کے رکھ دیا۔ بالآخر زین العابدین شکست کھا کر سیالکوٹ چلا گیا اور علی شاہ دوسری بار تخت پر بیٹھا۔

ان ایام میں سمرقند میں صاحبقران کی قید سے جسرت خان گھکر نے بھاگ کر پنجاب میں خاصا اقتدار پایا تھا۔ زین العابدین نے اسی کے پاس جا کر پناہ لی اور اس کی اعانت سے ایک لشکر جمع کر کے کشمیر آ گیا۔ بے شمار فوج کے ہمراہ علی شاہ کشمیر سے حملہ آور ہونے کو نکلا اور اور دونوں کی جنگ ہوئی اور علی شاہ مغلوب ہو کر جسرت خان کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ زین العابدین ظفریاب اور فتحمند ہو کر کشمیر کی جانب روانہ ہوا اور شہر کے لوگ جو اس کے چاہنے والے تھے، خوش ہو گئے۔

۱۰۔ سلطان زین العابدین

سلطان زین العابدین سال ۸۲۷ھ میں (مطابق ۱۴۸۰ بکرمی) بادشاہت کے تخت پر بیٹھا۔ سایۂ الطاف خدای واہب سے اُس کی تخت نشینی کی تاریخ نکلتی ہے۔ اپنے حسن استعداد سے اطراف مملکت کے ربط وضبط کی طرف متوجہ ہو کر سرکشوں کو بے طاقت کر دیا۔ رعیب پروری میں نیک نامی کا پرچم بلند کیا۔ اپنے چھوٹے بھائی محمد خان کو وکالت ونیابت کا عہدہ دے کر ملک کے چھوٹے بڑے اُمور میں اسی سے مشورہ لیتا رہا اور معاملات

کی تشخیص خود کیا کرتا تھا۔ ہلمت رینہ اور احمد رینہ کو، جو چندر قوم سے تھے، سپہ سالار مقرر کیا اور ملک مسعود ٹھاکور کو مدار المہام کا خطاب دیا۔

سابق زمانے سے چلے آرہے تمام رسومات بد کو کلی طور پر منسوخ کر دیا اور نرخ نویسی کو بھی ختم کیا۔ اپنے قواعد و ضوابط کو مس (المیونیم) کے تختوں پر کھدوا کر شہر و دیہات میں جاری کر دیا اور اس طرح سے ظلم کی روایات ملک سے مٹ گئیں۔ شقداروں کا جرمانہ جو وہ رعایا سے لیتے تھے برطرف کر دیا اور عام حکم صادر کیا اور سوداگر لوگ کم نفع پر مال بیچا کریں گے اور سودا بیچنے میں کوئی فریب کاری نہیں کریں گے۔ سابق سلاطین کے عہد کے قیدیوں کو رہا کیا۔ جس کسی ملک کو فتح کرتا تھا، اس کے مال غنیمت کو فوجوں میں تقسیم کر دیتا تھا اور اپنے ملک کے دستور کے مطابق وہاں کی رعایا کے لئے چھ میں سے ایک حصہ باج و خراج کے طور پر مقرر کرتا تھا۔ سرکشوں اور فتنہ گروں کی گوشمالی کر کے انہیں اعلیٰ سے ادنیٰ درجے پر لے آتا تھا۔ مسکینوں اور فقیروں پر نوازشیں کر کے ان کو اوسط درجے پر رکھتا تھا کہ باغی نہ ہو جائیں۔ بیگانہ عورتوں کو ماں اور بہن اور بیٹی کی نظر سے دیکھتا تھا اور نامحرموں کے چہرے پر نگاہ نہیں ڈالتا تھا۔ غیروں کے مال کو خیانت کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ گز اور جریب اور پیمانہ و وزن بڑھائے۔ کہتے ہیں مس کی کان پائی تھی اور اسی کان کی آمدنی سے اپنے اخراجات مکمل کرتا تھا۔

سلطان سکندر کے عہد میں چاندی اور سونے کے بتوں کو سکوں میں ڈھالا گیا تھا لیکن اس میں ناروا جی پیدا ہو گئی تھی۔ سلطان نے حکم دیا کہ خالص مس، جو کان سے حاصل ہوتی ہے کے سکے ڈھال کر رائج کئے جائیں۔ چنانچہ اُس کے عہد کے فلوس ابھی تک موجود ہیں۔ دس فلوس ایک پختہ پاو کے برابر ہیں، جو اُس وقت رائج تھی۔ اور اگر بیس فلوسوں کو

فرش پر بچھا دیا جائے تو وہ ایک وجب یعنی چار گرہ کے برابر ہو جاتے ہیں۔

غصے میں مجرم کو سزا نہیں دیتا تھا اور اس کے حق میں اپنی زبان سے بددعا کر کے بھی مجرم کو معلوم نہیں ہو پاتا تھا کہ سلطان کا اس پر غصہ ہے بلکہ راضی ہو کر جاتا تھا اور اسی سے اس کا کام ہو جاتا تھا۔ کثیر جاہ و حشمت کے ہوتے ہوئے بھی سلطان حقیر وضع سے چلتا تھا۔ خزانوں اور زیر زمین دفینوں سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ فراست اور ذہن کی زودفہمی اس حد تک رکھتا تھا کہ مشکل مقدموں کا ناگاہ فیصلہ دے دیتا تھا۔ چنانچہ اُس کے عہد میں ایک عورت نے، جسے اپنی سوتن سے عناد تھا اور کسی بھی طرح سے اس پر قابو نہ پاسکتی تھی، ایک رات اپنے کمسن بیٹے کو مار ڈالا اور صبح کو بیٹے کے قتل کی تہمت اپنی سوتن پر ڈال کر سلطان کے حضور میں انصاف مانگنے کے لئے گئی۔ سلطان نے یہ قضیہ دربار کے دانشمندوں کے حوالے کر دیا۔ جب وہ اس معاملے کی تشخیص میں عاجز آ گئے تو سلطان نے اس ملزمہ عورت کو خلوت میں بلوا کر پوچھا کہ اگر یہ بچہ تیرے ہاتھوں قتل ہوا ہے تو مجھ سے سچ کہہ تا کہ میں تجھے معاف کروں، ورنہ میں تجھے سزا دوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس بچے کے قتل سے بے خبر ہوں۔ آپ جو چاہیں حکم فرمائیں۔ سلطان نے کہا اگر یہ کام تجھ سے سرزد نہیں ہوا ہے تو ننگی ہو کر لوگوں کے بیچ میں سے اپنے گھر چلی جا۔ اس عورت نے کہا میں ہزار بار مرنا پسند کروں گی لیکن یہ مشکل کام مطلق نہیں کر سکتی۔ اس کے بعد سلطان نے اس مدعیہ عورت کو بلوایا اور خلوت میں پوچھا کہ سچ کہوں اس بچے کا قتل کس نے کیا ہے۔ اس عورت نے کہا اگر میری سوتن اس بچے کی قاتل نہ ہو تو اس کی جگہ مجھے قتل کر دیجئے۔ سلطان نے کہا اگر تم سچ کہتی ہو تو لوگوں کے سامنے ننگی ہو جاؤ۔ اس عورت نے فوراً یہ بات منظور کر لی اور ننگا ہونا ہی چلا ہا تھا کہ سلطان نے اسے روک دیا اور فرمایا کہ یہ کام اسی عورت کے ہاتھوں ہوا ہے۔ چنانچہ

اُسی وقت اسی پر تازیانے لگائے گئے اور اپنے فعل کا اقرار کر کے سزا پائی۔

سلطان نے اپنے ملک میں اعلان کروایا کہ چوروں کے چرائے مال کا تاوان دیہات کے رئیس لوگ ادا کیا کریں گے۔ اس طرح سے ملک سے چوری ختم ہو گئی۔ گورچیوں کے طائفہ نے، جو قدیم زمانے سے سلطان کے دایہ زادے تھے، تسلط و غلبگی سے اُمور سلطنت میں خلل اندازی کی۔ سلطان نے اُس کی مخالفت سے تنگ آ کر عمدہ تدبیروں کے ساتھ اس بدفطرت گروہ کو نوشہرہ میں قتل کر ڈالا۔

سر کشی بابا دشاہان عاقبت محمود نیست
سنگ بر افلاک دادن روی خود بشکستن است

(بادشاہوں سے سرکشی کرنے کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ آسمانوں پر پتھر پھینکنا اپنا ہی چہرہ توڑنا ہے)

محلہ نوشہرہ میں بکثرت عمارتیں، بازار اور دکانیں بنوائیں۔ وہاں قصر پادشاہی تعمیر کرا کے اسے اپنا دارالخلافہ قرار دیا اور اپنے بیٹھنے کی خاطر بارہ طبقوں کا ایک بلند نظارہ گاہ بنوایا، جس کا ہر طبقہ پچاس کمروں پر مشتمل تھا اور ہر کمرے میں پانچ سو آدمی بیٹھتے تھے۔ اس نظارہ گاہ عمارت کے ایوان طاق اور اس کے دریچے زمانے کی کاریگری کے عجائب نمونے تھے اور اس کا نام زین ڈب تھا اور لوگوں کی زبان پر راز دان یعنی بادشاہ کا گھر کے نام سے مشہور تھی۔ اور زر کثیر صرف کر کے سندلار سے پانی کی ایک نہر اس کے صحن میں جاری کی۔ چکوں کی بغاوت اور فساد برپا کرنے کے دنوں میں بعض باغیوں نے اسے جلا دیا اور ایک سال تک اس کی بنیاد جلتی رہی۔

سلطنت کی بنیاد کو استحکام بخشنے کے بعد سلطان نے تبت کے ممالک کو مسخر کرنے

کے لیئے، جن پر علی شاہ کے زمانے میں کاشغر کے حکمران نے قبضہ کر لیا تھا، عزم کا پرچم بلند کیا اور ایک سو ہزار پیادہ اور پچاس ہزار سوار فوجوں کی جماعت کے ساتھ چڑھائی کر کے تبت کے مضافات میں شی زی کے مقام پر جنگ کی اور کاشغر کا حکمران بھی قراقرم پہاڑ کو پار کر کے بھاری لشکر کے ساتھ مقابلے میں آیا اور بہت سے سرکش سرداروں کے سر کٹ گئے۔ دشمن کی تعداد کے مقابلے میں اگرچہ سلطان کی فوج کمتر تھی لیکن غیبی مدد سے دشمن نے مغلوب ہو کر شکست کھائی۔ فتح مندی کا جھنڈا لہرا کر سلطان نے دونوں تبت کو اپنے قبضہ اقتدار میں لایا۔

دوسرے سال جسرت خان گھکر کے ساتھ متحد ہو کر پنجاب کے نواحی کو اپنے خیموں کی ضرب گاہ بنا کر مقبوضہ ممالک کو پشاور سے دریای ستلج تک بڑھا دیا اور ستلج کو پار کر کے دہلی کے بادشاہ کے خلاف جنگی صفیں ترتیب دے کر جنگ کی۔ شدید حرب وضرب کے بعد جنگ صلح پر ختم ہوئی اور سلطان شہاب الدین کی قرار داد کے بموجب سلطان زین العابدین سرہند کی حدود تک قابض رہا اور پنجاب کے ممالک کا بندوبست کرنے کے بعد کشمیر لوٹ آیا اور اطمینان خاطر اور راحت قلب کے ساتھ ملک میں انصاف کے ساتھ حکومت کرنے اور اس کی آبادی کی طرف متوجہ ہوا اور لشکر کے امراء اور سردادوں پر جاگیروں اور نوازشوں سے مہربانیاں کیں اور لشکر کے تمام دلاوروں اور جنگجو سپاہوں کا دل انعامات واکرامات سے خوش کیا۔

اور اس کے عہد میں خاص اور عام لوگ خواہ وہ ہندو تھے یا مسلمان امن واطمینان کے ساتھ دن گزارتے تھے۔ اس کے زمانے میں معاش کی فراخی، دلوں کا سکون، خوراک کی وسعت اور غلہ جات کی ارزانی اتنی تھی کہ اس کی تفصیل باعث طوالت ہوگی۔ ملک کی تعمیر

اور رعایا کی آبادی میں قابل ستایش کوششیں کیں ۔ اکثر بیکار پڑے دیہات اور نا کاشت اراضی کو، جو ڈُوالچو کے حملے سے خراب اور تباہ ہو گئے تھے، پوری سعی و کوشش سے پھر سے آباد کر دیا۔ اس کے زمانے میں جگہ جگہ بند بنائے گئے ، ندی نالوں کی مرمت کی گئی اور پل بنائے گئے ۔ کوئی بھی زمین بے کاشت و آب نہ رہی مگر وہ جگہ جہاں سلطان کا قبضہ نہ تھا۔ سلطان نے بہت سے زمینوں کو آباد کر کے انہیں محتاجوں کے لئے وقف کر دیا۔ ان میں سے ساتھ جگہوں کو اپنے نام سے موسوم کیا۔ کامراج میں زین گیر، مراج میں زین پور، سایرا مواضع پائین علاقے میں زین کوٹ ، نوشہرہ میں راز دانی کے نام سے مشہور زین ڈب اور زین کدل اور زین بازار (زین کدل سے نایدکدل تک) اور جھیل ولر میں زین ڈینب (۱)

اور اپنے اوقات عزیز کو اکثر پرگنات و دیہات کے اطراف کی سیر و سیاحت اور پہاڑوں کے حدود نیز جھیلوں میں سیر و شکار کرنے میں گذارتا تھا۔ جہاں کوئی اچھی جگہ اور دلکش فضا پاتا وہاں پر باغ لگوا کر عمارتیں بناتا اور عیش و عشرت کیا کرتا تھا۔ بالخصوص زین گیر میں ایک وسیع باغ بنایا جو دو مربع میل کشادہ تھا اور اسے درختوں، چمن زاروں اور پھولوں سے آراستہ کر کے اس کے چاروں گوشوں میں اُونچی عمارتیں بنوائیں اور اسے زمانے کا ایک عجائب نمونہ بنا دیا اور اس کے ارد گرد میں امراء اور اراکین سلطنت کی عمارتیں بنوا کر انہیں چمن زاروں اور بڑے بڑے درختوں سے آراستہ کیا۔ کمال مشقت سے پہرو نالے کو اس کے اصلی منبع سے مسدود کروا کے اسے پوری طرح سے زین گیر کے میدان میں ہر طرف جاری کر دیا اور اسکی کاشت اور پیداوار کو علماء و فضلا کے لئے ان کی جاگیروں کے لئے دے دیا۔ پہرو نالے کو بند کر کے اس سے نہر کھدوانے پر لاکھوں روپے خرچ کئے۔

تاریخ ؎

چو شد تحفیر آن جوی گرامی
خرد تاریخ گفتا جوی خرّم (۸۵۹ھ)

(جب وہ بزرگ نہر کھودی گئی تو عقل نے اسکی تاریخ میں جوی خرّم کہا (نہر شاداب)

اسی زمانے میں پانڈ و چک، جو ترہگام کے چکوں کا سردار اور رئیس تھا، اپنے قوم قبیلے کے ساتھ وہاں رہتا تھا۔ زین شاہ نے جب زین گیر کے باغات کو آراستہ و آباد کیا اور خود اکثر اوقات وہاں آکر رہتا بھی تھا، تو پانڈ و چک کو اپنی بدسیرتی اور کج اندیشی کی وجہ سے دل میں ایک مذموم خیال آیا کہ بادشاہ کے یہاں آنے جانے سے ہماری قوم کو مشکل پیش آئے گی۔ اس لئے اُس نے اپنے ہمراہیوں سے متفق ہو کر رات کے وقت بادشاہی عمارتوں میں آگ لگا دی اور انہیں راکھ کر ڈالا۔ اس واقعہ کی خبر سن کر زین شاہ نے لشکر کو ساتھ لے کر ترہگام کے گاؤں کو انتقام کی آگ میں نذر آتش کر کے ویران کر دیا اور پانڈ و چک اپنے قوم قبیلے کے ساتھ دارُدو کی طرف بھاگ نکلا۔ سلطان نے منہدم عمارتوں کو پھر سے بنوایا۔ فرصت پا کر پانڈ و چک نے پھر سے ان عمارتوں کو جلا ڈالا اور بھاگ گیا۔ سلطان نے اس کے بعد دارُدو کے لوگوں کے ساتھ لطف وعنایت کا مظاہرہ کر کے انہیں اپنا فرمان بردار بنالیا۔ انہوں نے قوم قبیلے کے ہمراہ پانڈ و چک کو گرفتار کر کے سلطان کے حضور میں پہنچا دیا اور پانڈ و چک کو تازیانے لگا کر ہلاک کر دیا گیا اور اس کے مددگاروں اور ساتھیوں کو تلوار کی کاٹ سے گذار دیا گیا۔ اور اُن کے بچوں اور عورتوں کو دُتر پرگنہ کے ہرل گاؤں میں بھیج دیا گیا۔ چونکہ بچے کمسن تھے، جوانی میں قدم رکھتے ہی انہوں نے نیا یک طائفہ کے لوگوں کے ساتھ، جو اِن اطراف میں لوگوں کے سردار اور صاحب ثروت و دولت تھے، رشتہ داری و قرابت کے رابطے قائم کر کے پھر سے ترہگام گاؤں میں سکونت اختیار کی۔

ان میں پانڈو چک کا بیٹا حسین چک تھا، جو باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوا تھا اور جو سلطان کے حضور سے بزرگواری وعنایات سے ممتاز ہوا۔

اور سلطان جھیل وُلر کی اکثر سیر کیا کرتا تھا۔ جھیل میں راجہ سندمت کا بت خانہ موجود تھا، جس کا ذکر دوسرا تخت کے عنوان کے تحت ہو چکا اور جو پانی کی کمی کے وقت دکھائی دیتا تھا۔ سلطان نے اس کی چوٹی کے اُوپر ایک بڑی سی کشادہ کشتی نصب کروادی، جس میں سنگ وخاک بھروا کے ایک وسیع اور اُونچا جزیرہ بنوایا اور اس کا نام زین ڈینب رکھا۔ اور اس پر تین طبقوں کا ایک بلند نظارہ گاہ تعمیر کیا جس کا پہلا طبقہ چھلے ہوئے پتھروں، دوسرا طبقہ اینٹوں اور تیسرا طبقہ لکڑی کا بنوایا اور اس کے متصل سنگین اور گنبد والی ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنائی جو ابھی تک موجود ہے۔ جھیل وُلر کے ذکر میں اسکی کیفیت تفصیل سے کہی گئی۔

اور زین پور میں بلند عمارتیں بنوائیں اور وسیع باغ لگوائے۔ شوپیان قصبے میں پانی کی نہر کو بند کروا کے اسے زین پور میں جاری کیا۔ حبہ کدل کے مقام پر جھیل ڈل کا پانی دریائے بہت سے مل جاتا تھا۔ سلطان نے اس کے اصلی منبع کو بند کرا کے شہر کے بیچ میں سے نالہ مار کھدوایا اور جھیل ڈال کے پانی کو نالہ مار سے زراعت کی زمینوں کو آباد کرنے کے لئے اچھن پرگنہ میں جاری کر دیا۔ نالہ مار پر اُونچے سات وسنگین پل لوگوں کے عبور ومرور کے لئے بنائے۔ تاپر اور اندر کوٹ کے بت خانوں، دارا جو بت شکن کے ہاتھوں مسمار ہو گئے تھے، کے پتھروں سے اندر کوٹ سے سوپور تک لوگوں کی آمد ورفت کے لئے ایک مستحکم بند تعمیر کیا اور رادوگام گاؤں کو اس کی مرمت کے لئے وقف رکھا۔ بعض درخت اور پھل اور میوہ جات جو اس ملک میں نہیں تھے، انہیں باہر کے شہروں اور ملکوں سے منگوا کر کاشت کرایا۔ شہر کے بازاروں میں سڑکیں اور پرنالے عجیب طرح کے بنوائے اور شہر کی صفائی اور دکانوں اور

بازاروں کو آراستہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ہندوستان اور خراسان سے بہت سے علماء و فضلا کو بلوایا اور منصب و جاگیریں دے کر ان کی خدمت کی اور ہمیشہ ان کی صحبتوں کے فیض سے مستفیض ہوتا رہا۔

ان میں مولوی کبیر، ملا احمد کشمیری، ملا پارسا، ملا محمد قاضی حمید الدین، مولانا نادری، ملا ضیائی اور ملا تر کی ہمیشہ ہی اس کے ندیم وہم نشین تھے۔ حرمین الشریفین سے کمال آرزو کے ساتھ احادیث پاک کی کتابیں منگوائیں اور ہمیشہ اُن کے مطالعہ میں مشغول رہتا تھا۔ ان کے علاوہ ہر ملک سے نادر علوم اور عجائب فنون کی کتابیں منگوا کر جاری کیں اور بہت سے مدرسے قائم کیئے۔

مولوی کبیر سلطان کا اُستاد تھا۔ کمسنی میں ہرات جا کر علم حاصل کیا تھا۔ سلطان نے بڑے تکلیف و اہتمام سے اسے بلوا کر شیخ اسلامی کا عہدہ یعنی صدارت کا منصب اسے بخش دیا اور نوشہرہ میں قصر شاہی کے متصل اسکے لئے مدرسہ بنایا اور طالبان علم کی وظیفہ خوری کے لئے جاگیر مقرر کی اور اس کی تعلیم و تدریس سے ایک دنیا نے فیض پایا۔

اور ملا احمد کشمیری سلطان کے عہد میں ملک الشعراء تھا۔ بعض غرض منداور حاسد لوگ ملا احمد کے خلاف سلطان کے حضور میں باتیں بنا کر سناتے تھے۔ سلطان کا دل اس سے پھر گیا اور اسے ملک سے نکال دیا۔ مولانا نے پکھلی سے یہ رباعی عرض کر کے بھیج دی۔

نی بہ نجوم ز مُبتدیٰ خبری   نی بہ منطق ز جزو و کل اثری

برمن این کسر و جر چرا رانند   احمد ار غیر متصرف خوانند

(نہ مجھے نحو میں ابتدا کی خبر ہے اور نہ ہی منطق میں جزو یا کل کی کوئی واقفیت۔ تو پھر مجھ سے یہ زیر و زبر (توڑ پھوڑ) کیوں روا رکھا گیا ہے۔ جب کہ احمد غیر منصرف کا قائل ہے یعنی نہ کسرہ

کا قائل ہوں نہ تنوین کا)

سلطان نے اسکی خطاؤں کو درگذر کر کے بلوالیا۔ایک دن ملا احمد دربار میں داخل ہوا۔اس کے دستار کا شملہ سر کی چوٹی پر ہی برقرار تھا۔سلطان نے ظرافت سے فی البدیہہ کہا۔

شاخ پیشانی ملا احمد کشمیر بین گر نہ دیدستی تو در آفاق انسان شاخ دار

(ملا احمد کشمیر کی شاخ پیشانی کو دیکھو اگر تم نے دنیا میں کسی شاخدار آدمی کو نہ دیکھا ہو)

ملا احمد نے بلا تامل جواب دیا۔

شاخ پیشانی خدیوا! گرگ (۲) داری داشتم تانیایم درمیان مادہ گاوان در شمار

(شہنشاہا! کرگدن کی طرح میں نے پیشانی پر یہ شاخ اس لئے رکھ دی ہے کہ میرا شمار مادہ گایوں میں نہ ہو)

سلطان نے اسے انعام سے نوازا۔

اپنی کمال حسن نیت سے سلطان نے بغیر کسی تعصب اور زور زبردستی کے ہر قوم کے ساتھ صُلح کل روا رکھا۔ ہندو قوم کو، جو دارایِ بت شکن کے وقت میں پامال اور خستہ حال ہو چکی تھی، لطف و مدارات سے نواز کر ہندو مذہب کو کلی رواج دیا اور ہندوؤں کو منصب اور جاگیریں دیں اور ہندو قوم سے لکھ کر لیا کہ وہ مطلق جھوٹ نہ بولیں اور اپنے مذہب کے احکام سے باہر نہ جائیں۔بعض ہندو، جو سلطان سکندر کے عہد میں مسلمان ہو گئے تھے، سلطان زین العابدین کے عہد میں اپنے مذہب میں لوٹ آئے اور علمای اسلام میں سے کسی ایک میں بھی ان کا مواخذہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔ سلطان کے احسان وامتنان کی خبر سن کر اکثر وہ برہمن، جو ملک سے فرار کر گئے تھے، لوٹ کر پھر سے آباد ہو گئے اور ان کے علاوہ ہندوستان کے بہت سے برہمن یہاں آ کر بسے۔ ہندو مذہب کے ان رسوم کی، جو معدوم

ہو چکے تھے، پھر سے تجدید ہوئی۔ سلطان ہندوؤں کے تیرتھوں اور میلوں پر خود حاضر ہوتا تھا۔ سلطان نے اپنے طبیب شیری بھٹ کی سفارش پر سابق معمول کا زرّ جزیہ ہندوؤں کے حق میں معاف کر دیا۔ پنڈتوں کے بچوں کو فارسی تعلیم دے کر اُن کو ملکی اور مالی اُمور کی خدمت میں مشغول رکھا۔ دارایِ بت شکن کے ہاتھوں جو بعض مندر گھائل ہوئے اور ٹوٹ چکے تھے، اُن کی مرمت اور تجدید کرنے میں غیر معمولی کوشش کی۔ کوہ سلیمان کی چوٹی پر جو زیشٹیشور مندر موجود ہے اُس کی شکستگی کی مرمت کرا کے اس کے گنبد کی چھت کی استواری کے لئے پتھر کے چار ستون بنوائے۔ جگرناتھ سے برہمن علما اور کورہ کھتر سے کامل جوگیوں کو بلوا کر ان کی ہم نشینی سے استفادہ کرتا تھا۔ اور وید و شاستر (۳) کی کتابیں ہندوستان سے منگوا کر اُن کا ترجمہ فارسی میں لکھوا لیا اور اکثر عربی اور فارسی کتابوں کا سنسکرت زبان میں ترجمہ کروایا۔ خاص کر مہابھارت (۴) کا ترجمہ اور راز ترنگینی کا ترجمہ، جو دونوں کتابیں سنسکرت زبان میں تھیں، ملا احمد نے کیا۔ نیز راجہ جے سنگھ کے عہد سے اپنے زمانے تک کا رازہ ترنگینی کا ضمیمہ پنڈت زونہ راج کی عرق ریز محنت سے سنسکرت میں مرتب کروایا۔

مختلف ملکوں سے اطبای کامل اور علم طلب کی کتابیں منگوائیں۔ جگہ جگہ شفا خانے کھولے۔ مسافروں کے آنے جانے کے لئے سرائیں مقرر کیں۔ ہر قوم کے علوم کی تحقیق واشاعت کی طرف خوب توجہ کی۔ ہر فن کے کاریگروں کو دُور علاقوں سے بلوا کر یہاں بسایا اور ہر ایک کو جاگیر اور منصب دیئے۔ چنانچہ صحافوں، قالین بافوں، جلدگروں، قلمدان سازو، حکاکوں، مہر کنوں اور جنائی کا کام کرنے والی دایہ عورتوں کو سمرقند سے لا کر یہاں آباد کیا اور چالاک طبع و نازک خیال لوگوں کی ایک جماعت کا انتخاب کر کے ان کو بعض شہروں اور ملکوں میں بھیج دیا کہ اُن میں سے ہر کوئی کسی نہ کسی فن میں تربیت پا کر واپس آ گیا اور اس طرح سے

اُن کی تعلیم و تربیت کے باعث عجائب فنون اپنے ملک میں پھیلا دیئے۔ علم موسیقی کا بہت شوقین تھا اور گویوں اور مطربوں کو شائستہ انعامات دیتا تھا۔

ملا عودی نام کا ایک شخص خراسان سے آیا۔ اس نے اپنے گانے بجانے سے سلطان کو بہت محظوظ کر کے کافی نوازشیں پائیں۔ اور ملا جمیل نام کا ایک حافظ خوشخوانی اور سخندانی میں لاثانی تھا۔ وہ دربارِ سلطانی میں خوب شیرین کلامی کرتا تھا اور سلطان پر رقت چھا جاتی تھی اور سلطان اس کے صلہ میں ملا جمیل کو اس قدر زر بخشتا تھا جسکی تفصیل ممکن نہیں۔ کشمیر میں ملا جمیل کے نقش مشہور ہیں۔

جیونامی ایک آتش باز نمودار ہوا جس کی مانند زمانے کی آنکھ نے ہرگز پہلے کوئی اور نہ دیکھا تھا۔ اس نے آتش بازی کے فن میں نادر الوجود اختراعات کیں۔ اس ملک میں تفنگ اسی کی اختراع ہے۔ سلطان کے حضور میں اس نے دوادارُو بنائے، ہنر دکھائے اور لوگوں کو سکھائے۔ سبھی علوم میں قابل و لائق آدمی تھا۔ سلطان کا دربار اہل نغمہ وارباب طرب کے وجود سے جو حسن صورت، قوالی اور خوش آوازی میں نادرہ ٔروزگار اور خوش حرکات وسکنات میں بے نظیر تھے، رشک جنت تھا۔ سلطان کے زمانے میں رقاص بھی تھے اور طناب باز بھی تھے۔ بعض گویے ایسے تھے جو ایک راگ کو بارہ مقاموں میں گاتے تھے۔ اکثر مطربوں کے ساز جیسے عود اور رباب اور طنبور وغیرہ کو سونے کے بنوا کر انہیں ہیرے جواہرات سے مرصع کیا تھا۔

سوم نامی ایک شخص کشمیری زبان میں شعر کہتا تھا اور ہندی علوم میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اس نے سلطان کے حالات میں زین چرت نام کی کتاب تصنیف کی۔

بودی بھٹ کو فردوسی کا شاہنامہ پورا یاد تھا اور اسے سلطان کے دربار میں ہمیشہ سناتا

تھا۔علم موسیقی میں بادشاہ کے نام پر ایک کتاب لکھ کر نوازشیں پائیں ۔سلطان خود فارسی، ہندی اور تبتی میں خوب کلام کیا کرتا تھا۔

سلطان وقت کے مشائخ کبار اور اولیاء اللہ جیسے شیخ بہاء الدین گنج بخشؒ، جناب شیخ نورالدین ریشیؒ، سید حسین منطقیؒ اور سید ناصر الدین بیہقیؒ وغیرہ اہل کمال واصحاب حال کی خدمت میں صحبت سے مستفیض ہوتا تھا۔سید حسین منطقیؒ سے بیعت کر کے ان کی تعلیم و تربیت میں صفای باطن حاصل کر لیا تھا۔

ایک دن آنجنابؒ کے حضور سے تبرک کی درخواست کی۔انہوں نے کل کا وعدہ کیا۔ صبح کو آستین میں کوئی چیز لے کر سلطان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا آپ کے لئے تبرک لائے ہیں اور فوراً ایک بیٹا جو اُسی وقت پیدا ہوا تھا اس کی گود میں رکھا اور کہا کہ ہم نے اپنا یہ فرزند تجھے بخش دیا۔اس کا نام محمد امین رکھ دینا چاہئے۔اس کے بعد سلطان کی حرم محترمہ نے، جو بیہقی سادات کی ایک بے اولاد خاتون تھی، اس گران مایہ موتی کی پرورش کی۔سلطان کے خلوص وصفای باطن کے بارے میں مورخوں نے داستانیں لکھی ہیں۔

بیان کیا گیا ہے کہ سلطان زینہ لنک کے قصر شاہی میں ایک دن تنہا بیٹھا تھا۔ شیطان کے بہکانے پر سلطان کے فرزند حاجی خان نے سلطان کو قتل کرنے کا خیال دل میں لایا۔سلطان نے اس پر نظر ڈال کر کہا کہ میری تسبیح مسجد میں رہ گئی ہے۔جلدی جا کر لے آؤ۔حاجی خان مسجد میں گیا اور دیکھا کہ سلطان وہاں تسبیح ہاتھ میں لے کر وظیفہ پڑھ رہا ہے۔ حریت زدہ ہو کر لوٹ آیا اور سلطان نے اس سے تسبیح مانگی۔حاجی خان شرمندہ ہو کر اس کے پاؤں پر آگرا۔

بعض مورخوں کا کہنا ہے کہ علم سیمیا اور ریمیا میں خوب ماہر تھا۔

کہتے ہیں کہ سلطان نے مس اور ہیروں کی کان پائی تھی۔ چنانچہ اُس کے زمانے سے زین رتن اس ملک میں مشہور ہے۔ اپنے روز تولد پر شاہی جشن کرتا تھا اور دریائے بہت کے دونوں اطراف کو چراغان سے روشن کرواتا تھا اور لاکھوں روپے خرچ کرتا تھا۔ کوثر ناگ چشمے میں صندل لکڑی کی ایک ناو ڈال رکھی تھی جس میں بیٹھ کر نظارہ و سیر کرتا تھا اور ہر موکٹہ چشمے کی سیر بھی کشتی میں ہی کرتا تھا۔ پرندوں کے شکار کو ممنوع کیا تھا اور ماہ رمضان میں ہرگز گوشت نہیں کھاتا تھا۔

اور جو بادشاہ سلطان کے ہمزمان تھے اُنہوں نے اسکی خوبیوں کی شہرت سن کر ملاقات کرنے کے شوق کا اظہار کیا۔ خاص کر خراسان کے بادشاہ خاقان سعید ابوسید شاہ نے ہوا کی مانند تیز قدم عربی گھوڑے، اعلیٰ راہوار خچر اور بادیہ پیما قوی ہیکل اُونٹ سلطان کے لئے ہدیہ میں بھیج دئے۔ ان تحایف سے خوش ہو کر سلطان نے خروار ہا زعفران، کاغذ، مشک و عطر، عراق گلاب، سرکہ اور عمدہ شال اور شیشے کے برتن اور کشمیر کے دیگر عجائب اشیاء ابوسعید شاہ کی خدمت میں بھیج دئے۔

اور اسی طرح سلطان نے ترکستان اور ہندوستان کے سلاطین کے ساتھ دوستی و محبت کے روابط تحایف و نفایس بھیج کر مستحکم کئے اور ہر کسی کو دام محبت کا اسیر بنا دیا۔ حرمین شریفین میں سرائیں قائم کر کے شریف مکہ سے محبت کا اظہار کیا اور اسی طرح سے سلطان محمود گجراتی اور سلطان بہلول لودی اور مصر و شام کے حکمرانوں نے اپنے اپنے ممالک کے تحائف بھیج کر خلوص و دوستی کے تعلقات کو قائم رکھا اور ان کے بدلے میں سلطان بھی شایان و شائستہ نذرانے بھیجتا تھا۔ لاسہ کے حکمران نے دو عجیب و خوش رنگ راج ہنس نامی جانور، جنہیں اُس نے مان تالاب کے پہاڑوں میں پایا تھا، سلطان کی ضیافت کے لئے خدمت

میں بھیج دئے۔

قصہ: کہتے ہیں کہ ان دونوں جانوروں کے آگے دودھ اور پانی ملا کے رکھ دیتے تھے تو یہ چونچ سے دودھ کے حصے کو پانی سے الگ کر کے پیتے تھے اور خالص پانی کو باقی چھوڑ دیتے تھے۔

قصہ: ہندو تاریخ نویس بعض عجیب وغریب داستانوں اور حکایتوں کو جو عقل سے دُور دکھائی دیتی ہیں، اپنے حسن اعتقاد سے سچ جان کر اپنی تصانیف میں بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے وہ ایک عجیب داستان سلطان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بیس سال کی حکومت کے بعد سلطان زین العابدین مرض موت میں بیمار ہو کر گویا رحلت کرنے کے حال میں پہنچا۔ شیری بٹ اور دوری بھٹ نے جو ہمیشہ سلطان کی ہم نشینی وخدمت میں ممتاز تھے، جوگیان کامل میں سے ایک جوگی کو، جو علم سیمیا میں ماہر تھا، اُس کی نیک خدمات وحسن التفات کی وجہ سے اپنے گھر میں رکھ لیا تھا۔ چونکہ بادشاہ کے قریب المرگ ہونے کے باعث دونوں حیران وپریشان تھے، اس لئے دونوں نے سخت عاجزی ودرماندگی کے ساتھ جوگی سے سلطان کے صحت یاب ہو جانے کے لئے التجا کی۔ جوگی مذکور نے جو اُن کی حسن خدمات کا ممنون ومشکور تھا کہا کہ سلطان کی موت ناگزیز ہے۔ اس کا مطلق کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ اب آپ کے حقوق کا لحاظ کرتے ہوئے میں اپنی روح کو بادشاہ کے قالب میں اُتار کر اسے زندہ کر دوں گا اور اپنا جسم خاکی آپ لوگوں کے حوالے کروں گا جس کو آپ پوری حفاظت کے ساتھ خلوت کی جگہ پر محفوظ رکھیں گے کہ ضائع نہ ہونے پائے۔ ان دونوں نے چاپلوسی وفریب سے کام لے کر اسے تسلیاں دیں اور سلطان کے سرہانے کے پاس پردے کے پیچھے لاکر چھپا دیا۔ بادشاہ کی روح جونہی اس کے بدن سے نکلی جوگی کی روح اُس کے جسم سے نکل کر بادشاہ کے بدن کے اندر اُتر آئی اور سلطان کے مصاحبوں نے فوراً جوگی کا

بدن اُٹھا کر اسے شمشان کے آتش خانہ کے سپرد کر دیا۔ اور سلطان بستر علالت سے صحیح و سالم اُٹھ کر اُمور مملکت کے انتظام کی طرف متوجہ ہوا۔ جبکہ جوگی اپنے جسم سے محروم ہو کر حکومت و سلطنت کے جام سے لذت یاب ہوا۔ اس کے بعد بتیس سال حکمرانی میں گذارے۔ کہتے ہیں اپنے مذہب کا لحاظ کرنے کے موجب ہی وہ ہندوؤں کے حق میں ہر قسم کی حمایت اور رعایت کرنے کا خیال رکھتا تھا۔ **العہدہ علی الراوی** (اس داستان کی ذمہ داری کہنے والے پر ہے!)

بدین گونہ گفتارِ مردم بسی است　　　مرا گوش برگفتہ ہر کسی است

(اس طرح کی باتیں لوگ بہت کہتے ہیں اور میں ہر کسی کی بات سنتا رہتا ہوں)

غرض سلطان جیسا عدل کرنے والا، فضیلت رکھنے والا، سخاوت کرنے والا، کامل، بہادر، عیاش، ریاضت کار محتاط، حلیم، کریم، ذہن رسا پانے والا اور عقلمند حکمران دنیا میں اور کوئی پیدا نہ ہوا۔ ہمیشہ تعصب و ریا کاری اور ظلم و جفا اور سختی و جبر کرنے سے دُور رہا۔

کہتے ہیں حکمرانی کے اوائل میں اپنے بھائی محمد خان کو اپنا وکیل اور ولی عہد بنایا تھا۔ اس کی موت ہو جانے کے بعد اس کے بیٹے حیدر کو باپ کی جگہ جانشین مقرر کر کے ملکی اُمور کو اس کے سپرد کر دیا۔ مسعود بٹ اور شیر دو بٹ، جو سلطان کے دایہ زادہ تھے، اُمور مملکت میں معتبر تھے لیکن یہ دونوں ایک دوسرے کے ایسے دشمن ہو گئے کہ شیر دو نے مسعود بٹ کو قتل کر دیا اور سلطان نے مسعود بٹ کے قصاص میں شیر دو کو مار ڈالا۔ کہتے ہیں شیر دو کو قتل کرنے کے بعد سلطان نے ایک لاکھ روپے زرِ کشمیری اس کی رُوح کے آرام پانے کی خاطر خیرات کیئے۔

سلطان کی زندگی کے درخت کا میوہ تین بیٹے تھے۔ ایک آدم خان جو سلطان کی

نظروں میں ہمیشہ ذلیل تھا۔ دوسرا حاجی خان جسے بہت عزیز رکھتا تھا اور تیسرا بہرام خان۔ بالآخر سلطان زادے آپس میں اُلجھ پڑے اور ان کو جھگڑے کو دُور کرنے کی غرض سے سلطان نے آدم خان کو لشکر ساتھ دے کر تبت کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے اجازت دی۔ تبت پہنچ کر آدم خان نے قرغز کے باغیوں کو پامال کر کے شکست دی اور بے شمار مال غنیمت کے ساتھ لوٹ کر اسے بادشاہ کی نظر سے گذار دیا اور خسروانہ نوازش سے سربلندی پائی۔ اس کے بعد سلطان کے حضور سے حاجی خان نے لوہر کوٹ کی حکمرانی کی اجازت حاصل کی۔ کچھ عرصہ بعد حاجی خان اپنے بھائی آدم خان سے خوفزدہ ہو کر سلطان کی اجازت کے بغیر بھاری فوج کے ہمراہ کشمیر کی طرف حملہ آور ہو کر دشمنی کا پرچم لہراتے ہوئے بڑھا اور سلطان کی ممانعت کے باوجود بھی باز نہ رہا۔

سلطان نے اس کے بعد کثیر لشکر کے ساتھ سپیل میدان میں قیام کیا۔ حاجی خان اپنے کیئے پر بیزار ہو چکا تھا لیکن اُسے توبہ کرنے کی فرصت نہ ملی۔ ناچار کشت وخون پر آمادہ ہو گیا اور جانبین کے نامی سردار قتل ہوئے۔ آدم خان دلاوری ومردانگی کی داد دیتے ہوئے صبح سے شام تک جنگ وجدل میں قائم وثابت رہا۔ آخر مقابلے کی تاب نہ لا کر حاجی خان ہیرہ پور کی طرف شکست کھا کر بھاگ نکلا اور آدم خان نے اس کا پیچھا کر کے بھاگتے ہوئے سپاہیوں کی ایک کثیر تعداد کو قتل کر ڈالا۔ حاجی خان معدودے چند افراد کے ساتھ بنبرہ پہنچ کر زخمیوں کا علاج کرنے میں مشغول رہا۔ سلطان فتح یاب اور نصرت پا کر لوٹ گیا اور دشمنوں کے سروں کا ایک اُونچا مینار بلند کیا اور حاجی خان کی لشکر کے اسیروں کو قتل کر دیا اور حاجی خان سے منسوب لوگوں کو تباہ وبرباد کر کے اُن کو بھاری جرمانوں سے تکلیفیں دیں۔ حاجی خان کی فوج کے اکثر سپاہی آدم خان کے پاس پناہ گزین ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد سلطان

نے آدم خان کو ولی عہد بنا کر سلطنت کے انتظام و آبادی کی طرف توجہ کی۔

نیز اسی زمانے سال ۸۷۵ھ میں بہار کی بارشوں کی کثرت سے شالی کی فصل خام اور نامکمل رہی اور عظیم قحط واقع ہوا، جس سے بہت سے بندگان خدا مر گئے۔ اس واقعہ سے سلطان ہمیشہ دل آزردہ و مغموم رہتا تھا۔ سلطان نے دُور اطراف سے وافر غلہ منگوا کر رعایا میں تقسیم کیا، یہاں تک کہ قحط دُور ہو گیا۔

کچھ عرصہ بعد آدم خان نے باغی ہو کر کامراج کے علاقے میں لوٹ مار کا ہاتھ دراز کیا اور طرح طرح کے مظالم توڑ کر فساد و فتنہ کی گرم بازاری کی۔ لوگوں کے پاس جو بھی چیز تھی اُسے چھین لیا۔ انصاف چاہنے والوں نے سلطان کے پاس جا کر فریاد کی۔ سلطان جو بھی حکم اس کے پاس بھیجتا وہ اسے رد کرتا تھا۔ بالآخر قطب الدین پور میں آ کر بغاوت کا پرچم بلند کر کے بہت فوج جمع کر لی۔ سلطان نے وحشت سے گھبرا کر اسے نرمی و مدارات کے ساتھ پھر کامراج کی طرف مامور کیا اور چوری چھپے حاجی خان کے پاس فرمان بھیجا کہ اپنی جماعت کے ہمراہ تیزی سے لوٹ آئے۔ پیغام سنتے ہی حاجی خان نے حملہ کرتے ہوئے سوپور کے قصبے میں قیام کیا اور آدم خان نے جنگ میں اُسے شکست دے کر سوپور کے قصبے کو غارت کیا۔ اس آشوب کی خبر سنتے ہی سلطان نے آدم خان کے خلاف اپنی قہر برسانے والی فوج متعین کر کے کشت و خون کا میدان گرم کیا اور آدم خان کے بہت سے دلاور سپاہی تلوار کی زد میں آ گئے اور اس کی لشکر کو شکست ہوئی اور شکست خوردگی کی حالت میں اسکی فوج کے تین سو نامور افسر سوپور کا پل ٹوٹ جانے کے باعث فنا کے گرداب میں غرق ہو گئے۔ دوسرے دن سلطان بھاری فوج کے ہمراہ سوپور کی جانب روانہ ہوا اور دریائے بہت کے جنوبی کنارے پر قیام کیا اور آدم خان نے شمالی کنارے پر مقابلے کا پرچم

لہرایا۔

ہمین است آخر زمان را نشان　　پسر با پدر جنگ جوید عیان

(یہی آخری زمانے کی نشانی کہ بیٹا آشکارا طور باپ کے خلاف ہوتا ہے)

حاجی خان بارہ مولہ کے علاقے میں شکست کھا کر باپ کی مدد کا منتظر تھا۔ سلطان کے فرمان پر اس کا بھائی بہرام خان بارہ مولہ تک اس کے استقبال کو آیا اور دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کے ساتھ گرمجوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد بھاری جماعت کے ساتھ آدم خان کے خلاف جنگ کرنے کے لئے حملہ آور ہو کر دوآب گاہ پہنچ گئے۔ باپ اور بھائی کے ساتھ دشمنی کی اس جنگ میں عاجز آکر آدم خان پنجاب کی طرف بھاگ گیا۔ اور سلطان نے حاجی خان کے ساتھ روانہ ہو کر تخت خلافت کو رونق بخشی اور وفور عنایت و کرم سے حاجی خان کو اپنا ولی عہد بنا کر ملک کے اختیارات کی باگ اُس کے سپرد کر دی۔ حاجی خان نے اپنی سابق تقصیرات کی تلافی میں باپ کی خدمات انجام دینے میں بڑی مستعدی دکھائی۔ اس حد تک کہ سلطان اب اسے سبھی فرزندوں سے عزیز تر جانتا تھا۔ چنانچہ اسے درخشان جواہرات کی جڑی ہوئی کمر کی شمشیر عطا کی اور کئی عہدے اور جاگیریں بھی دیں۔

کچھ عرصہ بعد بُرے اطوار اور مذموم حرکات کی بنا پر سلطان حاجی خان سے رنجیدہ ہو گیا۔ اسی اثنا میں سلطان کا مزاج خون کے اسہال کی وجہ سے غیر ہو گیا اور شاہی اُمور معطل ہو کر رہ گئے۔ بعض امراء نے آدم خان کو خبر کر کے بلوا لیا۔ سلطان نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور آدم خان نے اپنے بھائی حاجی خان کے ساتھ چند روز کی صلح کر لی۔ بہرام خان نے پریشان کلامی سے خود کو پھر سے مخالفتوں کے گرداب میں ڈال دیا اور بعض نیک خواہوں نے سلطان سے عرضداشت کی کہ اپنے فرزندوں میں سے کسی کو ولی عہد بنا لیں۔ سلطان

نے ان کی بد کرداری کی وجہ سے مسئلہ تقدیر کے حوالے کیا اور آدم خان اپنے باپ سے اجازت لے کر بھائیوں سے علیحدگی اختیار کر کے قطب الدین پور میں آ کر بیٹھ گیا۔

کچھ مدت کے بعد حاجی خان اور بہرام خان مسلح ہو کر آدم خان کے خلاف کمر بستہ ہو گئے اور ہر روز اس کے ساتھ جنگ کرتے تھے۔ اس فتنے کی وجہ سے سلطان کی بیماری دن بہ دن بڑھتی گئی اور ان ہی ایام میں بادشاہ کے مزاج میں تغیر آ گیا اور اطبا علاج کرنے سے عاجز ہوئے۔ جب سلطان ایک رات اور ایک دن تک بیہوشی کے عالم میں تھا آدم خان نے لشکر کو نوشہرہ میں چھوڑ کر باپ کی عیادت کی۔ اسی رات حسن خان نامی ایک نامور امیر نے چند اور امراء کے ہمراہ حاجی خان کی بیعت کی اور دوسرے دن فریب سے آدم خان کو گھر سے نکال دیا گیا اور حاجی خان شاہی دیوان خانے میں داخل ہو کر زیر زمین دفینوں، خزانوں اور سلطان کے اصطبل کے گھوڑوں پر قابض ہوا اور بھاری لشکر جمع کر کے قلعہ کے باہر تیار رہا۔ اپنے اندر مقابلہ کرنے کی قوت نہ پا کر آدم خان نے بارہمولہ کی راہ سے ہندوستان کا رُخ کیا اور اسکے ملازمین اس سے بدل ہو کر الگ ہو گئے۔ حاجی خان کے سپہ سالار نرین لارک نے سپاہیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ اس کا تیزی سے پیچھا کیا لیکن اپنے رشتہ داروں اور بھائیوں سمیت آدم خان کے ہاتھوں مارا گیا۔ حاجی خان کا بیٹا حسن خان پونچھ سے آ کر باپ کے ساتھ مل گیا اور اس کے آنے سے قوت پا کر حاجی خان کے کام میں خاصی رونق آ گئی۔

اکیاون سال دو ماہ اور تین دن تک حکمرانی کرنے کے بعد سلطان نے اُنہتر سال کی عمر میں عالم باقی کا سفر اختیار کیا۔

فغان زین چرخ دُولابی کہ ہر روز　　بہ چاھی افکند ماہ شب افروز

(فریاد ہے رہٹ کی مانند گھومنے والے اس چرخ سے جو ہر روز راتوں کو روشن کرنے والے چاند کو کنوئیں میں دھکیل دیتا ہے)

اور مزار سلاطین میں اپنے والد بزرگوار کی قبر کے سامنے آسودگی پائی۔ تاریخ ؎

سلطان زین العابدین زد خیمہ در خلد برین　　بی نور شد تاج و نگین بی ہور شد ارض و سما

از بہر تار تخش عیان بی سر شدہ اندر جہاں　　عدل و کرم، علم و علم، جاہ و حشم، صلح و صفا

(سلطان زین العابدین نے بہشت برین میں خیمہ گاڑ دیا۔ تاج و نگین بے رونق ہو گئے، زمین و آسمان بے آفتاب! اس کی تاریخ عیان ہوئی کہ دنیا میں بے سر ہو گئے عدل، کرم، علم، علم، جاہ، حشم، صلع اور صفا(

تاریخ ؎

دریغا پادشاہِ مسلمین رفت　　امام وقت زین العابدین رفت

جہان تاریک شد از ماتم او　　کہ خورشید زمان زیر زمین رفت

کمشیداز آسمان سر ہاتف غیب　　ندا در داد: ماہِ ملک مدد ین رفت

(افسوس! مسلمانوں کا بادشاہ چلا گیا۔ وقت کا امام زین العابدین چلا گیا۔ اس کے ماتم میں دنیا تاریک ہوگئی کہ زمانے کا آفتاب زیر زمین چلا گیا۔ ہاتف غیبی نے آسمان سے سر باہر نکال کر آواز دی کہ: ملک و دین کا چاند چلا گیا)

کشمیر میں سلطان زین العابدین جیسا صاحب شوکت و عظمت اور عادل و سخاوت مند بادشاہ اور کوئی نہ تھا۔ اسی لئے اسے بڈ شاہ یعنی پادشاہ بزرگ کہتے ہیں۔ طبیعت موزون پائی تھی۔ قطب تخلص کرتا تھا۔ یہ شعر جو اُس کے روشن ذہن کے نتیجے میں مشہور ہیں۔

غزل ۔

ای بگرد شمع رُویت عالمی پروانہ ای
وزلب شیرین تو شوری است در ہر خانہ ای

ماہ من گرمی توانی رحم کن بر بی دلان
کز تو ماند این حکایت در جہان افسانہ ای

من بہ چندین آشنائی منی حورم خون جگر
آشنارا حال این است ، وای بر بیگانہ ای

گشتہ ام دیوانہ وجائی نہ دارد خانہ ام
شب بہ کوی یار باشم ، روز در ویرانہ ای

قطب مسکین گر گناہی می کند عیبش مکن
عیب نبود گر گناہی می کند دیوانہ ای

(اے کہ تیرے چہرے کی شمع کے گرد ایک عالم پروانہ ہوا ہے اور تیرے شیرین ہونٹوں کا ہر گھر میں شور اُٹھا ہے! میرے چاند اگر تجھ سے ہو سکے بیدل عاشقوں پر رحم کرتا کہ تجھ سے یہ بات مشہور ہو کر باقی رہ جائے۔ اس قدر آشنا ہو کر بھی میں خون جگر پی رہا ہوں۔ یہ ہے حال اپنے آشنا کا۔ افسوس ہے بیگانے عاشق پر۔ دیوانہ ہو گیا ہوں اور گھر میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔ رات کو محبوب کی گلی میں گذارتا ہوں اور دن ویرانوں میں! اگر بیچارہ قطب کوئی گناہ کرتا ہے تو اسکی عیب جوئی نہ کر۔ اگر دیوانہ کوئی گناہ کرے تو وہ عیب نہیں)

سلطان کی وفات کے بعد حاجی خان نے ولی عہد ہو کر خود کو سلطان حیدر کا لقب دیا۔

۱۱۔ سلطان حیدر شاہ

سلطان حیدر شاہ نے سال ۸۷۹ھ میں (مطابق ۱۵۳۱ بکرمی) سکندر پور کے قصر شاہی میں کمال جاہ وحشمت کے ساتھ مسند نشینی کا جلسہ آراستہ کر کے حکمرانی کا تاج سر پر

رکھا۔ اطراف کی ریاستوں کے راجاؤں کو جو تعزیت اور مبارکبادی کے لئے آئے تھے، قیمتی خلعتوں سے نواز کر رخصت کیا۔ بہرام خان کو وزارت کا رُتبہ دے کرنا گام پرگنہ اسکی جاگیر کے لئے مقرر کیا اور حسن خان کو کامراج کا علاقہ جاگیر میں دے کر اسے ولی عہد بنا دیا۔ جس کی وجہ سے ارکان دولت تذبذب میں پڑ گئے۔ حسن خان پنجاب کے مقبوضہ ممالک کی طرف چلا گیا اور چھ مہینوں کے بعد کافی مال ومتاع کے ساتھ لوٹ آیا۔

سلطان نے رات دن لہو ولعب میں مخمور ومسرور رہ کر اپنے اجداد کی روایات کو توڑ پھوڑ دیا۔ ہندو فرقے کو تعصب و غلبگی سے بہت تکلیف پہنچائی۔ اُنہوں نے غیرت میں آ کر بعض مسجدوں اور نئے مقبروں کو، جن کو سلطان سکندر نے مندروں کے مواد سے بنوایا تھا ،نذر آتش کر کے گرا دیا۔ سلطان اس سے اور زیادہ غضبناک ہوا۔ اس نے بعض ہندو روٗسا کو قتل کر دیا۔ بعضوں کو دریا میں ڈبو دیا اور بعضوں کے ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ امراء نے بھی ظلم کا ہاتھ بڑھا کر رعایا کو تباہ کر دیا۔ لُولی حجام ایک شخص تھا جو سلطان کے مقربوں میں سے تھا۔ وہ جو بھی کہتا سلطان اس پر عمل کرتا تھا۔ یہ شخص لوگوں سے رشوتیں لیتا اور جس کسی کے حق میں بُرا ہوا جاتا تھا، سلطان کو بھی اُس کے خلاف کر دیتا تھا۔ حسن خان کچھی، جو اُس کی بیعت میں سب سے پہلے آ چکا تھا، لولی حجام کی چغل خوری سے ہی قتل ہوا۔

آدم خان ایک بڑی لشکر کو جمع کر کے لڑائی کرنے کی نیت سے جموں پہنچا۔ جب اس نے حسن خان کے قتل ہونے کی خبر سنی تو ارادہ ترک کر کے جموں کے راجا ملک دیو کے ہمراہ مغلوں کے خلاف، جو وہاں کے نواحی میں آ گئے تھے، جنگ کرنے چلا گیا۔ وہاں اس کے منہ میں ایک تیر آ کے لگا جس سے اس کی جان چلی گئی۔

اوران ہی دنوں میں ہمیشہ شراب نوشی کے نتیجے میں بادشاہ پر شدید امراض طاری

ہوئے۔ امراء نے پوشیدہ طور پر بہرام خان کے ساتھ متفق ہو کر اسے بادشاہ بنانا چاہا۔ جونہی یہ خبر آدم خان کے بیٹے فتح خان کو پہنچی، جو سلطان کے فرمان پر سرہند کی طرف جا کر کئی قلعوں کو سر کر چکا تھا، وہ ملکر جرار کے ساتھ کشمیر پر حملہ آور ہونے کے لئے پہنچا اور بہت سامال غنیمت خدمت میں پیش کیا۔ لیکن چونکہ اجازت پائے بغیر ہی آیا تھا، غرض مندوں نے وحشت انگیز باتیں بنا کر سلطان کے مزاج کو اس کے خلاف بدل ڈالا اور اس کی خدمات کو خاطر میں نہیں لا گیا گیا۔

غرض بادشاہ ایک دن گچ سے منقش ایوان میں آ کر شراب نوشی میں مشغول تھا کہ مستی کے عالم میں اس کا پاؤں لڑکھڑایا اور وہ زمین پر آ گرا اور جان دے دی۔ اس کی کل مدت حکومت ایک سال اور دو ماہ تھی۔

۱۲۔ سلطان حسن شاہ

سلطان حسن شاہ، باپ کی موت کے بعد بہرام خان کی مرضی کے خلاف ملک احمد یتو کی کوششوں سے نوشہرہ کے قصر شاہی میں سال ۸۸۰ھ میں (مطابق ۱۵۳۲ بکرمی) تخت نشین ہوا۔ ملک احمد یتو، جو چھچہ بل میں مدفون ہیں، کو مسند وزارت پر بٹھایا۔ جہانگیر رینہ اور احمد ماگرے کو سپہ سالار اور رئیس الملک بنایا۔ دوسرے دن بعض آدمیوں کو جن کے فتنہ و فساد برپا کرنے سے خوف کھاتا تھا، قید میں ڈال دیا۔ خزانوں کو لوگوں میں لٹا دیا۔ بہرام خان خوف جان سے اپنے بیٹے کے ساتھ ہندوستان چلا گیا اور راہ میں اُس کے سپاہی اُس

سے الگ ہو گئے۔

اس کے بعد حسن شاہ نے زین العابدین کے ضوابط و قواعد کو، جو حیدر شاہ کے زمانے میں خلل پذیر ہو چکے تھے، نئے سرے سے رائج کر دئے۔ بعض مفسدوں نے بہرام خان کے پاس جا کر اسے جنگ کرنے پر اُکسایا اور بعض امراء نے لکھ کر پیغام بھیجے اور بلوا لیا۔ جب اس نے کامراج کے علاقے میں آکر بغاوت کا پرچم بلند کیا تب سلطان دینا نگر چلا گیا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی بے اختیار اپنے چچا کے مقابلے میں نکل کر سوپور پہنچا اور تازی بٹ نے بھاری لشکر کے ہمراہ بہرام خان کے خلاف سبقت پا کر تولہ پور گاؤں میں جنگ لڑی۔ اتفاق سے بہرام خان کے منہ میں ایک تیر آ کر لگا اور اسے شکست ہوئی اور شاہی فوج نے پیچھا کر کے اسے بیٹے کے سمیت گرفتار کیا اور اُس کے مال و متاع اور سامان واسباب کو لوٹ کے تباہ حالی میں بادشاہ کے پاس پہنچایا۔ بادشاہ نے اسکی آنکھوں میں سلائی پھروادی اور تین دنوں کے بعد مر گیا۔ بہرام خان کو دفن کئے جانے کے بارے میں زین پڈر کا، جو سلطان زین العابدین کا وزیر تھا، ملک احمد یتو سے جھگڑا ہوا اور کافی جدوجہد کے بعد اُسے دفن کرایا۔ حسن شاہ نے اُسے گرفتار کر کے بہرام خان کی اُسی سلائی سے اُس کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور تین سال کے بعد جیل خانے میں وفات پائی۔

ملک احمد یتو مملکت کے انتظامی اُمور پر مسلط ہوا۔ جب کہ ملک تازی بٹ امیر لشکر تھا۔ ان ہی ایام میں بہلول پور کا حاکم اور دوسرے لوگ باغی ہو کر فساد کے مرتکب ہوئے۔ تازی بٹ آراستہ لشکر کے ساتھ سرکشوں کی سرکوبی کے لئے حملہ آور ہوا اور جموں کے راجہ عجب دیو نے تازی بٹ کو مدد کے لئے اپنی لشکر ساتھ دے کر پنجاب کی طرف حملہ کر دیا اور تاتار خان، جو دہلی کے بادشاہ کی طرف سے پنجاب کا حاکم ہو گیا تھا، تازی بٹ کے مقابلے

میں آ کر سیالکوٹ کے علاقے میں صف آرا ہوا اور طرفین میں خون ریزی کے بعد تاتار خان کو شکست ہوئی۔ تازی بٹ نے اسکے علاقے کو تاراج کر کے سیالکوٹ کا شہر خراب کر دیا۔

حسن شاہ کو حیات خاتون، جو کہ سید ناصر بیہقی کے فرزند سید حسن کی بیٹی تھی، کے بطن سے دو بیٹے ہوئے۔ ایک محمد خان اور دوسرا حسین خان۔ محمد خان نے ملک تازی بٹ کی بیوی سے دُودھ پی کر پرورش پائی جب کہ حسین خان ملک احمد یتو کی گود میں پلا بڑھا۔

ان ایام میں ملک احمد یتو اور تازی بٹ کے درمیان رنجش ہوئی اور ایک دوسرے کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ اس وجہ سے سلطنت کے امراء میں جھگڑے ہوئے اور دشمنیاں پیدا ہوئیں اور جنگیں بھی۔ یہاں تک کہ ایک رات جمع ہو کر شاہی محل میں جنگ کر کے قصر شاہی کو نذر آتش کر دیا۔ اس بنا پر سلطان نے ملک احمد یتو کو اس کے رشتہ داروں سمیت قید کر کے اُسکے مال و متاع کو غارت کر دیا اور اسے قید خانے میں جان سے مروا دیا۔ اور سید ناصر بیہقی کو، جو سلطان زین العابدین کا ایک بڑا مقرب تھا، ملک سے خارج کر دیا۔ ان ہی دنوں میں سید محمد امین ویسیؒ، جو سلطان زین العابدین کا منہ بولا فرزند تھا، شہید ہو گیا۔ تاریخ ہے: شہید کشمیر (۸۸۹ھ)

کچھ عرصہ بعد سلطان حسن شاہ نے سید ناصر بیہقی کو ہندوستان سے بلوا لیا۔ جب وہ پنچال کے نیچے پہنچا تو اس کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد سلطان نے حیات خاتون کے باپ سلطان سید ناصر کے بیٹے سید حسن کو دہلی سے بلوا کر ملک کے اختیارات کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دی۔ سید حسن نے امرائِ کشمیر کے خلاف سلطان کا مزاج منحرف کر کے اعیان سلطنت کی ایک بڑی جماعت کو قتل کرایا۔ ملک تازی بٹ کو قید کر دیا اور باقی رُعب و ہراس سے ہندوستان کی طرف فرار کر گئے۔ جہانگیر رینہ نے، جو بزرگ اُمراء میں سے تھا، بھاگ

کرلہر کوٹ کے قلعہ میں پناہ لی۔

اپنے باپ کی پیروی میں سلطان نے نازوادا والی حسیناؤں کی صحبت میں رہ کرنای ونوش اور نغمہ وساز کی محفلیں برپا رکھیں۔ دوسو ہندوستانی قوال ملازمت میں تھے اور رات دن راگ ورنگ اور عُود وچنگ نوازی کی سرور وصدا میں محور ہا اور فوج اور رعیت اور نظم مملکت کے حال کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ جس کے سبب اس خطہ دل پذیر کے سوا سلطان کے تصرف میں اور کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ تمام سرحدوں کے حاکم سرکش ہو گئے لیکن پھر بھی بیرونی جگہوں سے سلطان کے پاس نذر وتحائف کی صورت میں بارہ لاکھ روپے زرّ نقد اور ایک ہزار گھوڑے آجاتے تھے۔

سال ۸۸۵ھ میں قہر الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی۔ اسکندر پور اور علاء الدین پور علاقے کے اکتیس محلوں میں اندازاً دس ہزار گھروں کو جلا کر جامع مسجد اور خانقاہ معلّیٰ دونوں کو روشنی کی مشعل بنا دیا۔ سلطان نے دونوں مقامات محمود کی تجدید تعمیر میں ہمت کا ہاتھ نثار کر کے نقش ونگار اور دیواروں کی خطوط وکتابت نگاری میں اگلے سے بھی زیادہ زینت ورونق پیدا کی۔ مَسْجِدُ اسِسَن عَلیٰ التقویٰ تاریخ ہے۔ یہ قصہ تفصیل کے ساتھ پہلے حصے میں کہا جا چکا ہے۔

سال ۸۹۲ھ میں میر شمس عراقی خراسان کے بادشاہ سلطان حسین میرزا کی طرف سے سفیر کی حیثیت سے کشمیر میں آیا اور شاہی مکتوب کے ہمراہ سلطان کے لباس خاص کی ایک کیشی پوستین سلطان حسن شاہ کے لئے سوغات کے طور پر پیش کئے اور سلطان خراسان کی دلی خواہش کے مطابق کشمیر کے بعض تحائف ونفائس ارسال کرنے کا پیغام بھی دیا۔

ان ہی ایام میں حسن شاہ پر کثرت مباشرت اور شراب نوشی سے اسہال کی بیماری

طاری ہوگئی اوراس کی حالت پر کلی طور پر ضعف وسستی چھا گئی۔اُس نے وصیت کی کہ میرے بیٹے چھوٹے ہیں، اس لئے بہرام خان کے بیٹے یوسف خان کو یا آدم خان کے بیٹے فتح خان کو جو جسروٹھ میں ہے، بادشاہ بنادیا جائے اور محمد خان کو ولی عہد بنایا جائے۔ سید حسن نے ظاہر میں قبول کیا اور سلطان اسی بیماری میں فوت ہوا۔تاریخ ؎

افسوس آن سلطان حسن خاقان علم قیصر حشم	بگذشت از بزم زمن سوی شبشان عدم
از بہر سالش یک قلم بیدل شداز اندوہ وغم	رقص ونوا ، ناز والا ، نوش و دوا ، باہ وصنم

بادشاہ کی وفات کے بعد میر شمس عراقی نے آٹھ سال تک یہاں قیام کیا۔ظاہر میں بابا اسماعیل کے مریدوں کے حلقے میں داخل ہوالیکن باطن میں بابا علی نجار کو شیعہ مذہب کی طرف راغب کر کے خود خراسان واپس چلا گیا اور سلطان فتح شاہ کے عہد میں پھر کشمیر میں آکر شیعہ مذہب کو کل رواج دیا۔ یہ قصہ حصہ اوّل میں بیان ہو چکا ہے۔سلطان نے بارہ سال حکمرانی میں گذارے۔

خبرداری: سلطان حسن شاہ کی حکومت کے اختتام تک سلطنت کا نظام کچھ استقلال پر قائم تھا۔ان دو بادشاہوں کی بدوضعی پر اگرچہ اعیان مملکت اندیشہ ناک تھے لیکن ظاہری طور پر ملکی اُمور کے نفاد سے انحراف نہیں کرتے تھے۔حسن شاہ کی موت کے بعد تمام امراء اور وزراء ایک دوسرے کو دغا دینے اور مخالفت کرنے پر اُتر آئے۔بعضوں نے حسن شاہ کے بیٹے محمد شاہ کی رفاقت کرنے پر ثابت قدمی دکھائی اور بعضوں نے فتح شاہ کی مدد ومعاونت کرنے میں گرمجوشی کا مظاہرہ کیا۔اوراس طرح سے دونوں شہزادوں کے درمیان فتنہ وفساد اُٹھا کر جنگ وجدل اور کشت وخون میں بے شمار خونریزیاں کیں۔بالخصوص بعض چک امرا نے، جواس زمانے میں حاضر باشی اور دایہ زادگی کے عہدوں پر ممتاز تھے، شمس عراقی کی

طرف رُخ کر کے شیعہ مذہب قبول کیا۔ جس کی وجہ سے اعیان سلطنت میں زیادہ تر مذہبی بگاڑ وعناد پیدا ہوا اور وہ ایک دوسرے کی خرابی کرنے اور ڈرانے دھمکانے کے درپے ہو گئے۔ یہاں تک کہ سلطنت کو تباہ و برباد کر ڈالا۔

۱۳۔ سلطان محمد شاہ

سلطان محمد شاہ نے سال ۸۹۲ھ میں (مطابق ۱۵۴۴ بکرمی) سید حسن بیہقی کی مدد سے حکمرانی کا پرچم لہرایا۔ اس روز اس کی عمر سات سال تھی۔ بیہقی سادات اُمور سلطنت کے کفیل بن گئے اور اُنہوں نے ملکی اُمور میں کسی کو بھی بات کرنے کی دخل اندازی کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ سلطان سے ملاقات کرنی بھی کسی کے لئے میسر نہ تھی۔ اس کیفیت سے امرائے کشمیر تنگ آ گئے۔ ایک رات جموں کے راجا سے، جو تارتار خان لودھی کے ڈر سے کشمیر آیا تھا، متفق ہو کر انہوں نے سید حسن کو تیس اعیان سادات کے سمیت باغ نوشہرہ میں دھوکہ دہی سے قتل کر دیا اور دریائے بہت کے پل توڑ کر دوسری طرف اکٹھے ہو گئے اور جنگ وجدل پر مستعد ہو کر بیٹھ گئے۔ سید حسن بیہقی کے بیٹے سید محمد نے جو سلطان کا خالو تھا اپنی جماعت کے ہمراہ سلطان کی حفاظت کی۔ اسی رات میں جب یہ بھاری فتنہ ہوا ہر کوئی گم سم بیٹھا تھا۔ اس روز بہرام خان کا بیٹا یوسف خان قید میں تھا اور عیدی رینہ اسے بادشاہ بنانے کی تلاش میں تھا۔ اس خیال کی شہ پا کر سید علی خان بیہقی نے یوسف خان کو قید خانے میں مار ڈالا۔ یوسف خان کی ماں ستان دیوی نے جو ایک عرصے سے بیوہ ہو چکی تھی اور افطار کے

وقت روٹی کے تین لقموں سے زیادہ نہیں کھاتی تھی، تین دنوں تک بیٹے کی لاش کو اپنے پاس رکھا اور جب اسے دفن کر دیا گیا تو اس کے مقبرے کے پاس ایک کوٹھری بنوا کر اس میں مجاور ہو کر بیٹھ گئی اور وہیں پر دنیا سے چلی گئی۔

سید علی خان اور سید محمد وغیرہ نے مخالفین سے جنگ کرنے پر استقامت دکھائی اور طرفین کے بہت سے لوگ قتل ہوئے۔ چور آشکارا طور پر شہر میں گھس کر لوٹ کرنے لگے اور سادات اپنے گھروں کے گرد خندق کھود کر چوروں کے شر سے محفوظ رہے۔ شہر و دیہات میں دشمنوں کے گھروں کو آگ لگا کر خاک کے ساتھ ملا دیا۔

اسی اثنا میں جہانگیر ماگرے، جو لوہر کوٹ قلعہ میں وقت گذاری کر رہا تھا، امراء کی طلب پر کشمیر آیا اور اس نے سادات کے ساتھ متفق ہو جانے کی تجویز کو مطلق منظور نہ کیا۔ ایک دن جہانگیر ماگرے کے بیٹے داود ماگرے اور رفیق ماگرے نے پل کو پار کر کے سادات کے خلاف جنگ کرنے کا اقدام کیا۔ جنگ میں داود ماگرے قتل ہوا اور نصرت و فتح مندی کا ڈنکا بجاتے ہوئے سادات نے مقتولین کے سروں کا ایک مینار بلند کیا۔ دوسرے روز غلبہ کر کے پل سے عبور کرنا چاہا لیکن دشمن آگے بڑے اور پل پر ایک عظیم جنگ ہوئی۔ اچانک پل ٹوٹ گیا اور طرفین کی ایک کثیر جماعت دریا میں ڈوب گئی۔

اس کے بعد سادات نے تاتار خان کی طرف رجوع کر کے امداد چاہی۔ تاتار خان نے سادات کی مدد کرنے کے ایک آراستہ لشکر متعین کی۔ جب بھمبر پہنچے تو وہاں کے راجا نے مقابلہ کر کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔ دشمنوں نے سن کر خوشی منائی اور امرای کشمیر کے درمیان ڈھائی مہینوں تک جنگ جاری رہی۔ آخر امرای کشمیر کی فوج کے تین حصے ہو گئے اور دریائے بہت سے گذر کر سادات فرقے سے جنگ کی اور اکثر سادات کو قتل کر ڈالا اور باقی

شہر کی طرف بھاگ گئے۔ امراء نے ان کا پیچھا کیا اور قتل وغارت کر کے شہر میں آگ لگائی۔ اور وہ آگ خانقاہ معلیٰ تک پہنچ کر بجھ گئی اور خانقاہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس روز قتل ہونے والوں کی تعداد دس ہزار تک پہنچی۔ یہ واقعہ سال ۸۹۲ھ میں ہوا۔

سید حسن کا بیٹا سید محمد جو سترہ سال کی عمر کا تھا ایک بھکاری کے گھر میں چھپ گیا۔ دشمن دربار میں آگئے اور سلطان کی خدمت میں سلام کر کے اُسے اپنا بنا لیا اور سید علی خان کو دیگر سادات کے ہمراہ ملک سے باہر نکال دیا۔ چونکہ بڑے امراء میں سے ہر کوئی سرداری کا دعویٰ کر رہا تھا، اس لئے چند دنوں میں ہی ان میں کینہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی اور سلطنت کا چراغ بے نور ہو کے رہ گیا۔

تاتار خان لودھی کی وفات کے بعد آدم شاہ کے فرزند فتح شاہ نے اپنے موروثی ملک کو چھین لینے کا اردہ کر کے جالندر سے راجوری میں جا کر قیام کیا۔ امراء کشمیر اس کے پاس جوق در جوق پہنچے۔ فتح شاہ نے ہر کسی کو انعام دے کر اپنا بنا لیا۔ اسے خیال تھا کہ جہانگیر ماگرے میرے پاس آئے گا لیکن جہانگیر ماگرے نے اس خوف سے کہ اُس کے دشمن پہلے ہی فتح شاہ سے جا ملے ہیں، فتح شاہ سے ملاقات کرنے کی جرأت نہ کی۔ اپنی جماعت کو آراستہ کرنے کے بعد فتح شاہ نے کشمیر کا رُخ کیا۔ یہ خبر سن کر محمد شاہ نے فوج کو سوار کر کے میدان جنگ کے لئے روانہ کیا اور فتح شاہ ہیرہ پور کے راستے سے آکر پرگنہ آڈون میں پہنچا۔ درمیان میں پانی کے چشمے کے مقابل میں بیٹھ کر طرفین نے جنگ کی صفیں ترتیب دیں اور لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی۔ فتح شاہ نے غلبہ کیا اور محمد شاہ شکست کے قریب تھا لیکن جہانگیر ماگرے نے ثابت قدم رہ کر فتح شاہ کی فوج کے تقریباً پچاس سرداروں کو قتل کر کے شکست دی۔ قریب تھا کہ فتح شاہ بھی جہانگیر مارے کے چنگل میں اسیر ہو جاتا لیکن کسی

منافق نے افواہ اڑائی کہ دشمنوں نے محمد شاہ کو گرفتار کرلیا۔ جہانگیر ماگرے کو تشویش خاطر ہوئی اور وہ فتح شاہ کا تعاقب کرنے سے باز رہا۔ محمد شاہ نے فتح مندی کے طبل بجائے اور فتح شاہ کے ساتھ سازش کرنے کی تہمت میں اس نے تازی بٹ کے خانماں کو غارت کروادیا۔

فتح شاہ نے بہرام گلہ میں قیام کیا اور جماعت اکٹھی کر کے دوسری بار کشمیر کو فتح کرنے کے لئے حملہ آور ہوا۔ جہانگیر ماگرے اس کے مقابلے میں نکلا اور ناگام کے ٹیلے پر جنگ ہوئی۔ وزیر بٹ نے، جو فتح شاہ کے نوکروں میں سے تھا، ایک سوراخ کو پا کر وہیں سے قلیل جماعت کے ہمراہ شہر کا رُخ کر کے حملہ کیا اور ملک سیف ڈار کو امراء کی ایک جماعت کے سمیت جو قید میں تھے، نکال کر اپنے ساتھ ملالیا۔ سیف ڈار کی رہائی سے گھبرا کر جہانگیر ماگرے نے پوشیدہ طور پر راجوری کے راجا کو جو فتح شاہ کی مدد کرنے کے لئے آیا تھا، پیغام بھیجا کہ فتح شاہ کی مدد سے کنارہ کش ہو کر آپ ہمارا ساتھ دیں۔ اس کے بموجب راجوری کا راجا جہانگیر ماگرے کے ساتھ متفق ہوا اور اس نے فتح شاہ کو شکست دے کر ہیرہ پور سے آگے بھگا دیا۔ فتح شاہ جموں چلا گیا اور اس پر قبضہ کرلیا۔

بھاری لشکر جمع کر کے فتح شاہ نے ایک بار پھر کشمیر کو فتح کرنے کا پرچم لہرایا۔ جہانگیر ماگرے نے بیہقی سادات کے حق میں، جنہیں ملک سے باہر نکل دیا گیا تھا، صلح و صفائی کا جال بچھا کر ان سے اتحاد کیا اور بیہقی سادات نے، جو بہادری میں مردانگی کا نمونہ تھے، جنگ و خونریزی میں داد شجاعت دے کر ایک کثیر جماعت کو شہید کر دیا اور فتح شاہ کی طرف سے ملک سیف ڈار وغیرہ نے نمایاں کارنامے انجام دئے۔ بالآخر شکست کھا کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔

کچھ عرصہ بعد پھر سے جماعت آراستہ کر کے آپس میں جنگ کی اور کافی کشت و

خون کے بعد حالت یہ ہوگئی کہ محمد شاہ کے ساتھ کوئی نہ رہا اور اس کے سارے خزانے ختم ہو گئے۔ جہانگیر ماگرے بھی زخمی ہو کر کسی طرف بھاگ نکلا۔ سید محمد، فتح شاہ سے مل گیا اور محمد شاہ نے دو سال سات ماہ پریشان حالی اور فتنہ وفساد کے ماحول میں گذار کر بعض مددگاروں کی مدد سے پہاڑوں کی طرف راہ فرار اختیار کی اور آدم شاہ ابن سلطان زین العابدین کا بیٹا فتح شاہ فتح یاب ہو کر اور نصرت پا کر شہر میں داخل ہوا اور تخت شوکت پر بیٹھا۔

۱۴۔ سلطان فتح شاہ

سلطان فتح شاہ نے ملک سیف ڈار کی مدد اور اتفاق سے سال ۸۹۵ھ میں (مطابق ۱۵۴۶ بکرمی) تاج شوکت سر پر رکھ کر حکمرانی کی طرف توجہ کی۔ کچھ عرصے کے لئے ملک کے اختیار کی باگ ملک سیف ڈار کے قبضہ اقتدار میں تھی اور وہ فتح شاہ کی اطاعت کرنے میں خاصی گرمجوشی دکھاتا تھا۔ لیکن فساد سیرت لوگوں کی منافقت کے بموجب فتح شاہ اس سے پھر گیا اور اس کے دشمنوں کی جانب ہو گیا۔ چنانچہ ملک شمس چک، سرہنگ رینہ اور موسیٰ رینہ نے آپس میں متحد ہو کر ملک سیف ڈار اور سید محمد کے خلاف جنگ وجدل کا پرچم بلند کیا اور تیزی سے شہر کے تمام پلوں کو کاٹ کر رام لنہ کے مقام پر جنگ کی اور میدان کار زار میں بے شمار خونریزیاں کیں۔ ملک سرہنگ رینہ نے سیف ڈار کی سواری کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ کر اسے زمین پر گرا دیا۔ ملک نے پیدل چل کر ہی میدان جنگ میں ثابت قدمی کے ساتھ حملے کئے۔ لیکن لوگوں کے ہجوم کے ٹوٹ پڑنے سے موت کے ملک میں جا

پہنچا۔اسی جنگ کے دوران اپنے کردار کی پاداش میں سرہنگ رینہ کی آنکھ میں تیر آ کر لگا اور جان دے دی۔ جب طرفین کے سردار قتل ہو گئے، جنگ کی آگ بھی بجھ گئی اور ملک شمس چک نے وزارت کا مسند سنبھالا اور سیف ڈار کی طرح عدل وانصاف کی راہ اختیار کی۔

قصہ: جان لو کہ چکوں کے طائفے میں دو قبیلے ہیں۔ پہلا لنگر چک کی قوم جن کا اصلی وطن برشال دارُدو ہے۔مورخوں نے اُس کے نسب میں مبالغہ و اغراق سے کام لیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ایک عورت پانی لانے کے لئے ہر روز دریا کے کنارے پر جاتی تھی۔ ایک دن دیوؤں کی قوم کے ایک سخت قوی ہیکل اور تناور دیو نے انسانی شکل میں آکر اس عورت کے ساتھ مباشرت کرنے کی رغبت کی۔دونوں کی صحبت قریب تر ہوتی گئی اور عورت اُس کے نطفہ سے حاملہ ہوئی۔

مقررہ ایام کے اختتام کے بعد وہ حاملہ عورت بچہ جننے کے وقت مر گئی۔اُس کے رشتہ داروں نے رستم کی ماں کی طرح اس کا پہلو کاٹ کر ایک قوی ہیکل اور فربہ تن ونوش کا بیٹا اُس کے شکم سے باہر نکالا اور لشکر چک کا نام دے کر اسے نازونعمت میں پالا۔ جب جوانی کے آغاز میں پہنچا تو ذاتی دلیری وشجاعت کی وجہ سے اپنے قریبی لوگوں پر فوقیت پا کر اس قوم کا سردار بن گیا۔اور لنگر چک اُس کا پوتا ہے جو دشمنوں کے غالب آجانے پر راجہ سہدیو سے مدد مانگنے کے لئے کشمیر آیا اور پرگنہ وتر میں ترہگام میں سکونت اختیار کی۔ پانڈو چک، حسین چک اور کاجی چک اسی کی اولاد میں سے ہیں۔جنہوں نے شمس عراقی کی متابعت میں شیعہ مذہب اختیار کیا اور تقریباً بتیس سال تک حکومت کی۔

دوسرا فرقہ ہلمت چک کے بیٹے شمس چک کی قوم ہے، جن کے جد نے گلگت سے آکر کپواڑہ گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ان کی قرابت ترہگام کے چکوں سے بہت دُور چلی

گئی تھی اور یہ ہمیشہ ایک دوسرے کی مخالفت اور دشمنی کرتے تھے۔

ملک شمس چک پہلے سید محمد بیہقی کے حلقہ ملازمین میں ایک ممتاز شخص تھا۔ پھر اس کے بعد ملک احمد یتو کے فرزند ملک نوروز یتو کے پاس خصوصیت کا شرف پا کر ذاتی شجاعت و دلیری کی راہ سے شہرت اور اعتبار حاصل کیا۔ اس کے بعد ملک سیف ڈار کے پاس جا کر ملازمت اور ہم نشینی کا رُتبہ پایا اور پانڈو چک کے بیٹے حسین چک کی بیٹی کو اپنے عقد نکاح میں لے آیا۔ اس کی اولاد ہمیشہ حنفی مذہب پر قائم رہی۔

بہر حال قوت و شجاعت، دلاوری اور ہیبت، سپاہ گری اور جنگجویانہ صفات چکوں کی ذات میں اصیل اور فطری تھے۔ اس کتاب کے لکھنے والے کے والد (تاریخ حسن کے مصنف کا باپ) فرماتے تھے کہ ترہگام کے چکوں کی نسل کا ایک شخص سردار عظیم خان کا پیش خدمت ہو گیا تھا۔ سر پر تاتاری کلاہ، ازبکی جوتا پاؤں میں ڈالے مسلح و مستعد ہو کر سردار کے رکاب میں چلتا تھا اور اس کا قد ہاتھی کی پالکی کے برابر تھا اور سردار کو ہاتھی کی پالکی سے اُٹھا کر نیچے زمین پر رکھ دیتا تھا۔

غرض ملک شمس چک کچھ عرصے تک اُمور مملکت کے ربط و ضبط کی طرف متوجہ رہ کر سید محمد بیہقی کا مخالف ہو گیا اور کاجی چک اور بعض امراء کے ساتھ دشمنی کے میدان میں جنگ کا پرچم لہرایا۔ سید محمد نے محمد شاہ سے مل کر ابراہیم ماگرے، حاجی پڈرو اور ملک عیدی رینہ کو اپنی طرف کیا اور شمس چک کو ہٹانے کے لئے جنگ پر ڈٹ گئے۔ فریقین نے شہر کے بیچ میں بلبل شاہ کی خانقاہ کے متصل جنگ کی اور جنگ و جدل اور کشت و خون میں داد شجاعت دی۔

آخر شمس چک میدان کارزار سے شکست کھا کر نکل گیا اور عالی کدل پل سے گذر کر

اس نے ذال ڈگر میں مقابلے کے پاؤں جما دئے۔ اس کے پیچھے کاجی چک نے پل پر پہنچ کر دیکھا کہ پل کے فرش کا ایک حصہ کاٹ کر لے گئے ہیں۔ کمال اضطراب میں گھوڑے کو تازیانے سے مہمیز لگا کر اُس نے پل کے ایک پایہ سے دوسرے پایہ پر چھلانگ ماری اور اس کے عقب میں شمس چک کے مددگاروں کے دوسرے سوار بھی پل پر آ پہنچے اور کاجی چک کی متابعت میں اپنے گھوڑوں کو دوڑا دیا اور سب پانی میں لڑھک گئے۔

جب کاجی چک شمس چک کی لشکر کے ساتھ مل گیا تو دونوں نے قوت و طاقت کی کمی کی وجہ سے مقابلہ اور استقامت کرنے کی کوئی صورت نہ دیکھ کر شکست خوردگی کی حالت میں کامراج کا رُخ کیا۔ سید محمد، ابراہیم ماگرے اور موسیٰ رینہ نے ان کا تعاقب کیا اور ترہگام گاؤں میں آگ لگا دی اور شمس چک اور کاجی چک دارُ دو کی طرف بھاگ نکلے۔ فتح شاہ پنجاب میں نوشہرہ کی طرف فرار کر گیا اور سید محمد اور ابراہیم ماگرے فسادیوں کے گھروں کو تباہ کر کے سوپور کی طرف لوٹ آئے اور دریا کے کنارے پر خیل و لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالا۔

جب ملک شمس چک نے کرنا میں دشمنوں کے لوٹ آنے کی خبر سنی تو الٹے پاؤں تیزی کے ساتھ آ کر ملک بہرام ڈار، ملک عثمان اور دتی ملک اور ڈانگروں کی پوری جماعت کے ساتھ متفق ہونے کے بعد دشمنوں پر شبخون مارنے کا تہیہ کیا۔ ان کی شبخونی کی خبر اور افواہ محمد شاہ اور سید محمد تک پہنچی۔ فوراً موسیٰ رینہ کو ایک معدود جماعت کے ساتھ دریا کے کنارے پر چھوڑ کر خود دوسری طرف کمین گاہ میں بیٹھ گئے۔ آخر شمس چک نے اپنے مددگاروں کے ہمراہ موسیٰ رینہ کی فوج پر دھاوا بول دیا اور حرب و ضرب میں مشغول ہو گئے۔ اس اثنا میں سید محمد نے اپنے پیروؤں کے ساتھ دشمنوں پر حملہ کر دیا اور دونوں طرف سے بہت سے لوگ قتل

ہوئے۔ کاجی چک کے جسم کو پچاس شدید زخم لگے بلکہ اُس کا کان بھی کٹ گیا۔ آخر شمس چک نقصان زدہ و نا اُمید ہو کر ترہگام میں استقامت کرنے کی صورت نہ دیکھنے کے بعد نوشہرہ جا کر فتح شاہ سے مل گیا۔ فتح شاہ کی حکومت کل تین سال تھی۔

۱۵۔ سلطان محمد شاہ (دوسری بار)

سلطان محمد شاہ دوسری بار سال ۸۹۸ھ میں (مطابق ۱۵۴۹ بکرمی) سید محمد بیہقی کی مدد سے کشمیر کی حکومت کے مسند پر بیٹھا۔ اس زمانے میں خراسان کے بادشاہ سلطان حسین میرزا نے شمس عراقی کے باطن خلل سے واقف ہو کر اسے اپنے ملک سے نکال دیا اور وہ سابقہ روابط و توجہ کی بنا پر بارہ سال کی مدت کے بعد پھر سے کشمیر آ گیا اور یہاں امامیہ مذہب کی اشاعت کی کوشش میں ملک موسیٰ رینہ، کاجی چک اور غازی چک کو اپنا مرید اور شیعہ بنا لیا۔ اُسکی ناپسندیدہ حرکتوں سے رنجیدہ ہو کر میر سید محمد نے اسے فوراً زور زبردستی سے اسکردو کی طرف نکال دیا۔ اس واقعہ سے موسیٰ رینہ سید محمد کی ملازمت سے ملول ہو کر بدل گیا اور اس نے ابراہیم ماگرے اور حاجی پڈر کے ساتھ عہد و پیمان کو مضبوط کر لیا اور فتح شاہ اور شمس چک کو جو پنجاب میں نوشہرہ میں خراب حالت میں تھے، خطوط بھیج کر اپنا موافق بنا لیا اور انہیں کشمیر آنے کی ترغیب دی۔ اُس کے عہد و پیمان پر اعتماد کر کے وہ کشمیر کی طرف روانہ ہوئے اور ہیرہ پور پہنچے۔ ملک موسیٰ رینہ، حاجی پڈر اور ابراہیم ماگرے وغیرہ نے بہت بڑی جماعت کے ہمراہ استقبال کر کے پورے اتفاق سے دشمنوں کے خلاف پرچم لہرایا۔

ادھر سے محمد شاہ اور سید محمد اپنی جماعت کے ساتھ ان کے مقابلے میں آکر حملہ آور ہوئے اور خامپور کے ٹیلے پر جنگ ہوئی ۔ گو کہ محمد شاہ کے فوج کی تعداد کم تھی لیکن سید محمد کی شجاعت و دلاوری کے آگے دشمن تاب نہ لا کر پہلے ہی دن پسپا ہو گئے ۔

دوسرے دن پھر میدان جنگ میں حملوں سے جانبین میں بے دریغ خونریزیاں ہوئیں ۔ فتح شاہ شکست کے قریب تھا لیکن رضای الٰہی کے موجب سید محمد نے میدان کارزار میں ایک خس و خاشاک کی راہ کے بیچ میں سے اپنے تیز رفتار گھوڑے کو دوڑایا اور اچانک ایک گہرے کنوئیں میں ، جو وہاں پر قدیم آبادی سے باقی رہ گیا تھا ، لڑھک گیا ۔ مددگاروں نے اسے وہاں سے باہر نکالنے کی بہت کوشش کی اور اسی حالت میں دشمنوں کا ایک دلیر گروہ وہاں موقع پر پہنچ گیا اور انہوں نے محاصرے میں لے کر سب کو نیزوں اور تلواروں سے موت کے کنوئیں میں دھکیل دیا اور محمد شاہ نے سراسیمگی کی حالت میں غم والم کے صحرا میں آوارہ پھرتے پھرتے نوشہرہ کا رُخ کیا ۔ اس معرکہ کارزار میں محمد شاہ کی لشکر جرار کے ایک ہزار سات سو سوار قتل ہو گئے جن میں سے ایک ہزار دو سو آدمیوں نے زعفرانی بوٹ پہن رکھے تھے ۔ کہتے ہیں اس زمانے میں رسم تھی کہ دلیر اور دلاور پیشہ بہادروں کے بغیر کسی اور کو زعفرانی بوٹ پہننے کی اجازت نہیں تھی ۔

سید محمد کے قریبی رشتہ داروں نے اس کی لاش کو اٹھا کر کشمیری سال ۸۱ھ کے آشت مہینے کی نو تاریخ کو مزار سلاطین میں دفن کر دیا اور اس کے تین بیٹے سو یہ بوگ گاؤں میں بہرام ڈار کے گھر میں باقی رہ گئے ۔ ایک سید مرتضٰی جسے تبت کے علاقے میں ایک پہاڑ سے دھکیل کر قتل کر دیا گیا ۔ دوسرا سید ابراہیم جو تبت میں ڈھائی سال تک قید میں تھا اور رہا ہو کر نوشہرہ میں محمد شاہ سے مل گیا ۔ تیسر سید یعقوب جو طفلگی کی حالت میں دودھ پلانے والی

ماں کے گھر میں پنہاں تھا اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہا۔ اب کی بار کشمیر میں محمد شاہ کی حکومت نو سال رہی۔

۱۶۔سلطان فتح شاہ (دوسری بار)

سلطان فتح شاہ دوسری بار سال ۹۰۷ھ میں (مطابق ۱۵۵۸ بکرمی) حکمرانی کے تخت پر بیٹھا اور شمس چک کو وزارت کا رُتبہ دیا اور سید محمد بیہقی کے محل کو، کہ کئی سال کے بعد مکمل ہو کر نقش و نگار کی زینت، طاق اور چھجوں اور ایوان، نظارہ گاہوں کی ترتیب اور نادر طرز تعمیر میں ممتاز تھا، ایک ہی دن میں بنیاد سے اکھیڑ کر خاک کے ساتھ یکسان کر دیا۔ اس محل کے ڈھائے جانے کی حسرت و تاسف میں لوگوں نے کشمیری زبان میں افسوس ناک شعر کہتے ہیں۔

سید محمد کی وفات کے تین دن بعد کشمیری سال ۸۱ میں آشت مہینے کی بارہ تاریخ کو ایک عظیم زلزلہ آیا جس نے بڑی تعداد میں گھروں کو خاک کر دیا اور بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔ زمین تین مہینوں تک ہلتی رہی۔ اس کے بعد معمول کے قرار پر آ گئی۔

میر شمس عراقی نے، جو اسکردو کے علاقے میں اپنی ملت کو پھیلا رہا تھا، سید محمد بیہقی کی شہادت پانے کی خبر جب سنی تو گویا تیزی کے پروں پر سوار ہو کر لوٹ آیا اور محلہ جڈی بل میں قیام کیا اور اپنے مذہب کی علانیہ طور پر ترویج کرنے کی طرف متوجہ ہو کر ہزاروں لوگوں کو اپنی طرف راغب کیا۔ محلہ جڈی بل میں دو طبقوں کی ایک بلند خانقاہ تعمیر کر کے خانقاہ معلیٰ کو تجدید تعمیر کا فریب دے کر بنیاد سے اکھیڑ دیا۔ اس کی کیفیت پہلے حصے میں بیان ہو چکی ہے۔

ملک شمس چک نے چار ماہ تک وزارت کے حق دلی خدمات سے ادا کر کے دوسرے امراء کو ملکی اُمور میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دی جس کے بموجب چاڈورہ کے موسیٰ رینہ اور ابراہیم ماگرے نے مخالفت کی بازی کھیل کر فتح شاہ کے ساتھ اتحاد و موافقت پیدا کی اور دربار میں شمس چک کو پکڑ کر قید میں ڈال دیا۔ چونکہ ملک سیف ڈار اور ڈانگروں کے اثر ورسوخ کی خرابی کا باعث ملک شمس چک کی حکومت تھی، ناچار موسیٰ رینہ نے اُسے مارنے کے لئے بہرام ڈار اور دتی ملک کو مقرر کیا۔ جب ملک شمس چک جان گیا کہ یہ مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہیں تو اس کی ایک ٹانگ ایک بڑی زنجیر میں بندھی ہوئی تھی جبکہ دوسری ٹانگ آزاد تھی اور اسلحہ میں سے ایک جیبی خنجر کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی چیز نہیں تھی۔ ایک خونخوار شیر کی طرح اس نے اُٹھ کر ایک جست لگائی اور اسی خنجر سے دروازے تک تیس آدمیوں کو قتل کر دیا اور بعضوں کو زخمی۔ اسی طرح کئی مرتبہ اپنے دشمنوں پر حملے کر کے کوئی بھی اُس کی طرف ہاتھ دراز نہ کر سکا۔

ملک شمس چک شصت کس را بکشت   بہ چوب و بہ سنگ و بہ خشت و بہ مشت

(لکڑی سے، پتھر سے، اینٹ سے اور گھونسوں سے ملک شمس چک نے ساٹھ آدمیوں کو مار دیا)

آخر کار دشمنوں نے اس کے سر پر تیر برسائے اور نازوں میں پلے ہوئے اپنے فرزند کے ساتھ کشمیری سال ۱۷ئہ میں ماگ مہینے کی دسویں تاریخ کو قتل ہوا۔ اُس کے قتل ہونے کے بعد سید محمد بیہقی، جو اُس کا آقا اور مربی تھا، کل چار مہینوں تک حکومت کرنے کے بعد اپنے کردار کے قصاص تک پہنچ گیا۔

دلا ایمن مباش از کار ایام   کہ پاداش عمل بینی سر انجام

(اے دل! ایام کے کام سے خود کو محفوظ نہ سمجھ کہ آخر کار تجھے اپنے کردار کا بدلہ مل جائے گا)

ملک شمس چک اور اُس کے بیٹے کے قتل ہو جانے کے بعد کشمیر کی وزارت کا عہدہ ملک موسیٰ رینہ کے سپرد ہوا۔ اس نے ابراہیم ماگرے کی شرکت وحصہ داری میں ملک کے انتظام واہتمام کی طرف توجہ کی اور ڈانگروں کی جماعت کو اپنا دشمن جان کر اُن کو ملک سے نکال کر ہندوستان کی طرف آوارہ ومنتشر کر دیا۔ میر شمس عراقی کی متابعت واطاعت میں دل وجان سے منہمک رہتے ہوئے شیعہ مذہب کو رواج دیا اور اہل سنت کے بزرگواروں پر جبر وقہر کر کے اُن میں سے بعض حضرات کو قتل کر دیا اور بعض کو ملک سے نکال دیا۔ جس کی وجہ سے عام لوگ اُس کے غضب وخشم سے ڈر کر شیعہ مذہب میں داخل ہوئے۔ اسی طرح سے ہندو فرقے کی تباہی واخرابی اور بت خانوں کو مہندم کرنے اور جزیہ لینے میں اُس نے بھرپور سرگرمی دکھائی۔ کہتے ہیں ہندوؤں کے چوبیس ہزار گھرانوں کو ظلم وجبر سے اپنے مذہب میں داخل کیا اور چک فرقے کو اس قدر زوال وپستی تک لے آیا کہ کاجی چک، سرہنگ چک اور سہہ چک وغیرہ موسیٰ رینہ کے بیٹے علی رینہ کے پاس ایک عرصے تک پیادگی کی ملازمت کرتے تھے۔ موسیٰ رینہ کی وزارت کی مدت نو سال تھی۔

اس کے بعد سال ۹۱۶ھ میں ابراہیم ماگرے نے قوت وشوکت پیدا کر کے فتح شاہ سے اتحاد پیدا کر لیا اور موسیٰ رینہ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر اور دریائے بہت کے پلوں کو کاٹ کر اسکندر پور کے قصر شاہی کی طرف کارزار کے لئے مستعد ہو گئے۔ موسیٰ رینہ نے زالڈگر میں استقامت کر کے جنگ وجدل کا میدان گرم کیا۔ چونکہ شہر کے لوگوں اور وقت کے بزرگوں کو اس سے مذہبی عداوت تھی اس لئے خواص وعوام اسکی دشمنی پر اتر آئے اور موسیٰ رینہ نے معدود جماعت کے ہمراہ محرومی وبے کسی کی حالت میں فرار کی راہ اختیار کی۔ راول

پور گاؤں میں انگو کے درخت کی ایک ٹہنی اس کی گردن میں لپٹ جانے سے وہ گھوڑے سے گر پڑا اور جب پھر سوار ہونے کی جست لگائی تو گھوڑے نے اس کے سر پر لات مار کر اس کے مغز کو زمین پر بکھیر دیا اور جامع مسجد کے سامنے اپنے آباء کے مزار میں دفن ہوا۔

ملک عثمان اور دتی ملک جو خرابی اور آوارہ گی کی حالت میں پنجاب کے پہاڑوں میں سرگردان تھے، ابراہیم ماگرے کی خواہش پر کشمیر لوٹ آئے اور اس کے ساتھ مل گئے۔ ابراہیم ملک کل چالیس روز تک صدارت کے مسند پر بیٹھا رہا۔ اس کے بعد ڈانگروں کی جماعت، جنہیں اُس نے اپنی فتوحات و مددگاری کے لئے ہندوستان سے بلوالیا تھا، اُس پر غالب آگئی اور انہوں نے خود اپنی رفعت و ترقی کے لئے کوششیں کیں اور اکثر سواروں سے متفق ہو کر اس کی مخالفت میں جھگڑے کرنے لگے اور کافی جدو جہد اور کوششوں کے بعد اسے مغلوب و پامال کر کے ملک عثمان کے ہاتھ وزارت کا پرچم بلند کیا اور حکومت چلانے اور دولت و ثروت کی کثرت پانے کیلئے دوسرے سرداروں کی خوشامد کرنے لگے۔ دو تین مہینوں کے بعد ملک کاجی چک، جہانگیر پڈر اور گدا ملک نے فتح شاہ کے ساتھ متفق ہو کر دتی ملک اور غازی چک کو، جو دریا میں فریادیوں کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے، قتل کر دیا اور فتح شاہ کے سامنے سے ملک عثمان کو اُٹھا کر قید خانے میں بھیج دیا اور فتنہ و فساد اور شور و غوغا بر پا ہوا۔ اسی حال میں ابراہیم ماگرے نے اپنی جماعت کے ہمراہ جنگ کا پرچم لہرایا اور فتح شاہ، جہانگیر پڈر اور کاجی چک اس کے مقابلے میں مغلوب ہو کر ہندوستان کی طرف بھاگ نکلے۔ ابراہیم ماگرے نے، فتح شاہ کے فرار کو سلطنت کی خرابی جان کر فوراً اپنا وکیل اس کے پیچھے بھیج دیا ور کمال شتاب کے ساتھ اسے ہیرہ پور سے واپس بلوا کر تخت سلطنت پر بٹھا دیا اور اپنے لئے وزارت کا عہدہ پسند کر لیا۔ ملک عثمان کو قید سے رہا کر کے

ماگریوں کے ساتھ اتفاق پیدا کرلیا اور اُمور سلطنت کے نظم ونسق میں مشغول ہو گیا۔ ملک جہانگیر اور کاجی چک وغیرہ پنجاب کی طرف بھاگ گئے۔

کچھ عرصے کے بعد خبر آئی کہ سلطان محمد شاہ اپنی لشکر اور سپاہیوں کے ساتھ اپنی صاحب خانگی کے اہم اُمور کو انجام دینے کیلئے ملدیال پہاڑ میں چلا گیا ہے اور اس کے گھر میں سید محمد بیہقی کے فرزند سید ابراہیم کے بغیر اور کوئی نہیں ہے۔ یہ خبر سن کر فتح شاہ شان وشکوہ اور کثیر لشکر کے ساتھ نوشہرہ کی طرف روانہ ہوا۔

محمد شاہ کے متعلقین نے فتح شاہ کے حملے کی خبر جب سنی تو اُنہوں نے حسرت وافسوس سے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ فطری بہادری اور شجاعت کی بنا پر سید ابراہیم خان نے انتقام کی تلوار میان سے کھینچ کر اور ہمت کے آئینے میں فتح مندی کی صورت نہ دیکھنے کے باوجود دارالخلافہ کا رُخ کیا۔ سید ابراہیم نے اُن کا تعاقب کر کے دشمن کی فوج کے ہر ایک شخص کو، جو اسکی نظر میں آیا، قتل کر دیا اور بالآخر فتح منداور ظفریاب ہو کر نوشہرہ میں لوٹ آیا۔ اس کی دلیری اور شجاعت کی تحسین کر کے سلطان محمد شاہ نے اسے خان کا خطاب عطا کیا۔

اس واقعہ کے ایک سال کے بعد ملک عثمان اور شنکر رینہ نے آپس میں متحد ہو کر ابراہیم ماگرے کی جماعت کے خلاف دشمنی اور تنازعات کے دروازے کھول دئے اور فتح شاہ کی حمایت میں ابراہیم ماگرے کے بیٹوں ملک ابدال اور ملک فیروز کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ ملک ابراہیم نے پنوچھ جا کر اقامت اختیار کی اور ملک عثمان نے دوسری بار دربار خلافت میں وزارت کا مسند سنبھالا اور ملک شنکر رینہ کو سپہ سالاری کا رُتبہ عطا کیا گیا۔

پانچ مہینوں کے بعد ابراہیم ماگرے نے چکوں اور پڈروں کی جماعت کے ساتھ، جو پنجاب کے علاقے میں خرابی اور آوارگی کی حالت میں سرگردان تھے، متحد ہو کر اور سلطان

محمد شاہ کو اپنا مددگار بنا کر کثیر جماعت کے ہمراہ کشمیر کا رُخ کیا اور سوپور کے قصبے میں دریا کے اس طرف ثابت قدم رہے۔ فتح شاہ، ملک عثمان اور شنکر رینہ نے اپنی پوری جماعت کے ساتھ اُن کے مقابلے میں نکل کر دریائے بہت کے اس طرف پڑاوٗ ڈالا۔ اس زمانے میں کشمیر میں توپ وتفنگ نہیں تھے۔ طرفین مبہوت وخاموش حالت میں فکر وتدبیر میں تھے۔ آخر ملک عثمان نے فتح شاہ اور شنکر رینہ کو دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سوپور میں چھوڑ کر لوہر ماگرے اور ریگی چک وغیرہ کے ہمراہ کو یہامہ کی راہ سے چڑھائی کر کے محمد شاہ کی فوج کے ساتھ، جو بوسنگری کے ٹیلے پر پہلے ہی تعین تھی، جنگ کی اور دشمن کو شکست دے کر اپنی فوج کے ساتھ آ کر مل گئے۔ کاجی چک اور علی رینہ چاڈورہ نے، جو فتنہ وفساد کے سرگروہ تھے، اپنی جگہ یہ سوچ کر کہ کل ملک عثمان ہم پر غالب آ جائے گا، تو مغرب نماز کے وقت دریا کے کنارے پر علی رینہ نے پکار کر کہا: ''میں ملا حسین کو بیٹا ہوں۔ ملک علی رینہ، فتح شاہ کے مقربین خاص میں سے دو ایک آدمی آ جائیں کہ مجھے اُن سے کچھ کہنا ہے۔''

جب یہ خبر فتح شاہ کو پہنچی تو اُس نے اپنے خاص افراد میں سے دو تین آدمیوں کو دریا کے کنارے پر بھیج دیا اور ملک علی نے آہستہ سے انہیں کہا: ''میں حضور پادشاہ کا پروردہ نعمت ہوں، جنہوں نے مجھے خاک سے اُٹھا لیا ہے۔ مجھے اُن کی نیک خواہی کا ہر طرح سے خیال ہے۔ میری طرف سے پادشاہ کی خدمت میں یہ پیغام پہنچا دیجئے کہ ملک عثمان کو آج قتل کر دیا گیا اور اسکی لشکر ساری کی ساری تباہ ومنتشر ہوگئی ہے۔ کل دریا کو پار کر کے اُن کی فوجوں کو بھی مٹا دیں گے۔ پس خبر دار! انہیں کمال عجلت سے توسہ میدان کی راہ سے پنوچھ کی طرف روانہ ہو جانا چاہئے ورنہ انہیں گرفتار کریں گے''۔ جب یہ وحشت ناک خبر فتح شاہ نے سنی تو وہ بزدلی اور اپنی بدبختی سے کم قلیل مال واسباب کو ساتھ اٹھا کر، راتوں رات توسہ میدان کی راہ سے پنجاب کی طرف بھاگ گیا اور اس طرح کی روماہ بازی اور مکر وفریب سے کام لے

کر ملک علی نے اُن کی لشکر کو درہم برہم کر کے شکست دی ۔

زصد شمشیر یک رائی قوی بہ زصد جوشن کلاہِ خسروی بہ

(ایک سو تلواروں سے بہتر ہے ایک قوی مشورہ۔اور ایک سو زرّہ بکتروں سے بہتر ہے ایک خسروی کلاہ)

ملک عثمان نے جب فتح شاہ کی شکست کی خبر سنی تو وہ بے کسی و ناتوانی کی حالت میں شہر کی جانب لوٹ آیا اور رات کو دریای سندلار کے کنارے ٹھہر کر کل اکھال گاؤں کے پہاڑ کی کھوہ میں کہیں چھپ گیا۔لیکن ملک ابراہیم نے اسے پکڑ کر قید خانے میں قتل کر ڈالا۔اسکی تاریخ وفات ترکش (۵) کہی گئی ہے۔اب کی بار فتح شاہ کی حکومت کی مدت تیرہ (۶) سال تھی۔

۱۷۔سلطان محمد شاہ (تیسری بار)

سلطان محمد شاہ سال ۹۲۰ھ میں تیسری بار بادشاہی کے تخت پر بیٹھا اور ملک ابراہیم کو وزارت کا خلعت پہنایا۔چونکہ امراء کشمیر فتنہ وفساد کے منبع اور دغا وفریب کے مصدر تھے،اس لئے ان کے عہدو پیمان اور قسموں وعدوں پر اُسے کوئی اعتماد نہ تھا۔فتح شاہ اور محمد شاہ کو وہ شطرنج کا بادشاہ جان کر اپنے اختیار سے ان کو کشت و مات دیتے تھے ۔

جہان راچہ شد کا ندرین روزگار زصد یار نبود مکی یار ، یار

زیاران عیار ، اغیار بہ ازین بیوفا یارہا ، مار بہ

(آخر دنیا کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ اس زمانے میں سو دوستوں میں ایک دوست بھی دوست نہیں۔ مکار دوستوں سے غیر ہی بہتر ہیں ایسے بیوفا دوستوں سے تو سانپ بہتر ہیں)

کچھ عرصہ بعد فتح شاہ نے پنجاب سے کشمیر کی جانب لوٹ کر شوپیان میں قیام کیا اور جہانگیر پڈر محمد شاہ سے منہ توڑ کر اس کے ساتھ مل گیا اور کاجی چک نے بھی اپنی جماعت کے ہمراہ اس کا استقبال کیا۔ فتح شاہ کمال شان و شوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اور محمد شاہ اور سید ابراہیم اکیلے نوشہرہ کی طرف بھاگ گئے۔ اس بار محمد شاہ کی حکومت کی مدت کل پانچ (۷) ماہ تھی۔

۱۸۔ سلطان فتح شاہ (تیسری بار)

سلطان فتح شاہ نے سال ۹۲۱ھ میں تیسری بار حکومت سنبھالی۔ جہانگیر پڈر نے وزارت کا پرچم لہرایا اور مملکت کشمیر کے چار (۸) حصے کیے۔ ان میں سے ایک حصہ فتح شاہ کو، ایک جہانگیر پڈر، ایک شنکر رینہ اور ایک ملک کاجی چک کو ملا اور ہر کوئی اپنے حصے کی طرف متوجہ ہوا۔ فتح شاہ کو شطرنج کا بادشاہ جان کر اپنا کام کرتے رہے۔

ایک سال کے بعد محمد شاہ اور ملک ابراہیم نے کثیر جماعت کے ساتھ کشمیر کا رُخ کر کے جنگ کا علم بلند کیا۔ اپنے نامور امراء کے ہمراہ فتح شاہ نے کارزار کی صفیں آراستہ کیں اور بانگل پرگنہ میں فریقین میں جنگ ہوئی۔ بہت جدال و قتال کے بعد ابراہیم ماگرے اپنے دو دل بند فرزندوں (۹) کے سمیت قتل ہوا اور محمد شاہ پنوچھ کی طرف بھاگ کر نکلا۔ دو سال

آوارہ گردی میں گزارنے کے بعد وہ ہندوستان کے حکمران سکندر شاہ لودھی کے پاس مدد مانگنے کے لئے گیا اور تقریباً تیس ہزار سوار اور پیادہ فوجیوں کی امداد پا کر کشمیر کی طرف روانہ ہوا اور راجور کے علاقہ واتورہ کے میدان میں پڑاؤ ڈالا ۔ یہ خبر سنتے ہی ملک جہانگیر اور شنکر رینہ نے خطوط بھیج کر محمد شاہ کے ساتھ عہد و پیمان مستحکم کر لیا۔ کاجی چک اور نصرت رینہ نے بھی فتح شاہ سے الگ ہو کر ہرشن قلعہ میں بغاوت کا پرچم لہرایا۔ اس لئے فتح شاہ نے جہانگیر پڈر کے ہمراہ مخالفین کے مقابلے میں نکل کر ہرشن قلعہ کو محاصرہ میں لے لیا اور خود میں مقابلے کی طاقت نہ پا کر کاجی چک اور نصرت رینہ قلعہ سے نکل کر پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔

یہ خبر سننے سے محمد شاہ کی ہمت بڑھ گئی اور شاہی فوج کو وہیں پر چھوڑ کر کل دو ہزار سواروں کے ہمراہ کشمیر کا رُخ کیا۔ راستے میں ملک کاجی چک اور نصرت رینہ بھی اس سے مل گئے اور کمال جوش و خروش کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے اور فتح شاہ نے خود میں مقابلہ کرنے کی قوت نہ پا کر فرار کی راہ اختیار کی ۔ اس بار کل مدت حکومت تین سال اور چھ ماہ تھی۔

نیز اسی زمانے میں پنڈت فرقے کے دس ہزار آدمی اپنے مردوں کی ہڈیوں کو لے کر ہرموکٹہ گنگا کی طرف جا رہے تھے ۔ جب مہالشہ مرگ پر آ کر رُکے تو آدھی رات کو چھلاوے کی آواز سے وہاں سے کوچ کر کے غیر آمد و رفت والی راہ سے تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اور حسب تقدیر یہ پ رڈن پہاڑ سے، جو بہت بلند تھا، ایک ایک کر کے نیچے گر گئے ۔ پو پھٹنے تک قریب نو ہزار مرد اور عورتیں ملک عدم کی طرف جا چکے تھے ۔ اس کے بعد ایک آدمی نے لوگوں کی تباہی سے واقف ہو کر باقی تھوڑی سی جماعت کو ہلاک ہونے سے بچا

لیا۔ کان ذالک فی سنته ثلاث و عشرین و تسع ماته ۔تاریخ ؎

از بیابان کشیده سر تاریخ غول گفتا: تباہی پنڈتان (۱۰)

(تاریخ کہی غول نے بایان سے سر باہر نکالی کر پنڈتوں کو تباہی)

۱۹۔ سلطان محمد شاہ (چوتھی بار)

سال ۹۲۴ھ میں سلطان محمد شاہ چوتھی بار اس ملک کو اپنے تصرف میں لے آیا اور کاجی چک کو وزارت کا رُتبہ دے دیا۔ چند روز تک سلطنت کے نظم وضبط کی طرف متوجہ رہ کر اسے سلطان سکندر (لودھی) کی لشکر کے ساتھ نوشہرہ جانے کا خیال بہتر نظر آیا۔ اس لئے سرکشی کرنے سے باز رکھنے کے لئے شنکر رینہ کو قید میں ڈال کر کاجی چک کو سلطنت کا قائم مقام بنایا اور خود نوشہرہ کی طرف روانہ ہوا اور شاہی لشکر کو مراعات و رخصت دے کر لوٹا دیا۔

ان دنوں کشمیر کے پہاڑوں کی راہیں شدید برفباری سے بند تھیں اور محمد شاہ نے نوشہرہ میں جاڑے کا موسم گذار دیا۔ یہاں پر شدت کی سردی اور سخت جاڑے کے موسم میں ملک نصرت رینہ اور لوہر ماگرے نے ایک جماعت اکٹھی کر کے بغاوت کا پرچم لہرایا اور کاجی چک کے خلاف مخالفت پر اُتر آئے۔ ایک دن ملک جہانگیر کے ساتھ متفق ہو کر قلعہ ناگام سے شبخون کے ارادے سے باہر نکل کر حملہ کرنے کے لئے بڑھے۔ کاجی چک پہلے ہی آگاہ اور مسلح و مستعد ہو کر ان کے آنے کا منتظر تھا۔ جب ان کے شور و غوغا کو سنا تو گھر سے نکل کر زال ڈگر کے مقام پر جنگ و جدل کی۔ طرفین کی ایک بڑی جماعت تیر و سنان کے

زخموں سے ہلاک ہوئی اور تیغ وتبر کے ضربوں سے بہت سے زخمی اور بدحال ہو گئے۔ ان میں کاجی چک کے بدن پر کافی زخم لگے اور اُس کی انگشت شہادت بھی کٹ گئی۔ بالآخر ملک نصرت قتل ہوا اور اس کے ہمراہی مددگار مغلوب ہو گئے اور کاجی چک فتح یاب ہو گیا۔

موسم بہار کے اوائل میں محمد شاہ، سید ابراہیم خان کی رفاقت میں تزک واحتشام کے ساتھ کشمیر دل پذیر میں داخل ہوا اور حکمرانی کے تخت پر بیٹھا۔ کاجی چک نے بدستور وزارت کی علم بلند رکھی۔

نیز اسی سال ۹۲۵ھ میں سلطان فتح شاہ نے نوشہرہ کے پہاڑوں میں وفات پائی اور حضرت امیرؒ (۱۱) کی کلاہ مبارک کو، جو سلطان قطب الدین کو عطا ہوئی تھی، کفن میں لپیٹ کر اپنے ساتھ لے گیا۔ فتح شاہ فنا (۱۲) تاریخ ہے۔ محمد شاہ نے لاش کو منگوا کر سہہ یار میں اسے اپنے باپ آدم شاہ (۱۳) کے پاس دفن کر دیا۔

سال ۹۲۶ھ میں کاجی چک نے اپنے بیٹے مسعود چک کو جہانگیر پڈر کو مٹا ڈالنے کے لئے پانپور کے قصبے میں بھیجا۔ جہانگیر نے اپنے اندر مقابلہ کرنے کی قوت نہ پا کر گدائی ملک کے ساتھ گوریچ (۱۴) اور دارُدو کی جانب آوارگی اختیار کی۔

سال ۹۲۷ھ میں فتح شاہ کے بیٹے سکندر شاہ نے ملک ابدال، لوہر ماگرے اور عیدی رینہ کے ساتھ متفق ہو کر جنگ کا علم لہراتے ہوئے قلعہ ناگام میں قدم جما دئے۔ گوریچ سے جہانگیر پڈر اور گدائی ملک نے آ کر لار پرگنہ میں مخالفت کا نقارہ بجاتے ہوئے شورش برپا کی۔ کاجی چک نے اپنے بیٹے مسعود چک کو جہانگیر پڈر کا مقابلہ کرنے کے لئے متعین کر کے خود سکندر شاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے قدم اٹھایا اور ہر طرف فتنہ وفساد برپا ہوا۔ مسعود چک کا شہاب الدین پورہ میں جہانگیر پڈر اور گدائی ملک سے مقابلہ ہوا اور گدائی ملک

دولت چک کے ہاتھوں قتل ہوا اور ملک مسعود کی آنکھ میں جہانگیر پڈر کے ہاتھ سے تیر لگنے کی وجہ سے ملک مسعود آخرت کی دنیا میں پہنچا۔ سکندر شاہ نے جنگ کرنے کے بعد کاجی چک سے امان مانگ کر پنجاب کی طرف راہ فرار اختیار کی اور جہانگیر پڈر یہاں بہبودی کا کوئی موقع نہ دیکھتے ہوئے ہندوستان کی طرف بھاگ نکالا۔ کاجی چک نے عزت کی بلندیوں پر فتح مندی کا علم لہراتے ہوئے دولت چک کو گونا گوں عنایات سے نوازا اور مسعود چک کا منصب اور جاگیر بھی دے دی۔

ملک کاجی چک کا غلبہ جب حد سے بڑھ گیا تو وہ محمد شاہ کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس کے بموجب جب محمد شاہ نے سال ۹۳۰ھ میں سلطنت کے امراء مثلاً ملک علی، لوہر ماگرے، ابدال ملک اور ریگی چک کو اپنے ساتھ متحد اور عہد و پیمان کرا کے کاجی چک کے استقلال کی بیخ کنی کرنے کے اقدامات کیئے۔

کاجی چک نے جب جان لیا کہ سبھی امراء رفاقت اور یاری کی راہ سے منحرف ہو چکے ہیں تو ناچار تقدیر کے اقتضا اور اپنی مصلحت و تدبیر سے ہندوستان کی راہ لی اور نوشہرہ میں قیام کیا۔ اسی زمانے میں ظہیر الدین بابر شاہ (۱۵) نے، ہندوستان اور پنجاب کو فتح کرنے کی کامیابی پاکر قوچک بیگ اور شیخ علی بیگ ترک کو ایک لشکر جرار ساتھ دے کر نوشہرہ کی راہ سے کشمیر کو فتح کرنے پر مامور کیا۔ جب نوشہرہ کے قریب پہنچے تو کاجی چک نے نوشہرہ میں پہاڑوں کے اطراف و جانب کے لوگوں کے ساتھ متحد ہو کر کاجی ڈاری پہاڑ پر ثابت قدم رہتے ہوئے دشمنوں کی راہ مسدود کر لی اور اپنے بیٹیوں غازی خان اور حسین خان کو، جو بیس سال کی عمر سے زیادہ نہ تھے، دشمن کے مقابلے میں بھیج دیا۔ چھوٹی سی جماعت کے ہمراہ رات کے آخر میں جب دونوں بھائی ترکی سپاہیوں پر حملہ آور ہوئے تو حسین خان نے شیخ

علی بیگ کے خیمے میں گھس کر شمشیر کی تین ضربیں اس پر لگائیں۔ پہلی دفعہ اُس نے اپنے تکیہ کو سپر بنایا جس کے تیز تلوار کی ضرب سے دو حصے ہو گئے۔ اور دوسری دفعہ مس کے مجمے کو سر پر رکھا اور وہ بھی کٹ گیا۔ تیسری بار چارپائی کے نیچے آکر جان کی امان مانگی۔ اس معرکہ میں حسین خان کے جسم میں نوشیروں کے پھل اُتر گئے تھے۔ غازی خان نے بھی ان کے ایک جنگجوؤں سے دوچار ہو کر تلوار کی ایک ہی ضرب سے اُسے گرا دیا۔ اور اس کے گر جانے کے وقت نیزے کی چوٹ ایک اور مغل کو، جو اُس سے ذرا نیچے تھا، لگی اور دونوں جان سے گذر گئے۔

اس واقعہ کو ہوتے دیکھ کر ترکوں نے اپنے اندر مقابلہ کرنے کی قوت نہ پاتے ہوئے فوراً راہ فرار و شکست اختیار کی اور حالت شکست میں بہت سے قتل اور قید ہو گئے۔ آٹھ مہینوں کے بعد کاجی چک نے کشمیر کی جانب واپسی کا رُخ کیا اور اگلے جرائم و تقصیرات کی معافی مانگ کر محمد شاہ کے ساتھ قدیم اساس محبت کی نئے سرے سے تجدید کی اور اپنے سینے سے کینہ و عداوت کو پاک کر کے شرف ملازمت سے مشرف ہوا۔

سکندر شاہ کو، جو حکومت کے خیال سے کاجی چک کے ہمراہ کشمیر آیا تھا، گرفتار کر کے اسکی آنکھیں نکالی گئیں اور چند دنوں کے بعد وفات پا کر اسے والہ گری محلے میں دفن کیا گیا۔ علی رینہ اور ماگریوں کے فرقے نے دیرینہ عداوت کے تقاضا کے بموجب مخالفت و شورش کا پرچم لہراتے ہوئے کچھامہ گاؤں میں مقابلہ و جنگ کرنے کے لئے پاؤں جمالئے۔ سلطان محمد شاہ اور کاجی چک نے سید ابراہیم خان کو ایک بھاری لشکر کے ساتھ اُن کے مقابلے میں بھیج دیا اور کافی کشت و خون کے بعد علی رینہ کو گرفتار کیا گیا اور ماگریوں کی جماعت شکست کھا کر بھاگ گئی۔ علی رینہ تازی چک کے گھر میں کئی مہینوں تک پابہ زنجیر تھا۔ آخر آسمانی تائید

سے قید سے رہا ہو کر ہندوستان کی جانب فرار کر گیا۔

اسی دوران کاجی چک نے محمد شاہ کو سلطنت سے معزول کر کے اُسے بعض خاص امراء کے ہمراہ لُد گاؤں میں، جو پہاڑ کے ایک درّے میں تنگ جگہ ہے، قید کر دیا اور اُس کے بیٹے ابراہیم شاہ کی، جو اُس کا بھانجا تھا، تربیت کرنے کی طرف متوجہ رہا۔ اب کی بار محمد شاہ کی حکومت دس سال (۱۶) تک رہی۔

۲۰۔ سلطان ابراہیم

محمد شاہ کے بیٹے سلطان ابراہیم نے ۹۳۴ھ (۱۷) میں کاجی چک کی مدد سے تاج شاہی سر پر رکھا اور ملک کا انتظام اور ربط وضبط کاجی چک کے قبضہ اقتدار میں رہا۔ علی رینہ قید سے رہائی پا کر نوشہرہ میں ریگی چک اور ماگرے فرقے سے جا ملا۔ ابراہیم ماگرے مدد اور جنگی کمک کی استدعا کرنے کے لئے بابر بادشاہ کے پاس گیا اور خسروانہ نوازش پا کر شیخ علی بیگ کو بیس ہزار (۱۸) سواروں کے ہمراہ مدد معاونت کے لئے ساتھ لا کر ۹۳۸ھ میں کشمیر میں داخل ہوا۔

ادھر سے کاجی چک نے کوہ پیکر دلاوروں کی جماعت کے ساتھ مقابلے کا پرچم لہرایا اور پرگنہ بانگل میں فریقین میں جنگ ہوئی۔ ملک تازی چک نے جو لشکر کا دست وبازو تھا، جنگ میں پیش قدمی کی لیکن اچانک شاہین مرگ کے پنجے میں گرفتار ہو گیا۔ اس کے بعد ترکوں میں سے ایک نامی بہادر تُرک، جو رستم واسفندیار کو اپنی خاک پا کے برابر بھی نہیں

جانتا تھا، کاجی چک کے مقابلے میں آیا اور دونوں نے جنگی حملوں کی چالیں چلیں اور آخر کاجی چک کے ہاتھوں خاک مرگ پر آگرا۔ اس جان کو گھلا دینے والے اس معرکہ میں کاجی چک کی فوج کے جنگجو سپاہیوں نے ہر چند شجاعت و مردانگی کی داد دیتے ہوئے شہامت و دلاوری کے دقایق سے ایک بھی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن چونکہ تقدید کے قلم نے اُن کی شکست لکھ دی تھی، اس لئے اچانک شکست کھا کر دشت آلام میں بکھر کے رہ گئے اور بہت سے نامور بہادر جیسے مسیحی چک، سرہنگ چک، تازی چک اور سہہ چک وغیرہ اپنے تابعین اور ہمراہیوں کے سمیت موت کی وادی میں پہنچ گئے۔

سید ابراہیم خان، دولت چک اور غازی چک، جو کاری جنگجو آدمی تھے، ترکوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور قید کر دئے گئے۔ ملک کاجی چک، مجروح حالت میں نیم جان ہو کر اس کارزار سے جان چھڑاتے ہوئے گھکھروں کے ملک کی طرف بھاگ گیا اور سید ابراہیم خان اور دولت خان کو باندھ کر شہر کی طرف بھیج دیا گیا تھا۔

راستے میں دولت چک نے شام کے وقت کشتی سے چھلانگ لگا کر ساحل کی طرف فرار کیا اور پانی کے ایک تالاب میں جو اس کے متّصل تھا، چُھپ گیا۔ محافظوں نے اطراف و جوانب سے قریب چالیس پچاس کشتیوں کو جمع کر کے آدھی رات تک اس تالاب کو چھان مارا۔ دولت چک ایک بڑے برگ پمپوش کو سر پر رکھ کر پانی میں پنہان تھا اور منہ کو پانی سے باہر رکھ کر سانس لے رہا تھا۔ کشتیاں جب چلی گئیں تو دولت چک پانی سے باہر آکر بھاگ نکلا اور سید ابراہیم خان اور غازی چک ان کی قید میں رہ گئے اور فتح مندی کا ڈنکا بجاتے ہوئے ماگرے شہر میں داخل ہو گئے۔ ابراہیم شاہ کی مدت حکومت کل (۱۹) دو سال تھی۔

۲۱۔ سلطان محمد شاہ (پانچویں بار)

ماگریوں کی مدد اور پایمردی سے سلطان محمد شاہ سال ۹۳۶ھ میں پانچویں بار (۲۰) تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔ وزارت کا منصب ملک ابدال کے حق میں مسلم ہو گیا اور شاہی اخراجات کو حساب سے خارج کر کے ملک کشمیر کے چار حصے کر دیئے گئے۔

ان میں سے ایک حصہ ملک ابدال کو، ایک حصہ لوہر ماگرے کو، ایک حصہ ریگی چک کو اور ایک حصہ علی رینہ کو ملا اور ہر کوئی اپنے حصے پر قابض اور متصرف ہوا۔ شیخ علی بیگ کو نذرانہ اور تحایف پیش کیئے گئے اور علی رینہ کو نوشہرہ تک ہمراہ کر کے واپس لوٹ جانے کی اجازت دی گئی۔

کشمیر کا ملک جب نظم و نسق سنبھالنے والے حکمران سے خالی ہو گیا تو اطراف و جوانب کے بادشاہوں نے طمع کے دانت اس کی تسخیر کرنے کے لئے تیز کر کے لشکر کشی کرنا شروع کی (۲۱)۔ چنانچہ سال ۹۳۸ھ (۲۲) میں بابر بادشاہ کے بیٹے میرزا کامران نے اپنے بھائی ہمایوں شاہ سے اجازت حاصل کر کے تین ہزار سواروں کی بھاری لشکر کے ساتھ کشمیر کو فتح کرنے کے لئے نوشہرہ میں پڑاؤ ڈال دیا اور محرم بیگ تاشلیقی (۲۳) اور شیخ علی بیگ اُوزبک کی سرکردگی میں ظفر مند فوج کو کشمیر کی طرف روانہ کیا۔ شتاب اور تیزی کے ساتھ چڑھائی کرتے ہوئے سرداران مذکور نے ناگاہ کشمیر میں داخل ہو کر جنگ کا پرچم بلند کیا۔ کشمیر کے امراء اس حالت سے واقف ہو کر چیروڈر قلعہ میں جمع اور کشت و خون کے لئے

آمادہ ہو گئے۔ کاجی چک بھی گکھروں کے پہاڑوں میں سے نکل کر اپنے فرزندوں اور مدد گاروں کے ہمراہ کشمیر کی فوج کے ساتھ مل گیا۔ اس وقت مجرم بیگ نے یہ تاریخ کہہ کر مرزا کامران کے پاس بھیج دی۔

به حکم پادشاهی کز حریمش | بفهم آسان شود تفهیم فردوس
سفر کردم به سوی ملک کشمیر | که از خوبی دهد تعلیم فردوس
چو کردم فتح نیم اُو به تاریخ | خرد گفتا که: فتح نیم فردوس (۲۴)

جب فتح نامہ میرزا کامران (۲۵) کے پاس پہنچا تو پوری تسلی واطمینان خاطر کے ساتھ لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ کشمیر کے امراء نے ایک مکمل جماعت اکٹھی کر کے اتھواجن گاؤں میں ایک اُونچی جگہ پر قیام کرتے ہوئے مقابلے کا ڈنکا بجا دیا اور مجرم بیگ اپنی فوج کے ہمراہ دریا کو پار کر کے مقابلے میں جنگ کرنے کے لئے آ گیا اور جانبین میں خاصی لڑائیاں اور جنگیں ہوئیں۔ بالآخر ترکوں کی لشکر مغلوب ہو کر دریائے بہت کو عبور کر کے اپنی جگہ پر لوٹ آئی اور کشمیری امراء نے کوہ سلیمان سے نکل کر گوپکار میں قیام کیا۔ مغلوں کے سپاہی کچھ عرصے تک حملے کرتے رہے، آخر مجرم بیگ کی بہادری کی آگ ٹھنڈی ہو گئی اور اس نے امرای کشمیر سے صلح کی راہ اختیار کی۔

عہد و پیمان کی توثیق ہو جانے کے بعد خانقاہ معلیٰ کے گھاٹ پر کشمیری امراء نے کشتیوں میں جمع ہو کر مجرم بیگ اور علی بیگ کے ساتھ ملاقات کی۔ اپنی کشتی سے اٹھ کر کاجی چک مجرم بیگ کی کشتی میں آ گیا اور دیر گئے تک صلح کی گفتگو کو ختم کرنے کے بعد رخصت ہوئے۔ کل کو مرزا کامران کے لئے تحایف و نذرانے ترتیب دینے کے بعد ترک کی فوج کو بارہ مولہ کی راہ سے لوٹ جانے کے لئے رخصت کر کے پکھلی کے علاقے تک دولت چک اور

جہانگیر ماگرے کو اُن کے ہمراہ کر دیا۔

اس کے بعد ملک کشمیر کو محمد شاہ اور سید ابراہیم خان کی جاگیر کے اخراجات کو حساب سے خارج کر کے پانچ حصوں میں بانٹ دیا گیا۔ ان میں سے ایک حصہ کاجی چک کو ملا اور اُس کی جای اقامت زینہ پور تھی۔ دوسرا حصہ ابدال ماگرے کو ملا اور اُس کے رہنے کی جگہ کبھی شہر میں اور کبھی کاچھہامہ میں تھی۔ تیسرا حصہ لوہر ماگرے کو، اور اسکی جای اقامت بانگل میں تھی۔ چوتھا حصہ ریگی چک کو دیا گیا اور اسکی جای قرار کامراج میں تھی اور پانچواں حصہ علی رینہ کو ملا اور اس کی سکونت گاہ اُولر میں یاترش گاؤں میں مقرر ہوئی۔ ایک سال کا عرصہ اُنہوں نے ایک دوسرے کی مخالفت کرنے کے بغیر گذارا۔

سال ۹۳۹ھ میں کاشغر کے حکمران سلطان سعید خان نے ایک بھاری لشکر کے ساتھ کشمیر کو مسخر کرنے کے ارادے سے چڑھائی کی اور خود تبت کلان میں پڑاؤ ڈال دیا اور اپنے بیٹے سکندر خان کو اپنے بھتیجے میرزا حیدر کی افسری میں چودہ ہزار سواروں کی لشکر جرار اور دیگر سات ہزار گھوڑوں (۲۶) کے ساتھ، جو سواری کے گھوڑوں کے علاوہ تھے، کشمیر کی جانب روانہ کیا۔

ماہ میزان کی اوّل تاریخ کو جب یہ غضبناک فوج لار کے راستے سے ملک میں داخل ہوئی اور کاشغریوں کی وحشت وہیبت سے شہر کے لوگ وطن چھوڑ کر پہاڑوں کی کھوہ، غاروں اور گوشوں میں چھپ گئے تو کشمیر میں افراتفری اور شور وغوغا برپا ہوا۔ شہر کے علماء و فضلا اور اکابرین جھیل اُولر میں جزیرۂ لنک میں روپوش اور کشمیری امراء ہانجک قلعہ میں قلعہ نشین ہو گئے۔ میرا حیدر (۲۷)، چند روز نوشہرہ میں قیام کرنے کے بعد کامراج کی طرف حملہ آور ہوا۔ جہاں بھی پہنچتا تھا لوٹ اور غارت کا ہاتھ دراز کر کے لوگوں کا قتل عام کرتا اور

عورتوں اور بچوں کو اسیر و غلام بنا کے لے جاتا تھا۔

غرض جاڑے کے چھ مہینوں میں قتل و خونریزی اور بے خوفی میں کوئی دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کیا اور کشمیری امراء اس کے بموجب ایک منزل سے دوسرے منزل کی طرف چلے جاتے تھے۔ اس طرح سے جاڑے کا موسم ختم ہوا اور شہر کے باشندوں نے جاڑے کے دن خواری و دشواری اور رنج والم میں گذار دئے۔

بہار کے ابتدائی دنوں میں کشمیری امراء کی فوج میدان بابل میں اکھٹی ہوئی۔ میرزا حیدر نے چاڈورہ سے اُٹھ کر امرای کشمیر کے مقابلے میں جنگ کی صفیں ترتیب دیں۔

دو دریای آتش علم برکشید زمانہ بہ صحت قلم درکشید

دو لشکر ہمہ اژدہا و پلنگ بہم بر کشید نہ بازوی جنگ

چند دنوں تک ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدال کر کے بے دریغ خونریزیاں کرتے رہے۔ کشمیری امراء نے دلاوری اور مردانگی کی داد دے کر تلواروں اور نیزوں سے بہت سے بہادروں اور دلیروں کے سر کاٹ کے رکھ دئے۔ خاص کر علی رینہ، حسین رینہ چاڈورہ اور علی بٹ نے جنگ کی صفوں میں دشمنوں کی قوم کا خون بہا کر خون کی ندیاں جاری کر دیں۔ اپنے بھائیوں کی پانچ سو سواروں کی جماعت کے ساتھ علی بٹ نے اشرف میرزا کے مقابلے میں آ کر اسے مغلوب کیا۔ کاشغریوں نے جب کشمیریوں کو غالب آتے دیکھا تو میمنہ سے علی بیگ اور میسرہ سے میرزا حیدر دہ ہزار جرار سواروں کے ساتھ اشرف میرزا کی مدد کو پہنچے اور جنگ کی۔ اپنے امراء سے کوئی مدد نہ پا کر علی رینہ دشمنوں کے غلبے سے میدان کارِزار سے بھاگ گیا۔ شرپسند دشمنوں نے چند نامور کشمیری امراء کو مع ایک ہزار چھ سو پیدل اور سوار سپاہیوں کے قتل کر ڈالا اور تلوار کی زد سے باقی بچے ہوئے لوگوں نے فرار کی راہ

اختیار کی اور ان میں سے اکثر دریائے لیدر میں ڈوب گئے۔

اس حادثے کے مواقع ہو جانے سے کشمیری امراء پریشان وملول اور آرزدہ خاطر ہو کر پہاڑوں کی شگافوں میں چھپ گئے۔ میرزا حیدر نے بے دھڑک فتح نامہ لکھ کر سلطان سعید کی طرف بھیج دیا کہ ماہ شعبان کی چوتھی تاریخ کو میدان بابل میں شدید مقابلہ ہوا۔ فتح و نصرت اولیای سلطنت کے نصیب میں آئی۔ سلطان سعید کے دربار میں کاشغر کے قاضی نے روز چہارم ماہ شعبان سے تاریخ پا کر ابیات پادشاہ کی خدمت میں پیش کیے۔

الحمدللہ کان شاہ عادل سلطان سکندر خاقان دوران
کر مقدش شد سرسبز و خورم صحرای بابل باغ سلیمان
بر کسر اعدا در روز ھیجا قادر شد آن دم از فضل یزدان
از لطف ایزد فتح و ظفر یافت بر شہر کشمیر تا ملک ایران
تاریخ فتحش الحق ہمین است روز چہارم از ماہ شعبان

میرزا (حیدر) نے تاسف کیا کہ یہ جملہ میں نے لکھ کر بھیجا لیکن اسکے حساب کی طرف متوجہ نہ ہوا۔

اس کے بعد کاجی چک اور امرای مملکت شکست پانے کے باوجود پھر سے جمع ہو کر ترکوں کا انتقام لینے پر کمر بستہ ہو گئے اور کئی شبخون مار کر اور خونریزیاں کر کے ترکوں کو ہلاک کر ڈالا۔ جہاں کہیں بھی مغل پڑاؤ ڈالتے کشمیری امراء اُن کا پیچھا کرتے تھے۔ کوئی بھی دن حرب وضرب اور شبخون سے خالی نہ چھوڑتے تھے۔ آخر مغل کشت وخون اور جنگ وجدال سے تنگ آکر صلح کے خواہاں ہوئے۔ میرزا حیدر نے سلطان محمد شاہ کی بیٹی کا نکاح سکندر خان سے کر دیا اور سلطان سعید خان کے لئے بے شمار تحایف وہدایا سمیٹ کر کشمیری سال ۱۴ سہ

کے ماہ ہار کی دس تاریخ کو لار کے راستے سے لوٹ کے چلا گیا۔

ہار کے مہینے میں جب کشمیر کے لوگ مغلوں کے جنگ و پیکار سے رہائی پا چکے تو کسان لوگ کاشتکاری کی طرف متوجہ ہو گئے۔ چونکہ زمینداری اور کاشتکاری کا موسم ہاتھ سے جا چکا تھا اس لئے بے وقت تخم ریزی نے کوئی فائدہ نہیں دیا اور خریف میں پیداوار کچی اور ادھوری رہ کر ساری کی ساری سڑ گئی۔

سال ۹۴۱ھ میں سخت قحط پڑا اور شدت فاقہ سے باپ اپنے بیٹوں کا گوشت کھاتے تھے۔ غلے کی ایک خروار کی قیمت دس ہزار تنکہ ہو گئی۔ لوگوں میں سے آبادی کے دو حصے ہلاک ہوئے اور آبادی کا صرف ایک حصہ باقی رہ گیا۔

مغلوں کی فوج کے جانے کے بعد امرای کشمیر آپس میں متحد و متفق ہو کر سابق حصہ داری پر راضی رہے اور ہر کوئی اپنے حصے پر قابض ہو گیا۔ اسی طرح سے انہوں نے تین سال گذار دئے

سال ۹۴۴ھ میں سلطان محمد شاہ اس جہان فانی سے عالم باقی کی طرف چل دیا۔

تاریخ ؎

ز آسمان سر کشیدہ ہاتف گفت رفت سلطان محمد از دنیا

اس بار کل آٹھ سال حکمرانی میں گذارے (۲۸)۔

۲۲۔ سلطان شمس الدین ثانی

سلطان محمد شاہ کا بیٹا سلطان شمس الدین ثانی سال ۹۴۴ھ میں حکمرانی کے تخت پر

بیٹھا اور ملک کاجی چک نے وزارت کا پرچم لہرایا۔ امراء اپنے اپنے علاقوں پر مسلط تھے۔ سلطان ایک بے نام سلطان تھا۔ کل ایک سال حکومت رہ میں کر فوت ہوا (۲۹)۔

۲۳۔ سلطان اسماعیل شاہ

سلطان محمد شاہ کے دوسرے بیٹے، کاجی چک کے داماد، سلطان اسماعیل شاہ نے سال ۹۴۵ھ میں تخت سلطنت پر حکمرانی کا مسند آراستہ کیا۔ کاجی چک اپنے اختیار سے سلطنت کا نظم ونسق چلاتا تھا اور اسماعیل شاہ کا شاہی حکومت کے علاوہ اور کوئی اختیار نہیں تھا۔ اسی سال کاجی چک نے چند نام آور امراء کو اپنے طرف دار بنا کر ماگریوں کے خلاف مقابلے کا پرچم لہرایا۔ اور ماگرے فرقہ اور ریگی چک ابھی بارمولہ میں جمع ہی ہو رہے تھے کہ کاجی چک شہر پر چڑھائی کر کے ان کے مقابلے میں آ پہنچا۔ کچھ دنوں کے بعد دولت چک اور زیتو چک، ابدال ماگرے سے علیٰحدہ ہو کر کاجی چک کے ساتھ مل گئے اور ایک طرف کا صلح ہو جانے کے بعد شہر لوٹ آئے۔ کچھ عرصہ بعد سارے امراء پھر سے ابدال ماگرے کے ساتھ متفق ہو گئے اور کاجی چک کے خلاف جنگ کی صفیں آراستہ کیں اور مددگاروں سے کوئی مدد نہ پا کر کاجی چک اپنی جماعت کے ساتھ پنجاب کی طرف بھاگ گیا۔ اور جاڑا گکھڑوں کے پہاڑوں میں گذارنے کے بعد گکھڑوں کے حکمران (۳۰) سے جنگی سامان کی مدد لے کر موسم بہار کے اوائل میں کشمیر کی جانب لوٹ آیا۔

ان ایام میں ریگی چک جموں کے راجا کی بیٹی کے ساتھ بیاہ کرنے کے لئے بانہال

کے راستے سے جموں گیا ہوا تھا۔ فرصت کو غنیمت جان کر کاجی چک نے ماگرے فرقے کو سوپور کے قلعہ میں قلعہ بند کر دیا اور خود گیسو گاؤں میں ان کے مقابلے میں آیا۔

ایک مہینے کے بعد ریگی چک نے جموں سے لوٹ کر کاجی چک کے خلاف نوشہرہ میں جنگ کا پرچم بلند کیا۔ کاجی چک نے دولت خان اور سید ابراہیم کو ماگرے فرقے کے خلاف لڑنے کے لئے چھوڑ کر خود ریگی چک کا رُخ کیا۔ ریگی چک نے پہلے ہی یہ خبر سن لی تھی اور وہ محلہ علاء الدین پورہ میں قلعہ میں پاؤں جما چکا تھا۔ کاجی چک نے نوشہرہ کی راہ سے شہر میں آ کر قلاش پورہ محلے میں ریگی چک کے خلاف جنگ کی۔ کافی کشت و خون کے بعد ریگی چک پھاک کے راستے سے لار کی طرف بھاگ گیا اور کاجی چک فتح یاب ہو کر سوپور میں لوٹ آیا۔

ماگریوں کے فرقے کو جب اطلاع ہوئی کہ کاجی چک شہر چلا گیا ہے تو سوپور کے پل کو، جسے اُنہوں نے پہلے کاٹ دیا تھا، پھر سے سوپور قصبے سے نیچے درست کر کے دولت چک اور سید ابراہیم کے مقابلے میں آنے کی پہل کی۔ ماگریوں کے مقابلے میں اگرچہ چکوں کی جماعت تعداد میں کم تھی لیکن شہامت و دلاوری کی وجہ سے بیہقی سادات نے جنگ جیت لی اور ریگی چک کا بھائی مسعود چک، سید یعقوب خان بیہقی کے ہاتھوں مارا گیا اور ماگریوں کی فوج شکست کھا کر پنجاب کی طرف بھاگ نکلے۔ کاجی چک فتح مندی کا ڈنکا بجاتے ہوئے شہر کی طرف لوٹ آیا۔

اور اس کے بعد کشمیر کے تین حصے کر دئے گئے۔ ایک حصہ اسماعیل شاہ، ایک حصہ کاجی چک اور ایک حصہ سید ابراہیم خان کے حصے میں آیا۔ ماگریوں کو ہٹانے کے بعد کاجی چک نے پورے استحکام کے ساتھ ڈھائی سال تک مملکت کے اُمور انجام دیتے ہوئے شیعہ

مذہب کو رواج دینے اور ہندو آبادی کو تباہ و خراب کرنے (۳۱) اور اہل سنت کی توہین اور اُن کو تکلیف دینے کی طرف دل و جان سے کوشاں اور ہمیشہ شمس عراقی کی پیروی و اطاعت گذاری میں مشغول رہا (۳۲)۔ چنانچہ اسی کی پیروی کرنے اور مدد و معاونت سے شمس عراقی نے جڈی بل کی خانقاہ میں مطلق غلبہ و ترقی پا کر بہت سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو زور زبردستی سے اپنے مذہب میں داخل کر کے امامیہ مذہب کو رائج کیا اور شیعہ مذہب کے احکام پر خود ہی احوط کتاب لکھ کر اسے شائع کیا اور امرای کشمیر کے درمیان ان چالیس پچاس سال میں جو بھی فتنہ و فساد اُٹھا وہ اسی کی ذات کی نفاق انگیزی اور فتنہ اندیشی کی وجہ سے تھا۔ غرض اسماعیل شاہ نے کل ڈیڑھ سال تک عارضی طور پر خود کو سلطان کا نام دے کر وفات پائی۔

۲۴۔ سلطان ابراہیم شاہ

سلطان اسماعیل شاہ کے بیٹے سلطان ابراہیم شاہ (۳۳) نے ۹۴۶ھ میں حکمرانی کا تاج سر پر رکھ کر ملک داری کے اُمور کے انتظام کی باگ بدستور کاجی چک کے قبضہ قدرت میں رکھی اور خود اسے ملکی اُمور میں کوئی اختیار نہ تھا۔ کشمیر کا ملک سابق دستور کے مطابق امراء میں تین حصوں میں منقسم تھا اور ہر امیر اپنے علاقے کا نظم و نسق چلاتا تھا۔ ابراہیم شاہ کی حکومت چار ماہ رہی (۳۴)۔

میرزا حیدر کاشغری (۳۵) کا کشمیر پر تسلط پانا

ابدال ماگرے اور ریگی چک اہل سنت والجماعت سے تھے۔ سوپور کی جنگ میں جب کاجی چک کے غلبہ پانے سے شکست کھانے کے بعد پنجاب کی طرف جا کر یہ خرابی اور آوارگی کی حالت میں بسر کر رہے تھے تو اُنہوں نے مدد و معاونت پانے کی اُمید میں اپنے بیٹوں کو ہمایوں بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا۔ میرزا حیدر اور خواجہ حاجی بانڈے کی وساطت سے اُنہوں نے شمس عراقی کے پیروؤں کے غلبہ پانے اور شیعہ مذہب کے پھیلنے کا سارا تفصیل کے ساتھ ہمایوں بادشاہ کی خدمت میں عرض کر کے میر شمس عراقی کی لکھی ہوئی کتاب احوط بھی پیش کی اور مذہب کی اصلاح کے لئے کشمیر میں فوج بھیجنے کی استدعا کی۔

ان ایام میں ہمایوں بادشاہ شیر خان افغان (۳۶) کے ہاتھوں شکست کھا کر لاہور میں آیا ہوا تھا۔ اُمرای کشمیر کی خواہش پر اس نے اُس علاقے میں آنے کا دل میں پختہ ارادہ کر لیا۔ لیکن میرزا ہندال نے اُس کو اس خیال سے باز رکھا اور اُس نے فوراً سندھ اور بھکر کی راہ سے جودھ پور جانے کا حکم دیا اور امرای کشمیر کی درخواست کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

لیکن امرا کی ترغیب اور خود اپنے میل خاطر سے میرزا حیدر نے ہمایوں بادشاہ سے اجازت حاصل کر ہی لی اور وہ اپنے پیروؤں کی ایک جماعت (۳۷) کے ہمراہ ماگرے فرقے کی مدد کرنے کے لئے کشمیر کی طرف روانہ ہو کر چیرہ ہار (۳۸) کے راستے سے سال ۹۴۷ھ کے رجب مہینے کی بیس تاریخ کو کشمیر میں داخل ہو گیا۔ اسکی آمد کی خبر سن کر کاجی چک

اور سید ابراہیم خان نے خود میں مقابلہ کرنے کی قوت نہ پا کر جنگ وجدل اور مقابلے میں آنے کے بغیر ہی ہیرہ پور کی راہ سے فرار کیا اور نوشہرہ کی کوہستانی شگافوں میں چھپ گئے۔

اور میرزا حیدر کمال شان وشوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہو کر ملک کشمیر پر مسلط ہو گیا اور اُمرای کشمیر کے ساتھ عمدہ اطوار اور حسن وخوبی سے ارتباط واختلاط پیدا کر کے اعیان مملکت کو احسان ومدارات کی راہ سے اپنا فرمان بردار بنا لیا اور اُمرای کشمیر سے متفق ہو کر کشمیر کے تین حصے کر دئے گئے۔ ان میں ایک حصہ میرزا حیدر، ایک حصہ ملک ابدال اور ایک حصہ ملک ریگی چک کے لئے مخصوص ہوا اور فتح شاہ کے بیٹے نازک شاہ کو بادشاہت کا خلعت پہنا دیا گیا۔

کچھ عرصہ بعد ملک ابدال ماگرے دنیا سے انتقال کر گیا اور میرزا حیدر نے اُس کے بیٹے حسین ماگرے کو اس کے باپ کی جاگیر اور منصب پر برقرار رکھا۔

۲۵۔ سلطان نازک شاہ

فتح شاہ کا بیٹا سلطان نازک شاہ (۳۹) سال ۹۴۷ھ میں میرزا حیدر کی معاونت و حمایت سے تخت نشین ہوا۔ میرزا حیدر نے اُمور سلطنت کے نظم وضبط اور وزارت کے معاملات کے انتظام پر تسلط پانے کے بعد اہل سنت کی حمایت ومعاونت کرنے اور رعایا سے احسان والتفات برتنے کی طرف متوجہ ہوا اور ہندوؤں پر بہبود وآسودگی اور نرمی ومحبت کی نوازشیں کیں اور اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے اندرکوٹ (۴۰) کے قلعہ کو مسکن بنایا

ملک کاجی چک معاونت و مدد مانگنے کے لئے شیر خان افغان کے پاس ہندوستان گیا اور اپنی بہن کی بیٹی کو، جو سلطان محمد شاہ کی پشت (۴۱) سے تھی، نُزل خدمت کے طور پر پیش کر کے عناد و فساد پیدا کرنے والوں کی فتنہ اندیشی اور اپنی پریشان حالی کی سرگزشت بیان کی اور اپنے بدن کے زخموں کو عریاں کر کے دکھایا۔ شیر خان کو اُس کی تباہ حالی پر رحم آ گیا اور اسے خسروانہ مہربانی سے نوازا بلکہ خطاب خانسامانی عطا کر کے اس کا رُتبہ بڑھایا اور اپنے امراء حسین خان شیروانی اور عادل خان کو پانچ ہزار سپاہیوں اور ہاتھیوں کے ساتھ اس کی مدد و معاونت کے لئے ہمراہ کر کے لوٹ جانے کی اجازت دی۔ کاجی چک نے بڑی تیزی کے ساتھ کشمیر میں داخل ہو کر ہیجان پیدا کر دیا۔

اپنے عیال اور بچوں کو اندرکوٹ میں چھوڑ کر میرزا حیدر، ملک ریگی چک، عیدی رینہ اور حسین ماگرے کی ہمراہی میں حرکت میں آ گیا اور وتھ نار میں فریقین میں جنگ ہوئی اور ایک ماہ تک پیہم جدال و قتال میں کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

ایک ماہ کے بعد طغیانی اور کثرت سیلاب کی وجہ سے فریقین وہاں سے چلے گئے۔ ملک کاجی چک نے گیرڈار کے مقام پر پاؤں جمائے اور میرزا حیدر نے کوتر گاؤں میں قیام کیا اور وہتورہ میں فریقین میں جنگ ہوئی۔ ہر چند کاجی چک کی لشکر کے دلاوروں نے جنگ و جدال کے لمحات کا کوئی بھی لمحہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا لیکن فتح و نصرت آسمانی کشایش ہوتی ہے۔ اچانک دولت خان اور سید ابراہیم خان سمیت کاجی چک چیرہ ہار کی راہ سے شکست کھا کر بھاگ گیا اور غازی چک شیر شاہ کی فوج کے ساتھ ہیرہ پورے کی راہ سے بھاگ نکلا۔ میرزا حیدر ظفریاب اور فتح مند ہو کر شہر میں داخل ہوا اور فتح و نصرت کے ڈنکے بجائے۔ ملا یوسف خطیب نے اس جنگ کی تاریخ فتح مکرر (۴۲) میں پائی یعنی پہلی فتح پچھلے

سال کی اور مکرّر فتح اس سال۔

فتح و کامیابی پانے کے بعد ملک ریگی چک میرزا حیدر سے رخصت لے کر اپنے علاقے کامراج میں چلا گیا اور کسی وقت تک دونوں نے آپس میں اُلفت و محبت کے روابط مستحکم کر کے ایک دوسرے کی متابعت میں خاصی گرمجوشی دکھائی۔ لیکن آخر کار ملک ریگی چک نے میرزا حیدر سے خفا ہو کر اُس کے اوامر کو نافذ کرنے سے باز رہا۔ ناچار میرزا حیدر نے حاجی باندے، حسین ماگرے اور حیدر رینہ سے مشورہ کر کے لشکر کے ہمراہ کامراج جا کر ریگی چک کو گرفتار کرنے کا عزم کیا۔ مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا کر ریگی چک کرنا کے راستے سے نوشہرہ کے پہاڑوں میں کاجی چک کے پاس بھاگ کر پہنچا اور میرزا حیدر نے ریگی چک کے مکانوں میں آگ لگا کر اس کے مال و جائیداد کو غارت کرایا۔

اگلے سال ۹۵۱ھ میں کاجی چک اور ریگی چک نے متفق (۴۳) ہو کر گلمرگ (۴۴) کی پہاڑیوں میں شورش اٹھائی۔ مغل فوج کے ساتھ اور اُمرای کشمیر سے متفق ہو کر میرزا حیدر نے ان کا مقابلہ کرنے میں حرب و مردانگی کی داد دی اور طرفین کی ایک کثیر جماعت قتل ہوئی۔ آخر مغل فوج نے شبخون مار کر ان کو شکست دی۔ تھنہ کے مقام پر پہنچ کر کاجی چک تب لرزہ کی بیماری سے فوت ہوا۔ فوت سرور (۴۵) سے تاریخ نکلتی ہے۔

مرزا حیدر گلمرگ سے فتح و فیروزمندی کے ساتھ لوٹ آیا اور عیدی رینہ اور حسین ماگرے کے ساتھ کلی طور پر اتحاد و اتفاق کر کے کشمیر کے اطراف تبت اور پکھلی (۴۶) اور دانگلی اور کشتواڑ (۴۷) کو مع دیگر مضافات کے اپنے قبضے میں لے آیا۔ اور نازک شاہ کے نام پر سکہ و خطبہ بدستور قائم رکھا۔ ملک عیدی رینہ کو سپہ سالاری کا عہدہ دیا۔ ملکی اُمور منتظم کرنے میں عمدہ کوششیں کیں۔ ہر صنعت و حرفت کے اُستادوں کو ہر ملک سے بلوا کر اس

ملک میں رواج و رونق بخشی (۴۸) ۔ حماموں کی تعمیر ،تکیہ دار دریچوں کے طاق ، پنجروں (۴۹) کی کاغذ گیری، بازاروں میں بدرو، نارہ للّو (۵۰) نامی آتشی برتنوں میں شالی کو سکھانا، یہ سب اُسی کے اختراعات ہیں۔اہل فضل وکمال کوعزیز رکھتا تھااور دانشمندوں کو کافی مراعات دیتا تھا۔

سال ۹۵۵ھ میں تعصب کا پرچم لہراتے ہوئے شہر کے روسا کے ساتھ متفق ہو کر اور عام لوگوں کو مشتعل کر کے شیعوں کا تاراج کرنے میں اُنہیں دلیر بنا دیا (۵۱)۔ چنانچہ اُس کے اشارے پر عوام نے ہر طرف حملہ آور ہو کر شیعوں کو غارت کیا۔اُن کے گھروں کی بیخ تک کو خاکستر کر دیا اور شمس عراقی کی خانقاہ کو، جو جڈی بل میں تھی، آگ لگا کر جلا ڈالا۔ شمس عراقی کی لاش کو قبر سے نکال (۵۲) کر کتوں کی نجاست میں نذر آتش کیا اور اس کی قبر کو لوگوں کے لئے کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ بنا دیا (۵۳)۔شنگلی ریشی ، جو بابا علی نجار کے مریدوں میں سے تھا اور پرسپور کے نواحی میں اُس کا رواج تھا، کے سر کو شالی کوب سے کوٹ کر اس کی لاش کو گوبر میں جلا ڈالا۔قاضی میر علی کو ملک سے نکال کر اس کے گھر کو لوٹ لیا گیا اور ملا حاجی خطیب کو قتل کیا گیا۔

غرض شیعہ روسا اور شمس عراقی کے پیرووں میں سے بہت سے لوگ قتل ہوئے۔ میرزا دانیال کو، جو شمس عراقی کا فرزند گرامی تھا، اور اسکردو (۵۴) میں اپنے مذہب کی ترویج کر رہا تھا، میرزا حیدر نے سرزنش کر کے بلوایا اور ایک سال تک اسے قید میں رکھا اور چند گواہوں کی شہادت پر حضرات صحابہ کبارؓ کی سبّ وشتم کرنے کا عمل ثابت ہو کر اُسے قاضی ابراہیم اور قاجی عبدالغفور کے فتوٰی سے قتل کر کے شہر میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اُس کے قتل کی تاریخ دشت کربلا (۵۵) کہی گئی ہے۔

اس واقعہ سے لوگوں کے دلوں میں خوف وحشت پیدا ہوا اور شیعوں نے خاص کر میرزا حیدر کے خلاف دشمنی اور نزاع کا زیادہ تر مظاہرہ کیا۔ ملک عیدی رینہ کے دل میں سرکشی اور غرور کی وجہ سے کدورت کا گرد وغبار چھا گیا۔

غرض ہر کوئی اس کی دشمنی اور مخالفت پر اُتر آیا۔ اس اثنا میں میرزا حیدر کو محمد کوٹ (۵٦) پر قبضہ کرنے کا خیال دل میں آیا اور اس نے امراء سے اس بارے میں صلاح ومشورہ کیا۔ اس معاملے اور امر مہم کو انجام دینے اور سر کرنے کی خاطر ہر ایک نے اسے ترغیب دی۔ اس لئے اُس نے اپنے بھتیجے میرزا قرا بہادر کو مغل قوم کے ایک ہزار اور کشمیری فوج کے ڈیڑھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ سال ۹۵۷ھ کے رمضان مہینے کی پہلی تاریخ کو بارہمولہ کے راستے سے روانہ کر دیا۔ عیدی رینہ، حاجی بانڈے اور نازک شاہ نے ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہو کر میرزا حیدر کو تباہ و برباد کرنے کے بارے میں مشورہ کیا اور اس کے لئے باہمی عہد و پیمان کر کے کمر بستہ ہو گئے۔ فریب کاری اور مکرو حیلے سے عیدی رینہ نے میرزا حیدر سے اجازت لے کر مغل لشکر کے ہمراہ محمد کوٹ کی طرف کوچ کیا۔

بارہ مولہ میں جب سپاہی آ کر ٹھہرے تو ان کو کشمیری امراء کے فتنہ وفساد برپا کرنے کی خبر ملی گئی اور میرزا حیدر کی خدمت میں عرض کی۔ مرزا حیدر کو اس بات پر یقین نہیں آیا اور کہا کہ فتنہ وفساد برپا کرنے میں خود مغل بھی کشمیریوں سے کچھ کم نہیں ہیں۔ حسین ماگرے نے اپنے چھوٹے بھائی علی ماگرے کو میرزا حیدر کے پاس بھیج دیا کہ کشمیریوں کی غداری سے اُسے آگاہ کرے اور لشکر کو لوٹ آنے کا حکم دے۔ لیکن میرزا حیدر نے کہا کشمیریوں کی کیا طاقت کہ ہم سے غداری کرنے کے بارے میں سوچ بھی سکیں۔

اسی دوران اندر کوٹ میں ۲۷/ رمضان کو ایک بڑی آگ لگی جس میں اکثر گھر جل

گئے اور میرزا قرا بہادر اور سبھی لوگوں نے خبر بھیجی کہ چونکہ ہمارے گھر جل گئے ہیں اور اس لئے اگر حکم ہو تو ہم آ کر مکانوں کو ٹھیک کریں گے اور آیندہ سال برپل کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ میرزا حیدر نے مطلق اسے قبول نہ کیا۔ پس میرزا قرا بہادر اپنی لشکر کے ہمراہ سخت جبر و زبردستی کے زیر اثر برپل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب محمد کوٹ میں پہنچا تو شوال مہینے کی تیرہ تاریخ کو تمام کشمیری امراء نے پہاڑوں کی بلندیوں اور قلعوں پر چڑھ کر پہاڑوں کے زمینداروں کو رائے دی کہ مغلوں پر کشمیر کی جانب جانے والے راستے کو بند کر دیں۔ صبح سویرے کار آزمودہ اور میدان کارزار کے تجربہ کار دلاور آدمی پہاڑوں کی چوٹیوں سے اُتر کر پہاڑی تنگ دروں میں مغل فوج کے خلاف جنگ و جدال کرنے لگے اور اُوپر سے بھاری پتھروں کو لڑکاتے ہوئے مغلوں کے جسموں کو خاک سے ملا دیا اور حرب و ضرب اور سنگ و چوب سے شام ہونے کے وقت تک مغلوں کا خون زمین پر بہاتے رہے اور اس جانکاہ کار زار میں مغلوں نے بھی شجاعت و مردانگی کی داد دیتے ہوئے رُستمانہ حملے کئے لیکن بالآخر شکست کی راہ اختیار کر کے برپل کی طرف بھاگ گئے۔ کشمیری دلاوروں نے ایک فرسنگ تک اُن کا پیچھا کر کے بہتوں کو قتل اور زخمی کر دیا۔ پہاڑی لوگوں کے ہمراہ کیچم خان کھکھ نے برپل گاؤں تک اُن کا تعاقب کر کے اُن کے گھوڑے، اُن کا سامان اور اسلحہ چھین کر لوٹ لیا۔ عیدی رینہ نے شمس چک اور نجی ملک کی افسری میں برپل قلعہ کے محاصرہ کے لئے پانچ سو سوار سپاہیوں کو مامور کیا اور خود پونچھ کی طرف روانہ ہوا اور امرای کشمیر نے برپل میں پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔

دوسرے روز کی صبح کو مغلوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر قرا بہادر کشمیری امراء کے ساتھ مصالحت کرنے اور ان کی خوشامد کرنے کے لئے چل پڑا۔ جب نزدیک پہنچا تو

پہاڑی لوگ اور کشمیری پیادے اُن پر ٹوٹ پڑے اور قتل و غارت میں مشغول ہوئے۔ سید مرزا مغلوں کی ایک جماعت کے ساتھ تلواروں کو لٹکاتے ہوئے قلعہ سے نکل کر گکھڑوں کے ملک کی طرف بھاگ گیا۔ کشمیری دلاوروں نے ایک میل تک اُن کا پیچھا کیا اور اسلحہ و سامان میں سے جو کچھ بھی اُن کے ہاتھ لگ گیا اسے لوٹ کر لے گئے۔ قرا بہادر مغلوں کی ایک جماعت کے ساتھ کشمیریوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے عیدی رینہ کی چھاونی میں پہنچا دیا گیا۔ عیدی رینہ نے قرا بہادر، قطب علی کوکہ اور محمد نظیر کو، جو فوجی سردار تھے، قید میں رکھا اور قریب ساٹھ آدمیوں کے ہاتھ کاٹ کر انہیں رہا کر دیا۔ ان میں سے بعض وہیں پر فوت ہوئے اور بعض اطراف و جوانب کی طرف منتشر ہو گئے۔ عیدی رینہ نے میر سید ابراہیم، غازی چک اور دولت چک کو نوشہرہ کے پہاڑوں سے بلوا کر اپنے ہمراہ کشمیر لے آیا۔

اس جانکاہ سانحہ سے باخبر ہو کر میرزا حیدر نے اپنے مشیروں اور مدّبروں کی صلاح پر مغلوں کی ایک جماعت کو اندرکوٹ میں اپنے خانمان کی حفاظت پر متعین کر کے ایک ہزار مغل سواروں کے ساتھ کشمیری امراء کا مقابلہ کرنے کا رُخ کیا۔ جب زالڈگر میں پڑاؤ ڈالا تو فتح چک نے تین ہزار سواروں کے ساتھ اندرکوٹ جا کر میرزا حیدر کے گھر کو آگ لگا دی۔ میرزا حیدر کی عمارتوں کو جلائے جانے کے عوض جر علی نے سوپور میں سلطان زین العابدین کی عمارتوں کو نذر آتش کیا، لیکن میرزا حیدر نے اس کام کو پسند نہ کیا۔ فوجیوں نے عیدی رینہ اور نوروز چک کی شہر کی عمارتوں کو جلا دیا۔

چونکہ میرزا حیدر کے بخت و سعادت کے دن اُس سے پھر چکے تھے، اس لئے اطراف کشمیر میں پہلے سے اس کے جو معتبر اور معتمد آدمی متعین تھے، ہر جگہ وہ تباہ و برباد ہو کے رہ گئے۔ ان میں ملا قاسم اور ملا باقی جیسے عظیم امراء بھی تھے جو تبت پر حکومت کرتے

تھے۔ جاڑے کے موسم میں تبت کے لوگوں نے آپسی اتفاق کے ساتھ ملا قاسم کو ایک کثیر جماعت کے سمیت قتل کر دیا اور ملا باقی بھاگ کر میرزا حیدر کے پاس اُس کے مصیبت کے وقت میں اندر کوٹ جا پہنچا۔ مولانا عبداللہ سمرقندی، جو صاحب اعتماد امراء میں سے تھا، اور پکھلی کے ربط وضبط میں معتبر آدمی تھا، کشمیریوں کے چلے جانے کی خبر سن کر خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آ رہا تھا کہ بارہمولہ میں کشمیریوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یوسف میرزا کو کہ جو کشتواڑ میں مستقل طور پر حکومت کر رہا تھا، وہاں سے بھاگ آیا اور راستے میں ایک ہزار پانچ سو مغلوں کی جماعت کے ہمراہ مارا گیا۔ اور محمد نظیر راجوری میں گرفتار ہوا۔

ایک ہی دن میں یہ ساری خبریں سن کر مرزا حیدر کو اپنی جان کی تسلی ہوگئی ؎

فریاد ز جور و ستم چرخ کبود　　　هرگز گره بسته کس رانه گشود

هر جا که دلی یافت که داغی دارد　　　صد داغ دگر بر سر آن افزود

(اس کا جوروی رنگ کے آسمان کے ظلم وجود سے فریاد! کبھی بھی اس نے کسی کی بند گرہوں کو نہ کھولا۔ جہاں کسی دل کو دیکھا کہ داغ زدہ ہے سینکڑوں اور داغ اس پر بڑھا دئے)

مصیبتوں کی موجوں کی طغیانی کے باوجود میرزا حیدر جنگ کا پرچم لہراتے ہوئے واہتھور پہنچا۔ کشمیری اُمراء کی فوج خامپور (۵۷) کے قلعہ میں قیام پذیر تھی۔ آٹھ سو سواروں کی جماعت کے ساتھ میرزا حیدر نے مخالفوں کی فوج پر شبخون مارا۔ جب قلعہ کے آخر پر پہنچا تو سارے دلیر مغل وہاں پر رُک گئے اور صرف تیس سوار مرزا حیدر کے ساتھ اُوپر چڑھ آئے اور وہ بھی راستے ہی میں ٹھہر گئے اور کل آٹھ سواروں کے ہمراہ میرزا حیدر نے معرکہ کارزار میں قتل وحرب کا بازو کھول کر چوالیس آدمیوں کو تلوار کی کاٹ سے گذار دیا اور خود بھی دشمنوں کے تیروں کے زخم کھانے کے نتیجے میں ۹۵۷ھ کے ذی قعد ماہ کی آٹھ تاریخ کو جام شہادت (۵۸) نوش کیا۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ اس رات سیاہ بادل چھا گئے۔ جب میرزا حیدر، خواجہ حاجی بانڈے (۵۹)، جو میرزا کا وکیل اور فساد کی جڑ تھا، کے خیمے کے پاس پہنچا تو تاریکی کی وجہ سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ شاہ نظیر، جو میرزا حیدر کا ذاتی مسلح محافظ سپاہی تھا، کا کہنا ہے کہ اس وقت جب میں تیر چلا رہا تھا میرزا حیدر کی آواز میرے کانوں میں آئی کہ کہا: ''بہت بُرا کیا تو نے''۔ میں جان گیا کہ اس تاریکی میں اچانک میرزا حیدر کو تیر لگ گیا ہے۔ نیز بیان کیا گیا ہے کہ ایک قصاب (۶۰) نے اسکی ران پر تیر مارا (۶۱)۔ بعضوں نے کہا ہے کہ کمال کوکہ نے اُسے شمشیر کے ضرب سے مار ڈالا۔ لیکن اُس کے جسم پر تیر کے زخم کے بغیر اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

کل دوسرے دن جب دشمنوں کو میرزا حیدر کے قتل ہو جانے کی خبر ملی تو کاجی چک کے بیٹوں دولت چک اور غازی چک نے چاہا کہ میرزا کی نعش کے ساتھ بے ادبی کر کے اُس کے جسد کو کتوں کی خوراک بنائیں، لیکن سید محمد بیہقی نے جو نازک شاہ کا بہنوئی تھا، حسین ماگرے اور اہل سنت والجماعت کے ساتھ مل کر پایمردی کے ساتھ اس کی نعش کو اُٹھا کر مزار سلاطین میں سلطان زین العابدین کی قبر کے متصل مغرب میں پانچ روز کے بعد دفن کر کے اُس کے مقبرہ کو پتھروں سے بلند کر دیا اور اس کی قبر کی تختی پر یہ موزون کلام نقش بر سنگ ہے۔

بہ ملک شہادت زدہ کوس شاہی	شہ گورگان میرزا حیدر آخر
شدہ بہر وصلش قضای الٰہی	قضای الٰہی حنین بود تاریخ (۶۲)

سید محمد (بیہقی) نے اس کے مقبرے پر محافظ مقرر کر کے چکوں کے ہاتھ روک دئے۔

سید محمد اور نازک شاہ کی حمایت سے جب دولت چک میرزا حیدر کی نعش پر غلبہ نہ پا سکا تو اندرکوٹ جا کر اس نے میرزا حیدر کے خانمان کو تاخت و تاراج کرنے کا رُخ کیا۔

میرزا حیدر کی بیوی وہاں جنگ کے لئے آمادہ (۶۳) تھی۔ ابدال ماگرے کے بیٹوں نے، جو سید محمد بیہقی کے اقارب تھے، درمیان میں آکر صلح کرالی (۶۴)۔ چکوں کو ہٹا دینے کے کے بعد میرزا کے افراد قبیلہ کو سرینگر میں حسن متو کی حویلی میں جگہ دی گئی اور میرزا قرا بہادر، میرزا عبدالرحمٰن، میرزا جان میرک، میرزا پکلہ، میر شاہ، شاہزادہ بیگ، محمد نظر اور جر علی نظر بند رہے لیکن کچھ عرصہ بعد رہا ہو کر کاشغر چلے گئے (۶۵)۔

میرزا حیدر، سلطان سعید کاشغری کا بھتیجا اور بابر بادشاہ کا مسیرا بھائی تھا۔ علوم عقلی و نقلی اور شعر وسخن میں موزون طبیعت رکھتا تھا۔ تاریخ رشیدی اسی کی تصنیف ہے (۶۶)۔ دس سال (۶۷) کشمیر پر حکومت میں گذارے لیکن سکہ اور خطبہ نازک شاہ کے نام پر جاری رکھا۔

میرزا حیدر کی موت کے بعد عیدی رینہ وزارت کے منصب پر فائز رہا۔ اس نے نازک شاہ پر سلطان کا نام اور خطبہ بدستور رہنے دیا اور اُمور مملکت کے انتظام خود اپنے ہاتھوں میں رکھا۔ کاجی چک کے بیٹوں دولت چک، غازی چک، علی چک اور حسین چک کو، جو پہاڑوں میں پریشان حالی اور آوارہ گردی میں دن گذار رہے تھے، بے انتہا التفات وتوجہ کے ساتھ بلوا کر اپنی ذاتی حمایت وعنایت میں رکھا (۶۸)۔ جب انہوں نے قوت وثروت پائی تو بغض وعناد اور فساد وانتقام پر اُتر آئے اور اسے نقصان پہنچانے اور اکھاڑ کر پھینک دینے کی تدبیروں کی شطرنج بازی کرنے لگے (۶۹)۔

اس زمانے میں ہیبت خان نیازی نے سلیم شاہ کے حضور سے دلاوروں کی ایک لشکر کے ساتھ جموں کے پہاڑوں کی راہ سے کشمیر پر قبضہ کرنے کے لئے رُخ کیا اور بانہال میں پہنچا۔

اس طرف سے دولت چک اور حاجی بانڈے نے غضبناک لشکر کے ہمراہ مقابلے کو

نکل کر بانہال پہاڑ کی چوٹی پر قدم جمائے اور ملک عیدی رینہ اور حسین ماگرے آہستہ سے پیچھے پیچھے آرہے تھے (۷۰)۔ دولت چک نے اپنی فوج کو دشمنوں کے مقابلے کے لئے دو راستوں پر مامور کیا اور کل دوسرے دن جنگ کی اور صبح سے شام تک مردانگی کی داد دیتے ہوئے ایک عظیم لڑائی لڑی (۷۱)۔

ہر چند ہندوستانی نژاد بہادروں کی دلاوری وشجاعت میں کوئی نظیر نہ تھی لیکن قضاو قدر کی غلبگی کے موجب سب کے سب کشمیریوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے اور دو آدمیوں کے بغیر اُن کا کوئی بھی آدمی زندہ نہ رہا۔ تب کشمیری جیالوں نے شام کے وقت ہیبت خان نیازی، سعید خان اور شاہباز خان (۷۲) کے سر دولت چک کو پیش کئے اور ملک دولت نے ان سروں کو سلیم شاہ (۷۳) کے پاس ہندوستان بھیج دیا اور نازک شاہ کے نام قاصد کے ہاتھ پر عرضداشت لکھ کر بھیجی کہ عیدی رینہ کی طرف سے شمس ملک اور نجی ملک میرے ہمراہ تھے۔ اُنہوں نے کسی طرح کی بھی میرے ساتھ رفاقت سخن نہیں کی کہ اُن کے قدیم بغض و عداوت کی آگ مشتعل تھی۔

فتح وکامیابی کی وجہ سے تکبر وغرور کی کلاہ آسمان تک پہنچاتے ہوئے دولت چک کشمیر لوٹ آیا اور پرگنہ ویرناگ میں عیدی رینہ سے ملاقات کی۔ حسین ماگرے وہاں نہیں پہنچا تھا۔ دولت چک اور اس کے آدمیوں میں غرور وگھمنڈ کے قیافہ وقیاس کو دیکھ کر ملک عیدی رینہ نے اُن کو تباہ وبرباد کرنے کی تدبیریں کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ شہر آکر دولت چک نے ملک محمد ناجی کے ساتھ، جو میرزا حیدر کی بابت عیدی رینہ سے خفا تھا، انس واتفاق پیدا کر لیا اور عیدی رینہ کو مٹانے کے لئے خانقاہ معلیٰ میں ایک اجلاس کیا۔

اس دوران محمد ناجی کے بھائی ملک نیک روز نے خانقاہ کی چھت سے ایک بڑا پتھر

اس جماعت پر ڈال دیا لیکن پتھر نشانہ سے چوک گیا (۷۴) اور خانقاہ کے ستون کو چوٹ لگی جس کا نشان جلنے سے پہلے قدیم خانقاہ میں موجود تھا۔ اس نیچ و ذلیل کام کی پاداش میں غیب (۷۵) سے نیک روز کے گھٹنے میں بندوق آ کر لگی اور وہ فوراً ہلاک ہو گیا۔

ملک عیدی رینہ نے کپواڑہ (۷۶) کے چکوں کی ایک جماعت کو جو اہل سنت تھے، اور ماگریوں کے طائفہ اور بیہقی سیدوں کو اپنے ساتھ متفق کر کے ۹۵۸ھ کے رمضان مہینے میں چکوں کے خلاف جنگ کا علم بلند کیا اور قلعہ علاء الدین پورہ میں قلعہ بند ہو کر اُن سے مخالفت اور دشمنی کرنے پر پاؤں جما لئے۔ یہاں تک کہ ایک رات شمس چک کو پہ وارہ، نجی ملک، حاجی بانڈے، بہرام نیایک اور یوسف خان نے خدم و حشم کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے پل کاٹ کر جنگ اور حرب کرنے پر ثابت قدمی دکھائی۔ دولت چک اور غازی چک اُن کے مقابلے میں آئے اور سید ابراہیم خان اور حسین ماگرے کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ ان کی باقی جماعت قلعہ علاء الدین پورہ میں عیدی رینہ کے پاس بھاگ کر پہنچی۔

دولت چک نے مکر و فریب سے عیدی رینہ کے ہمراہیوں کی مدارات کر کے لوہر ماگرے، نسی ملک، فتح چک اور یوسف چک کو اپنی طرف راغب کر لیا اور ان کی جمعیت و تقویب سے دریائے بہت کو عبور کر کے ناگاہ اپنے دشمنوں پر حملہ آور ہو کر ہیجان برپا کر دیا اور ہزاروں لوگوں کا خون زمین پر بہانے کے بعد نصرت و فتح مندی کا پرچم عزت کی بلندیوں پر لہرایا (۷۷)۔

مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا کر عیدی رینہ بھاگ کر پرگنہ وتر کے شہ ناگ جنگل میں مخفی جگہ میں چھپ گیا اور وہاں مرض موت (۷۸) میں مبتلا ہو کر اُسے شہر میں لایا گیا اور چند دنوں کے بعد فوت ہوا۔ کل دس ماہ تک وزارت میں رہ کر حکومت کی۔

در جزای فعل بیتاب است تیغ انتقام　　　　ہر بدکردہ است بد بیند بجای خوشتین

(عمل کی جزا دینے میں انتقام کی تلوار بیقرار رہتی ہے۔ جس نے بدی کی وہ خود بدی کا شکار ہو جاتا ہے)

عیدی رینہ کے ہٹ جانے کے بعد دولت چک نے سید ابراہیم خان اور حسین ماگرے کو قید سے نکال کر دلجوئی اور نرمی سے اپنا بنالیا اور سلطان نازک شاہ کو بادشاہت سے اُٹھا کر اُسے ہندوستان کی طرف خارج کر دیا۔ اسکی حکومت کی مدت گیارہ سال اور چند ماہ تھی (۷۹)۔

۲۶۔ سلطان اسماعیل ثانی

سلطان ابراہیم شاہ کے بیٹے سلطان اسماعیل شاہ ثانی نے سال ۹۵۸ھ (۸۰) میں دولت چک کی امداد و حمایت سے عارضی طور (۸۱) پر بادشاہت کا پرچم لہرایا اور فقط سکہ و خطبہ اس کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے علاوہ اُمور مملکت کا سارا انتظام دولت چک کے اپنے اختیار میں تھا اور اُس نے ملک کے نظم و نسق کو فروغ دیتے ہوئے شیعہ مذہب کو شائع کرنے اور اس کے لوازمات کو رواج دینے کی طرف خوب توجہ کی۔ شمس عراقی کی خانقاہ کو، جو میرزا حیدر کے عہد میں مہندم ہو چکی تھی، پچھلی تعمیر سے زیادہ استحکام و مضبوطی کے ساتھ تعمیر کیا اور میرزا دانیال کو، جسے قتل کے وقت شونلش مرگاؤں میں دفن کیا گیا تھا، وہاں سے نکال کر میر شمس عراقی کے مقبرے میں قبر میں ڈال دیا۔

اور محلّہ حسن آباد میں بابا علی نجار کے بیٹے بابا حسن نجار کے لئے ایک وسیع خانقاہ بلند کی اور بابا علی کی لاش کو اس کی جگہ سے نکال کر وہیں پر دفن کر کے اس کے مقبرہ پر عمارتیں بنوائیں اور اس کے اطراف کی آباد زمینیں مالکوں سے جبراً چھین کر بابا حسن کو بخش دیں۔ حسن بابا نے ان زمینوں پر بڑی بڑی عمارتیں اور وسیع مکانات و باغات مع کشادہ بازاروں کے بنوا کر اس کا نام حسن آباد رکھا۔ ہندو فرقے اور اہل سنت کو مذہب ترک کرنے پر مجبور کیا اور مسجدوں کے خطیبوں کو اعلانیہ طور پر تجویز کیا کہ بارہ اماموں کے نام خطبہ میں پڑھا کریں (۸۲)۔

سال ۹۶۰ھ میں (مطابق کشمیر سنہ ۳۳) رات کا ایک پہر گذرنے کے بعد اچانک شدید بھونچال آیا اور جو سات دنوں تک ایک ہی حرکت میں جاری رہا۔ اس سے زمین کئی جگہوں پر بدل گئی اور دھنس گئی۔ چنانچہ حسن پور اور حسین پور کے زمینوں کے تبدیل ہونے کا واقعہ تب سے مشہور ہے۔ کامراج پرگنہ (۸۳) میں ماور ضلع میں پہاڑ کا ایک ٹکڑا لڑھک کر گرنے سے چھ سو آدمی ہلاک ہو گئے (۸۴)۔ یہ قصہ حصہ اوّل میں بیان ہو چکا۔

غرض کشمیر میں دولت چک کی کل مدت حکومت تین سال تھی اور ان برسوں میں غازی چک کے ساتھ کئی بار مخالفت میں جھگڑے کیے۔ البتہ یہ جھگڑے فوراً ہی صلح میں بدل جاتے۔ آخر دولت چک نے اپنے چچا کی بیوی کاجی چک کی دوسری بیوی کو، جو غازی خان کی حقیقی ماں تھی، مکر و فریب کے ساتھ اپنے عقد نکاح میں لایا۔ جس کے باعث غازی خان اور علی خان نے شورش (۸۵) میں آ کر اسکی حکومت کو جڑ سے اکھیڑنے کا منصوبہ بنایا۔

ایک دن دولت چک اپنی جماعت کو حسن آباد میں چھوڑ کر جھیل ڈل کی سیر کرنے گیا تھا۔ اس فرصت کو غنیمت جان کر اس کے بھائیوں نے حسن آباد میں اس کے حمایتیوں کو قتل کر

دیا اور پھر اسے گرفتار کرنے کے لئے تیزی سے ڈل کے کناروں کی جانب روانہ ہوئے۔
دولت چک کو خبر ہوئی اور وہ پھاک (۸۶) کے پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلا لیکن راستے میں
ایک گڈریا نے اُس کے ڈیل ڈال کو پہچان لیا اور گرفتار کرنے کے بعد اُسے باندھ کر غازی
خان کے سامنے پیش کیا۔ غازی خان نے اُس کی آنکھوں میں سلائی پھروا کر اسے قید میں
ڈال دیا۔

کہا جاتا ہے کہ دولت چک بہت بہادر اور جنگجو تھا۔ کھڑا رہتے وقت اُس کے
دونوں ہاتھ اُس کے گھٹنوں تک پہنچتے تھے۔ ایک بار ننده مرگ میں ایک میل کی دوری تک تیر
کو نشانے پر لگا دیا اور ایک دن اپنے دولت خانہ کی تعمیر کے دوران ایک لمبا ستون، جو بیس گز
طویل اور ایک گز تک موٹا تھا اور جسے تعمیر کرنے والے چھت پر چڑھا رہے تھے، اچانک رسی
کے ٹوٹ جانے سے زمین پر آ گرا۔ دولت چک نے اس ستون کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ
لیا اور بائیں ہاتھ کو زمین پر سہارا بنایا۔ کہتے ہیں اس کا ہاتھ کہنی تک زمین میں دھنس گیا اور
جب تک رسیوں کو درست کر کے ستون کو اُوپر چڑھایا گیا وہ ویسے ہی اپنی جگہ پر ٹھہرا
رہا (۸۷)۔

نیز دہلی میں شیر خان افغان کے سامنے ہاتھی کی دُم کو پکڑ کر اپنے دونوں پاؤں
زمین پر جما لئے اور ہاتھی کو مطلق ہلنے نہ دیا (۸۸)۔ اور جب اُس کا وقت اور بخت اُس سے
پھر گئے تو ایک گڈریا کے ہاتھوں اسیر ہوا (۸۹)۔

دولت چک کی حکومت کو ہٹانے کے بعد غازی چک نے اسماعیل شاہ کو تخت
بادشاہی سے اُٹھا کر اپنے بھانجے حبیب شاہ ابن اسماعیل شاہ اوّل کو تخت پر بٹھا دیا (۹۰)۔

۲۷۔ سلطان حبیب شاہ

غازی خان کی حمایت سے سلطان حبیب شاہ نے سال ۹۶۱ھ میں تخت سلطنت پایا اور غازی خان نے اُمور حکمرانی بذات خود سنبھال لئے۔

ایک روز ایک سال گذر جانے کے بعد حبیب شاہ نے تخت بادشاہت پر بیٹھ کر کمال شدومد سے سخت بلند آواز میں پاد چھوڑی جس کی آواز سے اہل دربار شرمندہ ہو گئے۔ جوش میں آکر علی خان نے اس کے سر پر سے تاج اُٹھا کر غازی خان کے سر پر رکھ دیا (۹۱) اور حبیب شاہ کو شاہی محل سے باہر نکال دیا۔ اور اس طرح سے سلاطین کشمیر کی بادشاعت کا خاتمہ ہو گیا۔

سبحان اللہ! دو سو بتیس سال (۹۲) کی سلطانی ایک بادِ مخالف سے برباد ہو گئی ؎

گنج بقا نیست درین خاکدان ۔۔۔ مغز و فا نیست درین استخوان
ہر چہ درین مائدہ خرگہی است ۔۔۔ کاسۂ آلودہ و دست تِہی است
ہر کہ از و خور در ہانش بسوخت ۔۔۔ ہر کہ از و گفت، زبانش بسوخت (۹۳)

یادداشتیں

(۱) ڈینب کشمیری لفظ ہے جس کے معنی ہیں جزیزہ۔

(۲) کرگ یعنی گینڈا (کرگدن) جسکی پیشانی پر ایک شاخ ہوتا ہے۔

(۳) ہندوؤں کے مذہب میں چار کتابیں آسمانی کتب کی مانند ہیں: اتھرو وید، یجرو وید، سام وید اور رگ وید۔

(۴) مہابھارت ہندوستان کی تاریخ ہے جسے سنسکرت زبان میں ویاس منیشر نے لکھا ہے۔

(۵) ۹۲۰ھ۔

(۶) ابوالفضل نے آئین اکبری جلد دوم میں اس بار اُس کی حکومت کی مدت ایک سال اور ایک ماہ قرار دی ہے۔ اور ملک حیدر چاڈورہ اور پنڈت نارائن کول کی تواریخ سے اس مرتبہ اسکی حکومت کی کل مدت دو سال معلوم ہوتی ہے۔ حسن نے جو لکھا ہے وہ بظاہر اس بنیاد پر ہے کہ اُس نے فتح شاہ کے وزیر اعظم ملک موسیٰ رینہ کی حکومت کی مدت کو بھی، جس نے اپنی قوت سے فتح شاہ کو معزول کر کے تخت پر جلوس کیا، فتح شاہ کی حکومت کی مدت میں شمار کیا ہے۔ موسیٰ رینہ کی آزادانہ حکومت گیارہ سال تک تھی۔ اس لئے حسن اور ملک حیدر چاڈورہ کے درمیان فتح شاہ کی مدت حکومت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔

(۷) ملک حیدر اور نارائن کول عاجز نے یہ مدت نو ماہ لکھی ہے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری جلد دوم میں دونوں مورخین کے برعکس اُسکی حکومت کی مدت گیارہ سال گیارہ ماہ اور گیاہ روز قرار دی ہے۔

(۸) ملک حیدر اور نارائن کول کے بقول تین حصے کیئے۔

(۹) ملک فیروز اور ملک ابدال۔

(۱۰) ۹۲۵ھ۔ متن میں جو بیان ہوا ہے وہ شاید کاتب کا سہو ہے۔

(۱۱) علی ثانی میر سید علی ہمدانیؒ۔

(۱۲) ۹۲۵ھ۔

(۱۳) آدم شاہ فرزند سلطان زین العابدین متوفی ۸۸۰ھ۔

(۱۴) گریز۔

(۱۵) ۸۸۸ھ-۹۳۹ھ (۱۴۸۳ء - ۱۵۳۰ء)

(۱۶) ابوالفضل کی آئین اکبری جلد دوم کے مطابق ۳۴ سال ۸ ماہ اور دس دن۔

(۱۷) صاحب تاریخ فرشتہ نے محمد شاہ کی کل مدت حکومت پچاس سال لکھی ہے۔اس کے بعد اُس نے اُس کے بیٹے شمس الدین ابراہیم کا تاریخ جلوس لکھا ہے جو اس کے خیال میں ۹۴۱ھ (۱۵۳۴ء) ہے۔

(۱۸) نارائن کول عاجز کے بقول ''آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ مدد کی''۔

(۱۹) آئین اکبری جلد دوم ''دو ماہ تھی''۔

(۲۰) کشمیر کے اکثر مورخوں جیسے حیدر ملک چاڈورہ، ابوالفضل، نارائن کول عاجز اور تاریخ فرشتہ کا مصنف ہندوشاہ نے پانچویں بار کے ذکر کرنے سے خاموشی اختیار کی ہے۔

(۲۱) ملک حیدر کے بقول ۹۳۷ھ میں مرزا کامران اپنے بھائی ہمایوں کی اجازت سے کشمیر میں داخل ہوا۔ کامران مرزا ہمایوں کا چھوٹا بھائی تھی۔ ۹۳۷ھ میں (مطابق ۱۵۳۶ء) ہمایوں نے تخت نشین ہو کر کابل، غزنی اور پنجاب کو اُس کے حوالے کر دیا۔لیکن اس پر قانع نہ رہتے ہوئے سلطنت کو وسیع تر کرنے کے لئے مرزا کامران نے ہمیشہ ہمایوں کے خلاف جنگ لڑی۔ بالآخر تنگ آکر ہمایوں نے اس کی آنکھیں نکال کر اُسے اندھا کر دیا۔اس کے بعد کامران مکہ معظمہ چلا گیا اور وہیں پر سال ۹۶۴ھ میں (مطابق ۱۵۵۶ء) اسکی وفات ہوگئی۔

(۲۲) ملک حیدر چاڈورہ نے سال ۹۳۷ھ لکھا ہے۔

(۲۳) حیدر ملک اور نارائن کول نے یہ نام محرم بیگ لکھا ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔

(۲۴) ۹۳۸ھ۔

(۲۵) بابر بادشاہ کا دوسرا بیٹا اور ہمایوں کا بھائی تھا۔وفات ۹۶۴ھ (۱۵۵۶ء)۔

(۲۶) حیدر ملک کے بقول ستائیس ہزار گھوڑے ان کے ساتھ تھے۔

(۲۷) میرزا حیدر دوغلات تاریخ رشیدی کا مصنف جو کشمیر کے عینی واقعات پر مشتمل ہے۔

(۲۸) ابوالفضل نے پانچویں بار کو حذف کیا ہے۔

(۲۹) کتاب میں شنقار شد آیا ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ شنقار سنسہ کار کا فارسی ہوگا جو سنسکرت لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں مرجانا۔

(۳۰) مراد ہے آدم خان گکھڑ سے۔ طبقات اکبری کی روایت کے بموجب اس ملک کا اصل وارث اس کا بھتیجا کمال خان تھا، جو خرابی قسمت سے گرفتار ہوا۔جلال الدین اکبر نے اس پر رحم کر کے اسے آدم خان کے پاس یہ پیغام

دے کر بھیجا کہ وہ ملک کا نصف کمال خان کو دے اور باقی نصف اپنے لئے رکھے۔ آدم خان نے انکار کیا اور اس کے نتیجے میں اکبری فوجوں اور آدم خان کی لشکر کے درمیان ۹۷۰ھ میں جلیانوالہ کے جنوب میں جنگ ہوئی اور فتح اکبری اکابرین کی ہوئی۔ آدم خان کو قید کر دیا گیا اور وہ اسی حالت میں فوت ہوا (مشاہیر عالم جلد اول صفحہ ۲۔ الیاٹس ہسٹری آف انڈیا جلد پنجم صفحہ ۳۷۸)۔ طبقات اکبری کے مؤلف نے گکھڑوں کے ملک کی مسوالک کے پہاڑوں کی ابتدا سے کشمیر کی حدود تک نشان دہی کی ہے۔

(۳۱) خواجہ محمد اعظم نے واقعات کشمیر میں ہندوؤں کی تباہی وخرابی کی طرف مطلق کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔ اسکی عبارت ہے۔ ''اسماعیل شاہ بن محمد شاہ بعد واقعہ برادر بپادشاہی رسید و در زمان اُو باہتمام کاجی چک کو مرید شمس عراقی بود مذہب تشیع بیشتر رواج گرفت''۔

(۳۲) تاریخ رشیدی کے مصنف میرزا حیدر دوغلات نے شمس الدین عراقی (متوفی ۱۵۲۶ء) کو نوربخشی مذہب کا پیرو قرار دیا ہے۔ اس کے نزدیک اس مذکورہ مذہب کے پیرو نہ شیعہ ہیں اور نہ ہی سنی۔ اس فرقے کے پیرو خلفاء ثلاثہؓ اور عائشہؓ کے حق میں سب وشتم کے ہمراہ امیر سید محمد نوربخش کو وقت کا مہدی خیال کرتے ہیں۔ شمس الدین عراقی سال ۸۹۲ھ میں سلطان حسن شاہ کشمیری کے عہد میں خراسان کے حکمران سلطان حسین میرزا کی طرف سے سفیر کی حیثیت سے کشمیر آیا اور ۱۵۲۶ء میں سرینگر میں فوت ہوا۔ اس کی قبر محلّہ زڈی بل میں شیعوں کے خواص وعوام کا مرجع ہے۔ میرزا حیدر لکھتا ہے کہ کشمیر کے لوگ اوّلاً سب کے سب حنفی مذہب کے تھے لیکن مذکور شمس الدین کے آنے سے ان میں سے تھوڑے سے نے اپنے آبائی دین سے برگشتہ ہو کر نوربخشی مذہب قبول کیا (جیرٹس آئین اکبری جلد دوم ص ۳۵۲)۔

(۳۳) سلطان ابراہیم شاہ ثانی۔

(۳۴) معلوم نہ ہو سکا کہ اس بدقسمت بادشاہ نے سلطنت کیوں چھوڑ دی۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ تخت نشینی کے سال میں ہی معزول ہوا اور بعضوں نے کہا ہے کہ بھاگ گیا۔

(۳۵) میرزا حیدر دوغلات مصنف تاریخ رشیدی (۹۰۵ھ۔۹۵۷ھ)۔ اس کی تاریخ وفات قضای الٰہی کہی گئی ہے۔

(۳۶) ہمایوں کی فوج کو یہ شکست قنوج میں عاشورہ کے روز سال ۹۴۷ھ میں (مطابق ۱۷/ مئی ۱۵۴۰ء) محمد سلطان میرزا کی غداری کی وجہ سے ہوئی۔ اس کارزار میں ہمایوں ایک لاکھ فوج کو شیر شاہ کے مقابلے میں لایا تھا جب کہ شیر شاہ کے فوج کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ نہ تھی (تاریخ فرشتہ جلد ۲ مترجم محمد فدا علی طالب ص ۲۴۵)۔

(۳۷) بقول صاحب تاریخ رشیدی ص ۴۷۹ اور تاریخ شاہی مصنفہ احمد یادگار ص ۱۵۷۔۱۵۸ جو جماعت میرزا حیدر ہمایوں سے حاصل کی وہ چار سو آزاد اور غلام افراد کی تھی۔

(۳۸) بقول تاریخ رشیدی ص ۴۸۵ اور اکبر نامہ جلد ا مترجم بیوریج ص ۴۰۲ اور بہارستان شاہی (قلمی الف ۱۰۷) کشمیر میں میرزا حیدر کے داخل ہونے کی تاریخ ۲۱ رجب ۹۴۷ھ ہے۔

(۳۹) میرزا حیدر نے تاریخ رشیدی میں نازک شاہ کو نادر شاہ لکھا ہے۔ اس کے زمانے کے سکوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن کشمیر کے مورخوں نے بالاتفاق نازک شاہ لکھا ہے۔

(۴۰) تاریخ رشیدی ص ۴۸۵ اور اکبر نامہ جلد ا مترجم بیوریج ص ۴۰۳ میں یہ جگہ ایسے ہی درج ہے اور یہ جو بعض مورخین نے اندرکول لکھا ہے وہ غلط ہے۔ اندرکوٹ یا انترکوٹ ہندوؤں کے زمانے میں ایک قلعہ تھا جو سرینگر کے شمال مغرب کی طرف ۵/۱۵ ۳۴ کے عرض بلد اور ۵/۴۴ ۷۴ کے طول بلد میں ۱۲ میل کی دُوری پر مانسبل جھیل کے پاس واقع تھا (سٹاین۔۔ اینشنٹ جیوگرافی، پیاگراف ۱۲۲)۔

(۴۱) مصنف تاریخ رشیدی نے (ص ۴۸۵) شیر شاہ کے لئے اس پیش کش کا ذکر کرنے سے خودداری برتی ہے

(۴۲) ۹۴۸ھ۔

(۴۳) بہارستان شاہی کے مؤلف کے نزدیک ریگی چک اور کاجی چک کی باہمی موافقت کی وجہ پرتھی کی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر مرزا حیدر شمس الدین عراقی کے پیروؤں کے ساتھ حسن خلق سے پیش آتا تھا۔ یہ چیز زیگی چک کی نفرت کا باعث بن اور وہ میرزا حیدر سے وہمی ہوکر کشمیر سے نکل گیا اور کاجی چک سے مل کر فتنہ وفساد کا سبب بن گیا۔

(۴۴) کشمیر کے فارسی مورخوں نے گلمرگ کو گوری مرگ بھی کہا ہے۔ اس کا طول بلد ۵۔۳۴ اور عرض ۲۵۔۷۴ ہے۔ یہ مذکورہ جگہ پیر پنچال پہاڑ کے وسط میں کشمیر کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ بارہمولہ اور سرینگر سے اس کا فاصلہ بالترتیب ۱۳ میل اور ۲۴ر میل جنوب ومغرب کی طرف ہے۔ گلمرگ کی آب وہوا لطیف ہے اور گرما کے موسم میں دینا کے سیاحوں کے اجتماع کا مقام بن جاتا ہے۔ مختلف راہوں سے یہاں تک پہنچا جاسکتا ہے اور اس کی اُونچائی سطح سمندر سے آٹھ ہزار فٹ ہے۔

(۴۵) ۹۵۲ھ۔ صاحب بہارستان شاہی نے بھی یہی تاریخ لکھی ہے۔ یہ عبارت دیکھئے "در تاریخ ۹۵۲ھ روز بیست وسوم جمادی الآخر ملک کاجی چک در ہند وفات یافت"۔ یہ تاریخ ۱۱ ستمبر ۱۵۴۵ء کے برابر ہے۔ (بہارستان شاہی قلمی الف/۱ے/۶۶۲۔ طبقات (لک) ص ۶۱۶۔ فرشتہ (لک) ص ۳۵۵ جلد ۲)۔

(۴۶) طبقات (لک) [لک مخفف ہے لکھنو کا] ص ۶۱۷ فرشتہ (لک) جلد ۲ ص ۳۵۶۔ پکھلی کا اطلاق ہزارہ

(قدیم اُراسہ) کے سارے پہاڑی علاقے پر ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ نشیبی میدان بھی پکھلی میں شامل ہے جو کشمیر کے شمال مشرق میں کاجرگ نامی سلسلہ کوہ اور دریائے کشن گنگا کے درمیان میں واقع ہے (جیرٹس آئین اکبری جلد ۲ ر ص ۳۹۰ سٹاین اینشنٹ جیوگرانی۔ پروگراف ۸۳)۔

(۴۷) طبقات کے مصنف اور فرشتہ جلد ۲ ر (مترجمہ لک ص ۶۱۶ ر اور ۳۵۵) کی رائے حسن کے برعکس ہے۔ اُن کے خیال میں میرزا حیدر کشتواڑ میں تباہی و بربادی سے دوچار ہوا۔ کشتواڑ ایک خط ہے جو کشمیر میں مشرق کی طرف دریائے چناب پر واقع ہے۔ قدیم زمانوں میں اسے کشتہ ورا کہتے تھے (بیٹس گزیٹر ص ۲۳۷۔ اینشنٹ جیوگرافی پیرا گراف ۸۱)۔

(۴۸) اکبرنامہ جلد مترجمہ بیوریج ص ۴۰۴۔ اور توزک (RLB) جلد ۲ ر ص ۱۴۸۔

(۴۹) تاریخ اعظمی قلمی ص ۶۹۔

(۵۰) نارہ للو کشمیری لفظ ہے جو دو حروف سے مرکب ہے نار یعنی آگ اور للو یعنی بڑا برتن۔

(۵۱) بہارستان شاہی قلمی۔ الف الف ۱۱۱، B اور تاریخ اعظمی قلمی ص ۶۸۔

(۵۲) ایضاً۔ ایضاً۔

(۵۳) بہارستان شاہی۔

(۵۴) بہارستان شاہی میں اسکردو کی جگہ تبت آیا ہے۔

(۵۵) بہارستان شاہی کے مؤلف نے قاضیوں میں قاضی حبیب کا بھی نام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ''در ہشتم ذی الحج ۹۵۶ھ بہ تبت رفتہ شیخ دانیال را گرفتہ آوردہ قریب یک سال در قید و زنجیر محبوس داشت و آخر از جہت در رفع مطاعن در منع ملاعن عبدالرشید خان در قصد کشتن آنحضرت افتاد۔ و شیخ فتح اللہ پیش خود آوردہ گواہان دروغ از وے طلب نمود و آن مرد خدا نارس رشوتہا دادہ جماعتی فساق آورد۔ ایشان بر سب و رفض آنحضرت گواہ شدند و آنحضرت را در بسیت و چہارم ماہ صفر ۹۵۷ھ بہ حکم قضاۃ وقت قاضی حبیب، قاضی ابراہیم و قاظی عبدالغفور، شہید ساختند و تاریخ آن دشت کربلا یافتند ۹۵۷ھ۔

(۵۶) بہارستان شاہی کے مؤلف نے اس جگہ کو مان کوٹ لکھا ہے۔ یہ جگہ پونچھ کے صوبے میں کوٹلی اور پونچھ کے درمیان میں واقع ہے (بیٹس گزیٹر ص ۲۶۸)۔

(۵۷) محمد اعظم اور ابوالفضل کے خیال میں یہ جگہ خانپور ہے۔ اس جگہ کی نشاندہی ابوالفضل نے ہیرہ پور اور سرینگر جانے والی راہ پر کی ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ خانپور وہی گاؤں ہے جو بیروہ پرگنہ میں ایک میل کی مسافت

پر شمال مشرق کی جانب درنگ میں جو سرینگر کی طرف جاتا ہے واقع ہے (بیٹس گریٹرص ۲۳۲)۔

(۵۸) بہارستان شاہی کے مؤلف نے قتل ہونے کی صحیح تاریخ ان الفاظ میں لکھی ہے ''بقضای الٰہی در شب ہشتم ذی القعدہ ۹۵۷ھ میرزا حیدر بہ زخم کمال دوبی متقل رسید''۔ صاحب تاریخ اعظمی نے بھی اس کے قتل کی تاریخ ۹۵۷ھ لکھی ہے اور یہ جو ملک حیدر چاڈورہ اور نراین کول عاجز نے اس کی فوت ہو جانے کی تاریخ سال ۹۵۹ھ لکھا ہے غلطی اور سہو پر مبنی ہے۔

(۵۹) طبقات چھاپ لکھنوص ۶۱۸/اور فرشتہ جلد۲/چھاپ لکھنوص ۳۵۷۔

(۶۰) پنڈت نارائن کول عاجز نے اس قصاب کا نام کمال دوبی لکھا ہے۔

(۶۱) اور یہی روایت قدرے اختلاف کے ساتھ ملک حیدر چاڈورہ، خواجہ محمد اعظم، نارائن کول عاجز اور بیربل کاچرو کی ہے۔ پہلی عبارت یہ ہے: پس بہ عزم انصرام این مرام میرزا حیدر غور متوجہ تفتیش احوال اہل قطعہ گردیدہ بشی سوار شدہ واز دروازہ قلعہ باندرون رفت۔ قضارا قصابلی گاوی پاک میکرد چون دید کہ سواری از بیرون در آمد دانست کر جاسوس لشکر است۔ میرزا را پرسید کہ کیستی؟ و کیجا آمدی؟ میرزا چون زبان کشمیر خوب یاد نہ گرفتہ بمود جوابی داد کہ نہ فارسی بود و نہ کشمیری۔ قصاب تبری کہ گاو را پاک میکرد بر سر میرزا کوفت واو را بہ سر منزل فنا و بہ وادی خموشان روان کرد''۔

دوسری عبارت یہ ہے: ''میرزا اہل وعیال در اندرکوٹ گذاشتہ قصد شبخون امرای کشمیر کرد۔ بخاطر میرزا رسید کہ در شاخ بندی غنیم تن تنہا در آمد۔ قصابی پرسید کہ نام تو چسیت؟ چون زبان کشمیر فصیح نمی دانست قصاب رایقین شد کہ مغل است۔ تبر برداشت و بر سرش کوفت و بہ ہمان زخم درجہ شہادت یافت''۔

(۶۲) ۹۵۷ھ (ایضاً ص۸۱) لیکن ان دونوں کے برعکس ملک حیدر اور نارائن کول عاجز نے اُس کے قتل ہونے کا سال ۹۵۹ھ لکھا ہے۔ ملک حیدر کہتا ہے کہ ''در تاریخ نہ صد و پنجاہ و نہ از اوج تخت بر حضیض قدم نہار''۔

(۶۳) ایضاً ص۸۱۔

(۶۴) ایضاً ص۸۱۔

(۶۵) تاریخ ملک حیدر چاڈورہ (مخطوطہ) ص ۵۸ اور تاریخ کشمیر اعظمی مطبوعہ ص ۸۱۔ لیکن ان میں اتنی تفصیل درج نہیں جتنی حسن نے درج کی ہے۔

(۶۶) واقعات کشمیر ص ۸۲۔

(۶۷) مجموع التواریخ مصنفہ بیربل کاچرو قلمی ص ۲۱۴۔

(۶۸) واقعات کشمیر خواجہ اعظمی ص ۸۷ اور مجموع التواریخ قلمی ص ۲۱۴ اور تاریخ کشمیر ملک حیدر چاڈورہ

ص ۵۸۔

(۶۹) واقعات کشمیر ص ۸۷۔

(۷۰) عیدی رینہ اور حسین ماگرے کے آہستہ آہستہ چلنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں دولت چک کی ہیبت خان نیازی کا مقابلہ کرنے کی شہرت پر حسد کر رہے تھے اور خدا سے مانگ رہے تھے کہ یہ شخص ہلاک ہو جائے۔ صاحب تاریخ فرشتہ ص ۳۵۸ اور طبقات اکبری (چھاپ لکھنو ص ۶۲۰) نے مقتولین میں ہیبت خان کی بیوی اعظم ہمایوں کو بھی شمار کیا ہے۔

(۷۱) صاحب طبقات کے مطابق یہ جنگ بانہال پرگنہ میں کو بچہ لن کوٹ کے پاس ہوئی۔

(۷۲) سعید خان اور شاہباز خان دونوں ہیبت خان کی طرح نیازی افغانوں میں سے تھے۔

(۷۳) طبقات اکبری کے مؤلف کے بقول یہ نام اسلام شاہ ہے جو ان دونوں بن گاؤں میں چناب کے پاس قیام پذیر تھا۔

(۷۴) تاریخ کشمیر ملک حیدر چاڈورہ ص ۵۸ اور واقعات کشمیر ص ۸۷ اور جوامع التواریخ ص ۲۱۴۔ لیکن حیدر ملک نے خانقاہ کی چھت سے پتھر ڈالنے کی بجائے دریائے بہت (جہلم) کے اس طرف کے کنارے سے توپ سے گولی چلائے جانے کا ذکر کیا ہے۔

(۷۵) ایضاً۔

(۷۶) بقول خواجہ نظام الدین اور مورخ فرشتہ اس وقت کشمیری چار گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر ایک کا الگ رہنما تھا۔ چنانچہ صاحب طبقات کہتا ہے: ”ان ایام میں کشمیر میں چار طبقے معتبر تھے۔ اول عیدی رینہ اپنی جماعت کے ساتھ، دوسرا حسن ماگرے ولد ابدال ماگرے اپنے طایفے کے ساتھ، تیسرے کشتواری کہ بیرم خان اور دوسرے لوگ ہیں، چوتھے کامی کہ کاجی چک، دولت چک اور غازی چک ہیں“۔ کپواڑہ قصبہ بڑا قصبہ ہے جو بارہمولہ سے پچیس میل دُور ہے۔

(۷۷) صاحب طبقات کے مطابق (جلد ۲ ص ۷۵ ترجمہ برجندر ناتھ) عیدی رینہ اور دولت چک کے درمیان یہ جنگ عیدگاہ کے میدان میں ہوئی ہے۔

(۷۸) عیدی رینہ کی وفات پانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب طبقات کہتا ہے: عہدی رینہ جب گھوڑے پر سوار ہونا چاہتا تھا تو اچانک گھوڑے نے اس کے سینے پر لات ماری جس کی شدت سے اس نے جان جان آفرین کے سپرد کی۔ نیز اُسی کے بقول موسیٰ رینہ کے مزار میں دفن ہوا۔

(۷۹) صاحب طبقات کے مطابق نازک شاہ کی مدت سلطنت میرزا حیدر کی وفات کے بعد کل دو ماہ تھی۔

(۸۰) جوامع التواریخ کے مؤلف نے تخت نشینی کا سال ۹۶۰ھ لکھا ہے۔

(۸۱) طبقات کی جلد سوم میں خواجہ نظام الدین نے ابراہیم شاہ کی مدت سلطنت پانچ ماہ لکھی ہے اور اس کے برعکس ابوالفصل نے دس ماہ لکھی ہے۔

(۸۲) ان مذکورہ حالات کے تغیر کے بارے میں بہارستان شاہی کے مؤلف نے لکھا ہے: ''میرزا حیدر نے نوربخشی بلکہ ہمدانی سلسلے کے طریق راست کو یہاں کے علاقوں سے کلی طور پر معدوم کر دیا تھا۔ چنانچہ ان تمام علاقوں میں اس سلسلہ شریفہ کا کوئی اثر باقی نہیں رہ گیا تھا اور تقریباً آٹھ سال تک ان علاقوں کے لوگ اس سلسلے کا دم نہیں بھر سکتے تھے بلکہ کمال تعصب کی وجہ سے مذہب کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ ان علاقوں کے لوگوں کو منع کیا تھا کہ کوئی آدمی شیعہ مذہب کا نہ ہو جائے۔ سوائے حنفیہ مذہب کے تمام مذاہب کو منسوخ کیا۔ ملک دولت چک نے پھر سے سلسلہ ہمدانیہ کو قائم کیا اور بابا حسن کو تقویت بخشنے کی طرف متوجہ ہو کر سلسلہ ہمدانیہ کو جاری کرنے کا کامل اہتمام کیا اور اس سلسلے کے سبھی درویشوں اور صوفیوں اور ہمدانیہ رسوم وقواعد اور نوربخشیہ طریقہ کے آداب وشرائط کو پھر سے زندہ کر دیا۔

(۸۳) تاریخ اعظمی میں (ص ۸۸) کامراج کی جگہ مراج درج ہے۔

(۸۴) طبقات کے مؤلف نے ہلاک ہونے والوں کی تعداد چھ ہزار لکھی ہے جب کہ فرشتہ کے نزدیک یہ تعداد چھ سو ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسن کی روایت فرشتہ سے ماخوذ ہے۔

(۸۵) واقعات کے مؤلف نے ان دو ناموں کے ساتھ حسین خان کے نام کا بھی ذکر کیا ہے۔ نیز تاریخ کشمیر ص ۵۹۔

(۸۶) تاریخ کشمیر ص ۶۰۔ واقعات ص ۸۹۔ طبقات جلد ۳، ص ۴۳۰۔ لیکن طبقات میں پھاک کی جگہ جاک آیا ہے جو صریحاً غلط ہے۔

(۸۷) تاریخ کشمیر ملک حیدر قلمی ص ۵۹۔

(۸۸) ایضاً اور واقعات کشمیر ص ۸۶۔

(۸۹) ایضاً۔ ایضاً۔

(۹۰) ایضاً۔

(۹۱) ایضاً ایضاً۔ لیکن ان دونوں مورخوں نے پاد چھوڑنے کی ذکر کرنے سے خاموشی اختیار کی ہے۔ ملک حیدر کی تاریخ کشمیر میں اس بارے میں آیا ہے کہ '' ۹۶۲ھ میں جب دربار میں بیٹھا ہوا تھا تو احکام میں غلطی کی جس

سے اکثر اہل دربار شرمندہ ہوئے۔ غازی خان کے چھوٹے بھائی علی خان نے حبیب شاہ کے سر سے تاج اُٹھا کر غازی خان کے سر پر رکھ دیا''۔

(۹۲) خواجہ محمد اعظم کے بقول دو سو بیس اور چند سال کے بعد شاہ شمس الدین کے خاندان سے سلطنت چکوں میں منتقل ہوگئی (واقعات کشمیر ص ۸۶)۔

(۹۳) اس خاندان میں گنج بقا کا کوئی وجود نہیں۔ اس کی ہڈیوں میں مغز وفا معدوم ہے۔ اس بڑے خوان نعمت میں آلودہ برتن اور خالی ہاتھ دکھائی دیتے ہیں۔ جس نے اس سے کھایا اس کا منہ جل گیا۔ جس نے اس کی بات تک کہ اس کی زبان جل اٹھی۔

گیارہواں تخت

چک بادشاہوں کی حکومت کے بیان میں

چکوں کے طائفے کی بود و باش اور اُن کے حسب ونسب کا ذکر پچھلے اوراق کی تحریری زینت بن چکا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ چک طائفہ کے افراد نسل بہ نسل سلطان زین العابدین کے عہد تک سلاطین کی ملازمت اور اُن کی خدمت گذاری کرنے میں زندگی گذارتے تھے۔ اس کے بعد سلطان محمد شاہ اور فتح شاہ کے فساد کے نتیجے میں سلاطین کی حکومت میں فتور و بدنظمی آگئی اور چکوں کے فرقے نے اقتدار و استواری پیدا کر کے ایک عرصہ تک دایہ گی اور شیر خوارگی کا رُتبہ پایا۔ آہستہ آہستہ اپنی ذاتی جوش و حرارت اور فطری جرأت سے ملکی اُمور میں دخالت کرنے سے وزارت و امارت تک پہنچے۔ اور اس اثنا میں سلاطین کے خاندان کے ساتھ میل ملاپ اور بیٹیوں کے ازدواجی رشتوں کی راہ سے نزدیکی و شرکت کے درجے پائے۔ پھر اس کے بعد حالات میں فتور آنے اور ہمت و جرأت کے کم ہو جانے کے سبب وہ خود حکمرانی کے تخت پر قابض ہو گئے۔

چنین است رسم سرای سپنج   یکی میرود دیگر آید به گنج

(اس عاریتی مکان کی رسم ہی یہی ہے کہ ایک چلا جاتا ہے تو دوسرا گنج پر آکر بیٹھ جاتا ہے)

۱۔ غازی خان

کاجی چک کے بیٹے خازی خان نے قسمت کی یاوری اور اپنے اقبال کی حمایت سے سال ۹۶۲ھ (۱) میں تخت اجلال پر استواری پائی۔ اس نے کمال جرأت و دلیری کے ساتھ کشمیر کے پہاڑی مضافات لداخ، اسکردو، گلگت اور کشتواڑ کو فتح کر کے تمام جگہوں پر اپنے فوجی محافظ متعین کیے۔ اس کے بعد لشکر اور سپاہیوں کی جماعت کے ساتھ گکھڑوں کے ملک پر حملہ کر دیا اور کمال خان گکھڑ، جو اس قوم کا سردار تھا، کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لانے کے شرف سے مشرف کیا۔ وہاں سے پکھلی کے علاقے کی طرف اپنی ہمت کے پرچم کو لہراتے ہوئے اُس علاقے کے اطراف کو اپنے قبضۂ اقتدار میں لے آیا اور لوٹ کر اپنے ارادے کے گھوڑے کو گلگت اور دارُدو کی طرف پھر سے دوڑایا اور ان کے اطراف کے علاقوں پر قبضہ کیا (۲)۔

غازی چک سزا دینے، سفاکی، خونریزی، نظم ونسق، اعضا کو کاٹنے، آنکھیں نکال دینے، عدل وانصاف (۳) اور رعایا پروری میں ممتاز تھا۔ شیعہ مذہب کو کلی طور پر رواج دیا اور ہندو فرقے اور اہل سنت کو مذہب ترک کرنے پر مجبور کر دیا (۴)۔ تب کشمیری اُمرا نے اپنی ذاتی سیرت کی بنا پر اُسکی مخالفت ودشمنی پر کمر بستہ ہو کر فتنے اُٹھائے بلکہ غازی خان اور حسین خان کو قتل کر دینا چاہا۔ ان کے مشورے سے آگاہ ہو کر غازی خان نے ریگی چک کے بیٹوں نصرت چک اور یوسف چک کو نیز شنکر چک کو اپنے پاس بلا کر نرمی و مدارات سے

اُن سے دشمنی برتنے کی شکایت کی۔ اسی حال میں اُس کے بھائی وہاں آ پہنچے اور اُسے مجلس سے اُٹھا کر لے گئے۔ کل کو نصرت چک کے بھائیوں اور اُس کی جماعت نے شہر کے پلوں کو کاٹ کو حرب وضرب کے لئے پاؤں جما لئے۔ غازی خان اپنے لشکر کے ہمراہ کشتیوں سے دریا کو پار کر کے جنگ وقتال کے لئے آ گیا اور نصرت چک کے بھائیوں اور اُن کی جماعت کے بعض لوگوں کو قتل کر دیا۔ نصرت چک اور یوسف چک کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر اُن کو قید کر دیا اور اُن کے پسماندگان پر قہر ڈھا کر اُن کو بھگا دیا۔

کچھ عرصے کے بعد شنکر چک، بہرام چک اور فتح چک وغیرہ نے سوپور قصبہ میں جمع ہو کر بغاوت کا علم بلند کیا۔ کثیر لشکر کے ہمراہ غازی خان نے وہاں جا کر سب کو شکست دے کر قتل کر دیا۔ کو یہامہ میں بہرام چک کو گرفتار کر کے قتل کیا اور یوسف چک کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی اور اُس کے بھائی ابراہیم چک کو بھی تلوار کی کاٹ سے گذار دیا۔

اس واقعہ کے ہو جانے کے بعد عیدی رینہ کے بیٹے شمس رینہ نے چند اُمرا کے ساتھ مدد وحمایت پانے کے دہلی میں ہمایوں بادشاہ کے پاس پناہ لی۔ اسی روز چھت (۵) سے گر کر ہمایوں بادشاہ نے اس فانی دنیا کو چھوڑ دیا۔ اُمرائے کشمیر نے میرزا ابوالمعالی (۶) کو جو کاشغر کے سادات میں سے بادشاہ کا منہ بولا بیٹا تھا، فریب سے ورغلا کر اُسے ایک عظیم لشکر کے ہمراہ لے آئے اور بے خبری میں اچانک پٹن میں داخل ہو گئے اور وہاں بہت سے کشمیری بہادر اور سپاہی اُن سے مل گئے۔ غازی خان نے بڑی تیزی کے ساتھ لشکر کے ضروری اُمور انجام دے کر سید ابراہیم خان کو دلاسا و مدارات سے نرم کیا اور اُس کے بھتیجے کے لئے اپنی بیٹی کو نامزد کر کے اُس کے ساتھ اتفاق واتحاد پیدا کر لیا۔ طوق وزنجیر میں بندھے نصرت چک کو ساتھ لے کر کافی سامان وجنگی اسلحہ کے ہمراہ پورے طمطراق سے ہانجی

ویرہ (۷) کی نہر پر مقابلے کے لئے آ گیا اور پانی کو عبور کر کے فریقین میں جنگ ہوئی اور خون کی ندیاں بہا دیں اور دونوں طرف سے شجاعت و دلاوری کی داد دئے جانے کے نتیجے میں معرکہ کارزار کی گرد آسمان تک پہنچی۔ صبح سے شام تک خون آشام تلواریں مشغول انتقام تھیں۔ بظاہر غلبہ مغلوں کی طرف سے ہو رہا تھا۔ اچانک مغلوں کی فوج میں رعب و سستی چھا گئی اور وہ پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ شمسی رینہ حواس باختہ ہو کر مغلوں کو نکال دینے لگا کہ کہیں گرفتار ہو کر مارے نہ جائیں۔

اسی حالت میں غازی خان نے مغلوں کی لشکر پر حملہ کر کے اُن کے ایک ہزار سات سو آدمیوں کو شمس رینہ کے سمیت قیدی بنا لیا۔ ان کے علاوہ فریقین کے دلاوروں کے چار ہزار آدمی میدان جنگ میں قتل ہوئے (۸)۔ ابو المعالی تلوار کی زد سے بچے ہوئے افراد کے ساتھ ہندوستان کی طرف لوٹ چلا اور سفا کی سے غازی خان نے قیدی مغلوں کو تیغ اجل کی غذا بنا کر شمس رینہ (۹) کو پھانسی دی۔ وہاں سے فتح مندی کا ڈنکا بجاتے ہوئے مسند حکومت کی جانب واپسی کا پرچم لہرایا۔

دوسرے سال (۱۰) شمسی رینہ کے بھائی محمد رینہ نے حبیب چک کی مدد سے پاؤں جماتے ہوئے حرب وضرب سے غازی خان پر غلبہ کیا۔ غازی خان نے میدان جنگ میں اپنے غضبناک ہاتھی کو محمد رینہ کے جنگ کے مقابلے میں ہانک دیا اور محمد رینہ نے ہاتھی کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے ضرب لگا کر اُسے آخر پسپا کر دیا اور حبیب چک بھی ہاتھی کے سامنے آ کر مردانہ وار حملے کرنے لگا جس سے ہاتھی غضب میں آ گیا اور اس نے اپنی سونڈ حبیب چک پر ماری۔ اُس نے اپنے گھوڑے کو دریا میں ڈال کر راہ فرار اختیار کی۔ لیکن حسب تقدیر اُس کے گھوڑے کا پاؤں ایک مستول میں پھنس گیا اور اس کا اسلحہ ہاتھ سے

چھوٹ گیا۔ کمال غضب میں ہاتھی نے اس کا پیچھا کر کے سونڈ اس کی طرف بڑھائی۔ حبیب چک نے ہاتھی کی سونڈ کو اس شدت کے ساتھ اپنے دانتوں سے کاٹا کہ ہاتھی بھاگ گیا۔ لیکن چونکہ اُس کی اجل آچکی تھی ہاتھی نے لوٹ کر اپنے دانتوں سے اُس کے ٹکڑے کر لئے۔ تب غازی خان نے فتح ونصرت کا پرچم لہراتے ہوئے اپنے سپاہیوں کو انعام واکرام سے ممنون کیا اور مملکت کے ضبط ونظم کی طرف متوجہ ہوا۔ شمس رینہ کے ساتھ رشتے کا تعلق رکھنے کی تہمت میں حمید رینہ کو شہید کیا اور وہ ہانجی ویرہ گاؤں میں دفن ہے۔ اور سید کمال کو، جو پھاک علاقے میں بزرگوار سیدوں میں مشہور تھا، زہر دے کر شہید کرایا (۱۱) اور حضرت محبوب العالم قدس سّرہ کو پرگنہ بیُرو کی طرف نکال دیا اور بڑے مشاہیر اہل سنت بزرگوں کو سخت اذیتیں دیں۔

سال ۹۶۷ھ (۱۲) میں حاجی بانڈے، نجی ملک اور یوسف چک نے، جو ہندوستان میں آوارہ اور پریشان تھے، آپس میں متفق ہو کر میرزا حیدر کے بھتیجے قرا بہادر (۱۳) کو مغلوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ کشمیر کو فتح کرنے کے لئے ہمراہ لا کر راجور کے پہاڑوں میں شورش اُٹھائی۔ غازی خان اور سید ابراہیم نے بڑی تعداد کی جماعت کو ساتھ لے کر ہیرہ پورہ کے راستے سے پیش قدمی کر کے بہرام گلہ میں مقابلے کا پرچم بلند کیا۔ فتح ملک اور لوہر ملک، جو پونچھ کے پہاڑوں میں پریشان خالی میں تھے، آ کر غازی خان کے ساتھ مل گئے اور نصرت چک بھی، جو لاہور کی نواحی میں دشت بلا میں آوارہ وبدحال تھا، لوٹ کر غازی خان کی صفوں میں شریک ہوا۔ دوسرے دن غازی خان نے مغلوں پر حملہ کر دیا اور فریقین جنگ وجدل میں مشغول ہو گئے۔ دونوں طرف سے کافی لوگ تلوار کی کاٹ کے نذر ہوئے اور بالآخر مغلوں کی لشکر مغلوب ہو کر ہندوستان کی جانب

بھاگ نکلی اور غازی خان اپنے بھائیوں اور حمایتیوں کی جماعت اور فتح و نصرت کے ساتھ دارالحکومت کی طرف لوٹ آیا۔

بعض مورخوں کا قول ہے کہ خدم وحشم کے ہمراہ جب غازی خان نے ہیرہ پورہ میں قیام کیا تو اس نے ڈونب قوم (۱۴) کے طائفے کے، جو شہر اور گاؤں میں حفاظت کے لئے مقرر ہوئے ہیں، پانچ چھ ہزار آدمیوں کو جمع کیا اور ان سے وعدہ کیا کہ تم لوگوں میں سے جو کوئی مغل کا سر کاٹ کے لائے گا وہ مجھ سے ایک سر کے عوض ایک اشرفی انعام میں پائے گا۔ یہ خبر سنتے ہی ڈونب قوم کی جماعت مغلوں کی لشکر پر ٹوٹ پڑی اور حیلہ بازی و دغا سے اُن کے سر کاٹ کر غازی خان کے پاس لاتے اور ہر سر کے بدلے میں وعدہ کئے گئے انعام سے زیادہ انعام پاتے تھے۔ اس طرح سے بہت سے مغل بے سر ہو گئے اور بچے کھچے مغلوں نے فرار کو غنیمت جان کر واپسی کی راہ اختیار کی (۱۵)۔

غازی خان ہمیشہ عدل و انصاف برتنے کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھتا تھا۔ چنانچہ اُس کے انصاف برتنے کی ایک روایت ہے کہ عید کے دن غازی خان عیدگاہ میں تھا۔ اُس کے بیٹے حیدر خان کے ایک ملازم نے کسی سے چند بیریاں لوٹ لیں۔ اور ابھی وہ اسکے منہ تک بھی نہیں پہنچ پائی تھیں کہ بیریوں کے مالک نے غازی خان کے حضور میں جا کر فریاد کی۔ غازی خان نے فوراً اُس خیانت کار کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا۔ اتنی سی بات پر یہ بے مروتی دیکھ کر حیدر خان اپنے باپ سے رنجیدہ ہو گیا اور اس کی اطاعت سے منہ موڑ کر اسکی ہم نشینی بھی ترک کر دی۔ ملک محمد نے، جو اُس کا خالو تھا، اُسے اس ناپسندیدہ رویہ کو اختیار کرنے سے منع کیا اور حیدر خان نے جہالت و شرارت میں آکر اپنے غمخوار ناصح کو قتل کر دیا۔ اس فعل سے غازی خان نے غضب میں آکر عیدگاہ کے راستے میں اپنے بیٹے کو پھانسی پر

چڑھادیا (۱۶)۔

بالآخر کوڑھ کی بیماری میں گرفتار ہو کر آنکھوں کی بنیائی سے بھی محروم ہو گیا۔ نو سال اور دو ماہ (۱۷) تک حقوق سلطنت کو انجام دے کر اپنے سوتیلے بھائی حسین خان کو مسند حکمرانی دے دیا لیکن اپنے بعض مقربوں اور مصاحبوں کے بہکانے پر اس عمل پر نادم ہوا اور اُسے معزول کر دینے پر آمادہ ہوا۔ حسین خان نے بعض رؤسا اور امراء کو اپنے ساتھ متفق کر کے غازی خان کو حکومت سے دستبردار کروا کے گھر میں بٹھادیا۔

۲۔ حسین خان

حسین خان نے سال ۹۷۱ھ (۱۸) میں حکمرانی کے تخت پر فرمانداری کا پرچم بلند کیا۔ خسرو عادل (۱۹) اس کی تخت نشینی کی تاریخ ہے۔ ملک محمد ناجی (۲۰) کو وزارت کا رُتبہ دیا۔ عدل وانصاف اور نرمی کی راہ سے سب کے دل خوش کیے۔

سات دنوں میں سات طائفوں کے ساتھ بیٹھتا تھا۔ جمعہ کا دن علمای اسلام کی مصاجت ومباحث میں، سنیچر کا دن برہمنوں اور وید خوان پنڈتوں، اتوار کا دن مشائخ اور درویشوں، سوموار کا دن مفتیوں اور قاضیوں، منگل وار کا دن سیر وشکار، بدھوار کا دن سپاہیوں اور تیراندازوں اور جمعرات کا دن اہل طرب ونشاط اور ارباب رقص وسرور کے ساتھ بیٹھتا تھا اور ہر طائفہ کے لئے اس کے مرتبے کے مطابق خزانہ عامرہ سے انعام ومعیشت کی امداد مقرر تھی (۲۱)۔

حکمرانی کی مشغولیتوں کے باوجود فکر شعر میں بھی رہتا تھا۔ یہ دو شعر اس کے طبع زاد ہیں ۔

ہمایل کردہ تیغ و بستہ خنجر یار می آید   دلا رخیز کاری کن کہ جان در کار می آید

(تلوار لٹکائے ہوئے اور خنجر باندھ کر محبوب آ رہا ہے۔ اُٹھ اے دل اور ایسا کام کر کہ جان درکار آ جائے)

آن ترکِ آل پوش سوار سمند شد   یاران حذر کمیند کہ آتش بلند شد

(وہ سرخ پوش ترک گھوڑے پر سوار ہوا۔ دوستوں خبردار کہ آگ بلند ہوئی)

بعض بغاوت اندیشہ سرکشوں نے ، جن کا پیشہ ہمیشہ سے فساد و عناد تھا ، ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہو کر حسین خان پر غلبہ پانے کی تدبیر کی۔ اُن کی اس رائے سے آگاہ ہو کر اُس نے سرکشوں کو مکمل سزا دی اور غازی خان کے بیٹے احمد خان اور ابدال ماگرے کے بیٹے محمد ماگرے کو حیلے بہانے سے گرفتار کرا کے اُن کی آنکھیں نکلوا کے اندھا کر دیا۔

ان ہی ایام میں فتح خواجہ ، جس کا خطاب خان زمان تھا اور بہادر خان ، دونوں جو بادشاہ کے مقربین میں سے تھے چغلخوروں کے وہم میں ڈالے جانے کی وجہ سے محمد ناجی سے وحشت زدہ ہو گئے اور فتح چک اور شمسی دُوبی (دھوبی) (۲۲) قسمیں وعدے کر کے یک دل و یک جان ہو کر محمد ناجی کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

ایک دن جب حسین خان شکار کے لئے وُتھ نار گیا ہوا تھا۔ خان زمان اور بہادر خان فرصت کو غنیمت جان کر اپنے حمایتیوں کے ساتھ ملک ناجی کے خلاف لڑائی کرنے کے لئے اٹھے۔ ملک ناجی نے حسین خان کی حویلی میں اپنے مددگاروں کے ہمراہ داخل ہو کر دروازے بند کر دئے۔ راستہ کھول کر فتح چک اور بہادر خان حویلی میں گھس گئے اور دونوں

فریقوں کے بہادر زیرِ تیغ آ گئے۔ ملک ناجی ایک کمرے میں چھپ گیا اور دشمن کو قتل کرنے پر غالب نہ آکر خان زمان اور شمس دُوبی (دھوبی) معرکہ سے بھاگ گئے۔ سپاہیوں نے اُن کا پیچھا کر کے دونوں کو بہادر خان کے سمیت گرفتار کر کے حسین خان کے سامنے پیش کیا۔ حسین خان نے تینوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دئے اور خان زمان کی جگہ مبارز خان کو تقرب کا رُتبہ دیا۔

کچھ عرصے کے بعد مبارز خان نے حسین خان کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا اور فرصت کی تلاش میں رہا۔ اُس کی اس رائے سے واقف ہو کر حسین خان نے مبارز خان اور لوہر چک کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور نصرت چک کو جو ایک مدت سے قید میں تھا، اسی دن قید سے نکال کر اس کی آنکھوں کو بے نور کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد محمد ناجی میں کسی طرح کا قصور و فتور پا کر اُسے منصب وزارت سے معزول کر دیا اور اُس کی جگہ پر علی کوکہ کو جو سنی مذہب تھا، مقرر کر دیا۔

سال ۹۷۵ھ میں بادشاہ کا چھوٹا بھائی شنکر خان نوشہرہ کے پہاڑوں کی طرف بھاگ کر نکل گیا اور اُس علاقے کے اطراف کو قبضے میں لاکر ظلم و جفا کرنے لگا۔ اُس کے ظلم و جور سے تنگ آ کر رعایا نے حسین خان کے پاس آکر فریاد کی۔ حسین خان نے حکم دیا کہ اس بدچلن کو اس کے ملک سے نکال دیا جائے اور اگر امداد کی حاجت پڑ جائے تو لکھیں۔ یہ خبر سن کر شنکر خان نے لشکر آراستہ کی اور حسین خان سے مقابلہ کرنے کے لئے پنوچ پہنچا۔ ادھر سے علی خان چک اور ملک محمد حاجی نے اس خرگوش کی چارہ جوئی کرنے کے لئے سمندر مانند جوش زن فوجیوں کے ہمراہ پنوچ کے پہاڑوں میں آ کر جنگ کی آگ بھڑکائی اور کافی کشت و خون کے بعد شنکر خان کو شکست و فرار دے کر لوٹ آئے۔

رعایا پروری اور انصاف پسندی میں حسین خان دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں موصوف تھا لیکن مذہبی تصوف اور شیعہ مسلک اور اس کے رسوم کو جاری کرنے میں ہمیشہ ہندوؤں اور اہل سنت والجماعت کو اذیتیں دے کر اُن کے ساتھ دشمنی سے پیش آتا تھا۔ اگر چہ ظاہرداری کے لحاظ میں حنفی مذہب کے علماء کی شرعی اُمور کی خدمات کی خاطر ان کی عزت کرتا تھا لیکن اندرونی تعصب و بدی کی وجہ سے بہت سے سنی علماء و فضلاء کو قتل کیا۔

چنانچہ سال ۹۷۵ھ میں اکبر بادشاہ کی طرف سے میرزا مقیم شیعہ (۲۳) ظاہری طور پر سفیر کی حیثیت سے لیکن اندرونی طور پر اس ملک کے راستوں اور یہاں کے طور طریقوں کے تجسس کی خاطر ایک چھوٹی سی جماعت کے ہمراہ کشمیر میں آ کر کچھ عرصے کے لئے ٹھہرا۔ قاضی حبیب اللہ، جو شہر کا قاضی اور جامع مسجد کا خطیب تھا، جمعہ کی نماز پڑھ کر زیارت قبور کے لئے کوہ ماران کے دامن میں چلا گیا تھا۔ یوسف بندر نے (۲۴) جو میرزا مقیم شیعہ کی جماعت کا تھا، تعصب اور ثواب پانے کی نیت سے شمشیر نکال کر قاضی پر ماری اور اُس کے سر کو زخمی کر ڈالا۔ جب دوسرا ضرب مارا تو قاضی نے اپنے ہاتھ کو سپر بنایا جس سے اُس کی انگلیاں کٹ گئیں اور مولانا کمال (۲۵) نے جو قاضی کا داماد تھا، خود کو قاضی پر ڈال دیا۔ قاضی کو زخمی کرنے کے بعد یوسف بھاگ گیا اور علی کوکہ اور دتی کوکہ نے، جو اہل سنت تھے، یہ خبر سن کر یوسف مذکور کو قید کر دیا۔ حسین خان نے دربار عام سے مفتیوں کے نام لکھ کر تحریر لی کہ یوسف بندر کے حق میں جو کچھ بھی شرعی حکم ہو اسے جائز قرار دیں۔ علی کوکہ نے، مولانا شمس الدین الماس اور ملا بیجی گنائی ولد نونی گنائی مشہور بہ ملا فیروز کے پاس جا کر بیان کیا کہ حسین شاہ نے سزا کے طور پر یوسف بندر کو مار دینے کا حکم دیا ہے۔ آپ لوگ بھی اُس کے فرمان کے مطابق شریعت کا حکم جاری کریں۔ ان دونوں مفتیوں نے کہا کہ اگر کوئی

شخص شریعت کے حاکم یا والی اسلام کی توہین کرنے، تذلیل کرنے اور قتل کرنے کے ارادے پر اقدام کرے گا تو اگر حاکم وقت سزا دینے کے لئے اُسے قتل کرے گا شریعت میں اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس اثنا میں شہر کے عوام نے ہجوم کر کے یوسف بندر کو آنکھ جھکپنے میں قتل کر دیا۔

کچھ دنوں کے بعد حسین خان کا فرزند عزیز ابراہیم خان، جو حسن و جمال میں روشن مہ کامل، اور فن سپہ گری، تیراندازی کے نشانہ بازی اور گھوڑا دوڑ میں لاثانی تھا، چیچک کی بیماری سے مر گیا اور حسین خان اس کے فراق کے صدمے سے بے چین اور مصیبت زدہ اور پریشان خاطر ہو گیا۔ ملا زین الدین نے، جو شیعہ علماء میں سے تھا، حسین خان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ اسلام کے مفتیوں نے بیگناہ یوسف کے حق میں قتل کا حکم دیا اور اُسی کی بیگناہی کی بدشگوفی سے آپ کے جگر کا ٹکڑا جان سے گیا کہ اُس کے حق میں انصاف نہیں برتا گیا۔ حسین خان نے شہر کے مفتیوں کو دربار میں بلوانے کے بعد اکبر شاہ کے سفیر میرزا مقیم، جو شیعی مذہب تھا، کے پاس تجویز بھیجی کی یوسف بندر مطلق بے گناہ ہے اور حنفی مفتیوں نے تعصب کی بنا پر اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس بارے میں آپ میری طرف سے منصف ہیں۔ آپ دونوں فریقوں کے دلیل و دعویٰ کی تحقیق کر کے مناسب حکم جاری کریں۔

میرزا مقیم نے سنی مفتیوں سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے کس مسئلے سے یوسف بندر کو مارنے کا حکم دیا۔ مفتیوں نے شرعی دلیل پیش کی کہ اسلام کے قاضی کی اہانت و توہین کرنا شرع اور صاحب شرع کی اہانت کا موجب ہے اور جو اس عمل کا مرتکب ہو گا وہ ہر قوم و ملت میں مستوجب قتل اور سزا و اعتاب ہے۔ نیز شرع میں آیا ہے کہ اگر پادشاہ اسلام چھوٹی سزا کی جگہ تنبیہ و عتاب کے لئے بڑی سزا جاری کرے تو جائز ہے۔ ہم نے شرع کی اطاعت اور

صاحب امر کے امر کی فرمان برداری میں حکم صادر کیا۔ علاوہ اس کے علی کوکہ اور دتی کوکہ نے ہمارے پاس آکر اظہار کیا کہ حسین خان نے یوسف بندر کو قتل کرنے کی سزا دی ہے، آپ بھی اسے قتل کرنے کا حکم لکھ دیجئے۔ ہم نے اُسے قتل نہیں کیا بلکہ بادشاہ کے حکم نے اُسے قتل کیا۔ حسین خان نے قسم کھائی کہ میرا اُسے قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ یہ قضیہ میں نے قاضیوں اور علماء کے حوالے اس لئے کیا کہ اُسے کوئی قتل نہ کر سکے۔

حسین خان نے جب یہ کہا تو مفتی خاموش رہے۔ یوسف بندر کے وارثوں نے دعویٰ پیش کیا کہ یوسف بندر مسجد کے باہر شمشیر بازی کر رہا تھا کہ غلطی سے قاضی کے ہاتھ کو اس کی شمشیر لگی اور اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ اسی بات پر فرضی گواہ پیش ہوئے۔ میرزا مقیم نے رائے دی کہ مفتیوں نے تعصب کی بنا پر اس کے حق میں قتل کا حکم دیا ہے۔ وہ مطلق بیگناہ ہے۔ حسین خان نے یوسف بندر کے وارثوں کو حکم دیا کہ وہ دونوں مفتیوں کو یوسف بندر کے قصاص میں قتل کر ڈالیں۔ اس روز کشمیر کے تمام لوگ جھیل ڈل کی سیر کرنے گئے تھے اور شہر خالی تھا۔ حسین خان نے فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے ان دونوں بزرگوار مفتیوں کو شہید کر ڈالا (۲۶)۔ تاریخ یہ ہے۔

از پی تاریخ آن در دین وحید   گفت شد از بہر دین ملا شہید (۲۷)

ان دونوں بزرگواروں کی شہادت کے بعد میرزا مقیم نے واپس جانے میں جلدی کی۔ حسین خان نے شاہی فرامین کو قبول کر کے اطاعت کا طوق گردن میں ڈال دیا اور اکبر شاہ کے نکاح میں اپنی بیٹی کو بے شمار تحائف و نفائس کے ساتھ میرزا مقیم کے ہمراہ روانہ کر دیا اور اپنی طرف سے وکیل کے طور پر میرزا یعقوب کو اُن کے ساتھ بھیج دیا۔

اُن کے چلے جانے کے بعد خواجہ حاجی گانی نے، جو شہر کے اکابرین میں سے تھا،

شیخ عبدالغنی اور ملا عبداللہ اور اہل سنت کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر اکبر بادشاہ کے دربار میں مولوی الماس اور ملا فیروز کی شہادت کا مقدمہ دائر کر دیا۔ اس سانحہ کے واقعات سن کر اکبر بادشاہ نے میرزا مقیم اور میر چشتی کو قتل کر دیا اور حسین شاہ کے تمام تحائف ونفالیس کو ردّ کیا۔ اس کے بعد حسین خان نے اپنے کردار واعمال سے بیزار ہو کر رعایا کو ملحوظ خاطر رکھا اور علماء ومشائخ اور فاضل لوگوں کی دلجوئی کرنے سے اپنے گزشتہ افعال کا تدارک کرنے کی کوشش کی۔ آخری عمر میں فالج کے مرض میں مبتلا ہو کر زندگی سے محروم ہو گیا۔

اس کیفیت کے دوران محمد ناجی، علی کوکہ اور دتی کوکہ وغیرہ نے چند آدمیوں کو شریک بنا کر مشورہ کیا کہ علی خان اور سید مبارک بیہقی کو زنجیروں میں بند کر کے قید کر دیا جائے اور حسین خان کے بیٹے کو سلطنت کے تخت پر قائم مقام بنا کر خود مملکت کے اُمور کو اپنے اختیار میں لے کر حکومت کریں۔ علی خان نے اس خبر سے گھبرا کر سید ابراہیم خان کے بیٹے سید مبارک خان، غازی خان کے بیٹے ابراہیم خان، اور لولی ملک (۲۸) وغیرہ کے ساتھ عہد و پیمان استوار کر کے شکار کے بہانے قصبہ سوپور پر چڑھائی کی۔ علی کوکہ نے اپنے دو تین معتمدوں کو علی خان کو بلانے کے لئے بھیجا کہ اُسے دغا وفریب سے گرفتار کرے۔ لیکن علی خان نے اس کے مکر وفریب کے دام سے خود کو بچاتے ہوئے اپنی جماعت کو سنبھالنے کے اقدامات کیئے۔ یہاں تک کہ وہ تمام اُمرا لوٹ کر اُس کے ساتھ مل گئے جو آوارگی کی حالت میں اطراف میں پریشان تھا۔ اِبہ خان اور لولی ملک وغیرہ بھی شہر سے بھاگ کر اُس سے مل گئے۔

جب لشکر اکٹھی ہو گئی تو علی خان سوپور سے اُٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہوا اور ہانجی ویرہ کے مقام پر مقابلے کا علم بلند کیا۔ نجی ملک اور علی کوکہ نے اپنی پوری جماعت کے ساتھ اُن پر

شبخون مارا اور طرفین کے بہت سے آدمی قتل اور زخمی ہوئے۔ نجی ملک اور علی کوکہ نے وہاں سے اٹھ کر زینہ کوٹ میں قیام کر کے آپس میں صلاح کی کہ علی خان کے بغیر کوئی اور سلطنت کے لائق ہے ہی نہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے اُس کے سر پر حکومت کا تاج رکھ کر سرافرازی پائیں۔ اُسی وقت بادشاہی تاج اور قابل افتخار خلعت بابا خلیل کے ہاتھ علی خان کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد علی خان کے حضور میں بیش بہا خلعتوں سے سربلندی پا کر کمال شان وشوکت کے ساتھ شہر میں آکر علی خان کو بادشاہی تخت پر بٹھادیا۔

سات سال حکمرانی میں گذارنے کے بعد حسین خان نے زینہ پور میں یاد خدا میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اس کے ایک سال اور چند ماہ کے بعد دنیا سے چل بسا (۲۹)۔

۳۔ علی خان

حسین خان کا بھائی علی خان سال ۹۷۸ھ (۳۰) میں قسمت کی یاوری سے تخت سلطنت پر بیٹھا اور رعایا کی بہبودی اور فضلا کی تکریم اور علما کی عزت اور مشائخ کی تعظیم اور درویشوں کی توقیر کرنے کی طرف متوجہ رہا۔ جامع مسجد میں علماء اور عام لوگوں کے حضور میں ظلم وستم، بدعت و مذہبی تعصب اور لہو ولعب اور خلاف شرع اُمور سے توبہ کر کے اپنی حکمرانی کے ایام میں بندگان خدا کو عدل واحسان سے فراخی وآسودگی بخشی اور سفاکی، بے رحمی، آنکھیں نکال دینے اور اعضاء بدن کے کاٹنے کو، جو ماضی کے بادشاہوں کی عادت تھی، ترک کیا۔ حضرت سلطان العارفینؒ (۳۱) اور شیخ ہردی بابا ریشیؒ (۳۲) کی خدمت میں

فیض حاصل کرنے کے لئے جاتا تھا اور جان و دل سے اُن کی خدمات بجالاتا تھا۔ چنانچہ قصیدہ لامیہ میں شیخ بابا داوود خاکیؒ اسکی توصیف میں لکھتے ہیں

والیِ دوران علی شاہ دوستدار صالحان | پُورِ اُوشہزادہ یوسف شاہ باجاہ و جلال

ہر دو ایشان صحبت این پیر را دریافتند | ہر دو کردندی دُعای خیر خود از وے سوال

او دُعا گفتی وایشان رامبارک آمدی | ہم درین اشفاق ایشان کرد اینجا ارتحال

(وقت کا بادشاہ، صالح حضرات کو عزیز رکھنے والا علی شاہ اور اُس کا صاحب جاہ و جلال بیٹا شہزادہ یوسف شاہ یہ دونوں ہمارے مرشد کی خدمت میں آتے رہتے تھے اور دونوں آپ سے دعای خیر کرنے کی درخواست کرتے تھے۔ وہ دُعا فرماتے جو اُن کے لئے مبارک ہوتی۔ یہ شفقت ان پر تادم رحلت قائم رہی)

سید مبارک بیہقی (۳۳) کو جو زمانے کا یگانہ فرد اور بے مثال دانشمند تھا، وزارت کے رُتبہ پر ممتاز بنادیا اور ملک کے رؤسا کو منصب اور جاگیر دے کر ہر کسی کے ساتھ اُلفت و یگانگت سے پیش آیا۔ دشمنوں سے دلجوئی و مدارات کر کے انہیں اپنے الطاف و عنایات کا ممنون بنادیا۔

کشمیر کے سلاطین کی نسل (۳۴) سے نازک شاہ کے بیٹوں حاجی حیدر خان اور سلیم خان نے کشمیری امراء کی ایک جماعت کے ساتھ متفق ہو کر ایک عظیم لشکر آراستہ کر کے کشمیر کی تسخیر کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ خبر سن کر علی خان نے اپنے بھیتجے لوہر خان اور حبیب چک کے بیٹے محمد چک کو پانچ ہزار فوجیوں کی جماعت کے ہمراہ ان کو رفع دفع کرنے کے لئے بھیج دیا۔ مکر و فریب سے کام لے کر محمد چک نے لوہر خان کو باندھ کر حاجی حیدر خان اور سلیم خان کے سامنے پیش کر کے اپنی اطاعت و فرمان برداری کا اظہار کیا اور اُن کو نوشہرہ سے اُٹھا کر

کشمیر لے آیا اور سنگ پورہ میں پہنچا کر وہاں سلیم خان کو فوجیوں کی کثیر تعداد سمیت قتل کر ڈالا۔ حاجی حیدر خان فرار کی راہ پا کر ہندوستان کی طرف بھاگ نکلا۔

اسی حال میں کشتواڑ کے راجا بہادر سنگھ نے اطاعت کی راہ کو چھوڑ کر سرکشی کا پرچم لہرایا۔ علی خان اس کی چارہ جوئی کے لئے ایک بھاری لشکر مقرر کی اور بہادر سنگھ نے خود میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا کر اپنی بہن شنکر دیو (۳۵) کو بادشاہ کے پوتے یعقوب خان کے لئے نامزد کر کے سالانہ باج وخراج اپنے اُوپر لازم کرنے کی راہ سے صلح کر لی۔

دوسرے سال پھر غرور و گھمنڈ سے کام لے کر فتنہ و فساد برپا کیا۔ ادھر سے اسماعیل گنائی اور حیدر چک کو اس کی سرکوبی کرنے کا حکم دیا گیا۔ بہادر سنگھ نے پھر سے عاجزی اور انکساری سے پیش آ کر اپنے جرائم کو معاف کرنے کے لئے اپنی بیٹی فتح خاتون (۳۶) کو اپنے بیٹے نراین سنگھ کے ہمراہ بھیج دیا اور بدستور باج وخراج اور زعفران اور نر و مادہ باز شکاری پرندے بھیجنے کی پابندی کو اپنے اُوپر لازم کیا۔ علی خان نے اسکی تقصیرات کو معاف کر دیا اور نراین سنگھ کو نوازش والطاف کے ساتھ واپس جانے کی اجازت دی۔

اسی سال قاضی صدر الدین اور مولانا عشقی، اکبر شاہ کے سفیروں کی حیثیت سے علی خان کے پاس آئے اور اس سے شاہزادہ سلطان سلیم کے لئے اُسکی بھتیجی کی خواستگاری کی۔ علی خان نے تواضع وانکساری کے طور پر اکبر شاہ کے نام کا خطبہ وسکہ منظور کر کے اپنی بھتیجی کو عجائب تحائف ونفائس کے ساتھ سفیروں کے ہمراہ بھیج دیا (۳۷)۔

اس کے بعد نوروز چک کے بیٹے علی چک نے اپنے طائفہ کے امراء کے ساتھ علی خان کی مخالفت میں کمربستہ ہو کر بغاوت کا علم لہرایا (۳۸)۔ اسکے ارادے سے باخبر ہو کر علی خان نے فوراً اسے گرفتار کر کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ بالآخر سید مبارک خان کی سفارش پر

جان کی امان پا کر اُسے ملک سے نکال دیا۔ وہ لاہور جا کر حسن قلی خان (۳۹) کے پاس گیا اور اُس سے مدد کی درخواست کی۔ حسن قلی خان نے اُس کے دماغ میں فساد اور اُس کی عقل میں خلل وفتور دیکھ کر انکار کیا اور وہاں سے بھاگ کر محمد کوٹ کے پہاڑوں میں گھس جانے کے بعد شورش اُٹھائی۔ علی خان کی فوج نے وہاں جا کر علی چک کو گرفتار کر کے لایا اور کچھ عرصہ بعد مبارک خان کی سفارش پر اُسے پھر رہا کر دیا گیا۔

غازی خان کے بیٹے ایبہ خان (۴۰) کے دماغ میں بھی پادشاہی کا خیال تھا۔ ایک دن یوسف خان کے ساتھ بڑے بے شرمی اور بدسلوکی سے پیش آ کر اُس کے سر سے دستار کو نیچے گرا دیا۔ یوسف خان کے ملازمین نے تلواروں کے ضرب مار مار کر اُسے قتل کر ڈالا۔ یوسف خان اُس کے قتل ہونے کے بعد باپ سے ڈر کر اپنے خیل وخدم کے ہمراہ سوپور کی طرف نکل گیا۔ علی خان کا بھائی ابدال خان جوش میں آ کر ایک جماعت کے ساتھ متفق ہوا اور یوسف خان کے خلاف جنگ وجدل پر اُتر آیا۔ علی خان نے بھی اپنے فرزند ناہنجار کے کردار سے بیزار ہو کر ابدال خان کو اپنی لشکر کے ساتھ یوسف خان کے قتل کر دینے پر مامور کیا۔ جب ہانجی ویرہ میں پڑاؤ ڈالا سید مبارک خان نے ابدال چک کو سمجھایا کہ اُنہوں نے اپنی وفاداری کی تکمیل کی اب تو ایبہ خان کو دم عیسیٰ بھی زندہ نہیں کرسکتا۔ اب اُس کے بیٹوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا چاہئے اور یوسف خان کو قتل کر دینے سے سوای فساد وعناد کے حاصل ہی کیا ہوگا۔ یہ بات سن کر ابدال خان شہر لوٹ آیا اور سید مبارک (۴۱) کی تحریک پر یوسف خان نے واپس آ کر بساط بوسی کی عزت پائی۔

اور اسی سال ۹۸۴ھ (۴۲) میں سنبلہ کے مہینے میں جب کہ فصل ابھی پختہ نہیں ہوئی تھی، ایک ہفتہ تک برف وباران بڑی شدت کے ساتھ برستا رہا جس سے پیداوار سر بسر

ضائع ہوگئی اور غلے کا قحط اٹھا۔ قحط کی آگ تین سال بھڑکتی رہی اور علی خان نے مال ونقدی کی سخاوت وبخشش کے بازو پھیلا کر سارے خزانے اور دفینے خالی کر دئے۔ قحط کے تیسرے سال میں قحط زدگان کو امراء اور اراکین سلطنت کے سپرد کر دیا۔ قحط کے آخر میں، جب کہ سختی و تنگی حد کمال تک پہنچ چکی تھی، علی خان امداد ومعاونت چاہنے کے لئے اولیاء اللہ کے مقبروں کی طرف سوار ہوکر جا رہا تھا کہ راستے میں زیتو چک مجذوب، جو خلاف عادات اُمور میں مشہور تھا، سے محتاجی کی وجہ سے پوچھا کہ: اے اللہ کے مستانے! یہ بلا کب تک رہیگی؟ مستانے نے فرمایا: ''جب تک تمہاری زندگی باقی ہے۔'' یہ بات سن کر علی خان کمال دل آزردگی کے ساتھ لوٹ کے اپنے گھر چلا گیا۔ ربیعہ کی فصل جب پک گئی تو قحط میں کمی آگئی۔ چنانچہ اس کی داستان پہلے حصے (۴۳) میں ہم کہہ چکے۔

اپنی زندگی میں علی خان اکثر صبح سویرے چوگان باری اور تیراندازی کے لئے عید گاہ میں جایا کرتا تھا لیکن ان تین برسوں میں ایسا وہ نہ کر پایا اور قحط کے مصیبت زدگان کی طرف متوجہ رہا۔ قحط کی سختی جب تھوڑی کم ہوئی تو علی خان عیدگاہ میں ماضی کی ہوس کی تکرار میں چوگان بازی کر رہا تھا اور گیند کو مارنے کے لئے خم ہوا کہ اس کی انتڑی کٹ گئی اور گھوڑے سے گر پڑا اور زندگی کی چوگان ہاتھ سے چھوٹ کر بڑی تیزی کے ساتھ گھر کی طرف دوڑ پڑا کہ راستے ہی میں فوت ہوا اور اُس کے بھائی ابدال خان نے پہلے ہی گھر جا کر اپنے مددگاروں اور جنگجوؤں کی ایک فوج ترتیب دے کر بڑی دلاوری کے ساتھ مقابلہ کرنے کے خیال سے نوہٹہ کے علاقے میں یوسف خان کے خلاف بغاوت کا پرچم لہرایا۔

یوسف خان جب ابدال خان کی مخالفت ودشمنی سے آگاہ ہوا تو علی خان کی نعش کو جامع مسجد میں چھوڑ کر اپنے باپ کے مشیروں، جنگجوؤں اور سید مبارک کے فرزندوں اور

اپنے حمایتیوں کی جماعت کے ساتھ اسلحہ وسامان جنگ سے آراستہ ہوکر قصر شاہی کی طرف دوڑ پڑا۔

ان حالات کے دوران سید مبارک خان کی صلاح پر ابدال خان کا سسر محمد چک، اور بابا خلیل چند اور امراء کے ساتھ ابدال خان کے پاس گئے اور پندونصائح سے سمجھا کر اُسے جنگ وجدال سے باز رہنے کی تلقین کی۔ لیکن اُن کی نصیحت کا پانی اس کے پتھر سے دل میں نہیں اُترا (۴۴)۔ سید مبارک خان کی غیرت وغضب کی آگ بھڑک اٹھی اور تخت سلطنت پر یوسف خان کو بٹھا کر سلام وتعظیم کی اور آداب کی بجا آوری کے بعد جنگی زرہ بکترہ پہن لیا اور بھاری لشکر فراہم کر کے محلّہ نوہٹہ میں جنگ وقتال سے شورمحشر برپا کیا اور بڑے دلاوروں کے سر خاک وخون میں ملادئے۔

سید مبارک خان کے فرزندوں سید جلال الدین اور سید ابوالمعالی نے بڑی دلیری کے ساتھ کارہای رستمانہ کر کے خنجر کے ضرب سے نصرت چک اور شمس چک کے سرکاٹ دئے۔ ملا محمد امین نے فوراً دُور سے یہ تاریخ آواز دے کر کہی۔

اوّلاً شاہ برسر صف زد (۴۵)

ابدال خان کے جنگجو شیروں کی جنگ سے تنگ آگئے اور اُن کی بہادری کے پنجے کند پڑگئے۔ ابدال خان نے اپنے جنگجوؤں کی گھبراہٹ دیکھ کر غضبناک شیر کی طرح سید مبارک خان پر حملہ کر کے اُس کے پہلو میں ایک چھوٹا نیزہ ماردیا، جس کا ضرب سید مبارک نے اپنے ہاتھ پر لے کر نقصان جان سے امان پائی۔

اسی اثنا میں ابوالمعالی کے ہاتھ سے ابدال خان کے سر پر تیر آکے لگا اور وہ زمین پر آگرا۔ سید حسین خان نے اُس کے جسم سے سر کو الگ کر کے اُسے موت کے کنوئیں میں دھکیل

دیااور ابدال خان کے بیٹے حبیب خان نے باپ کے قتل ہو جانے کے بعد عرصہ کارزار سے منہ موڑ کر فرار کی راہ اختیار کی۔ سید جلال اس کے تعاقب میں دوڑ پڑا اور اس کے ساتھ جنگ کی۔ حبیب خان نے تیز تلوار سے جلال خان کا پہلو پھاڑ کر اُسے جان سے مار ڈالا۔

درین باغ سروی نیاید بلند　　　که بادِ اجل بخیش از بُن زکند

(کوئی سرو اس باغ میں قد بلند نہیں کرتا کہ اجل کی ہوا جسے بیخ سے نہ گرادے)

ابھی یوسف خان میدان جنگ میں نہیں پہنچا تھا کہ سید مبارک خان عرصہ کارزار سے فتح یاب و کامران ہو کر لوٹا اور یوسف خان کو راستے ہی میں مبارک و تہنیت دی۔ قاضی موسیٰ نے ابدال خان کی لاش کو اُٹھا کر علی خان سے پہلے ہی اپنے آبا کے مزار میں دفن کر دیا اور یوسف خان نے کل دوسرے دن اپنے باپ کی تجہیز و تکفین کی۔

علی خان نے کل نو سال تک حکومت کی۔

۳۔ یوسف خان

علی خان کے بیٹے یوسف خان نے سال ۹۸۷ھ (۴۶) میں بادشاہت کا تاج سر پر رکھ کر حکمرانی سنبھالی۔ جوانی کے خیالات اور شہوانی اُمور کی کثرت سے سلطنت کے نظم و ضبط اور ملکی اُمور کی طرف دھیان نہ دے پایا بلکہ رات دن عیش و عشرت و کامرانی اور لذات نفسانی، اور بزم نشاط و محفل انبساط میں نغمہ و نائے و نوش اور گانے والیوں اور قوالوں کی صحبت میں بسر کرتا تھا۔ طبیعت موزون پائی تھی۔ فارسی، کشمیری اور ہندی شعر فی البدیہہ کہتا تھا۔

اس کے یہ شعر طبع زاد ہیں ؎

لیلیٰ جمازہ رابر مجنون بخود نہ راند　　زورِ کمند جذبہ معجز نمای اوست

(مجنون کی طرف لیلیٰ نے اُونٹنی خود نہیں دوڑائی۔ یہ اُس کے معجز نما جذبے کی کمند کا زور تھا)

دل پُر دردمن جانان بسان غنچہ پر خون است

چہ بلی رحمی نہ پرسیدی کہ احوال دلت چون است

(میرے محبوب! کلی کی طرح میرا درد بھرا دل پُر خون ہے۔ کس قدر بے رحم ہو پوچھا تک نہیں تیرے دل کا حال کیا ہے)

حبہ خاتون (۴۷) اسکی دلربا محبوبہ کا نام تھا جو حسن و جمال، خوش آوازی اور ناز وادا میں لاثانی تھی اور مقام عراق میں گا کر سننے والوں کو بیہوش کر دیتی تھی۔

کہتے ہیں کہ وہ گل رخسار وُھو پرگنہ کے چندر ہار گاؤں (۴۸) کے ایک کسان (۴۹) کی بیٹی تھی۔ پہلے ایک مفلس آدمی کے نکاح میں آ کر زندگی گذارتی تھی۔ اُس کے بُرے چلن کی وجہ سے اس سے جھگڑا ہوا اور نکاح کا انجام طلاق پر ہوا۔ ایک روز راستے میں اچانک یوسف خان کی نظر اس پر پڑ گئی اور اس کی زبان سے غائبانہ کشمیری شعر جنہیں آہنگ عراق میں گاتی تھی سن کر اُس کے ہوش وحواس اڑ گئے اور اسکی خوشبودار زلفوں کے دام کا اسیر ہو گیا۔ دوسرے دن اس کے ماں باپ کو بے انتہا عنایات سے سرافراز کر کے اس ناز وادا اور روی دلنواز والی گڑیا کو اپنی ہمبستری سے ممتاز کر دیا۔ اس کے بعد اُس دل افراز محبوبہ کی صحبت والفت میں رات دن مرغزاروں اور گلزاروں کے خوش کن مقامات اور دلکش مناظر میں گذارتا تھا۔ خاص کر گلمرگ اور سونہ مرگ کے مرغزاروں اور اہرہ بل اور اچھہ بل وغیرہ مقامات میں دادِ عیش دیتا تھا۔ چنانچہ عیش یوسف شاہی عام لوگوں کی زبان پر

مشہور ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک سادہ دل آدمی کو حبہ خاتون کی نرم ونازک آواز اور اس کے چہرہ ونشین سے خلل دماغ پیدا ہوا اور وہ عاشق وشیدا ہو کر کوہ وصحرا میں گھومنے لگا۔ اسی اضطراب وتغیر میں رہ کر آخر اُس نے اپنی رفیق بیوی کو اس درد دل سے واقف کر دیا اور اُس محبت سے معمور خاتون نے اس امر کی تدبیر کرتے ہوئے حبہ خاتون کے ہاں آنا جانا اپنا معمول بنالیا۔

ایک روز اُس نے اپنے شوہر کی کیفیت وحقیقت اس کے پاس بیان کی۔ رحم و انصاف کی بنا پر حبہ خاتون نے اسے رائے دی کہ اس مجنون شیفتہ کو کل ہماری محل سرا میں لے آؤ۔ اس عورت نے اپنے شوہر کو معشوقہ کے خلوت خانے میں پہنچا دیا۔ حبہ خاتون دلنوازی و ناز وادا کے انداز میں اس کے سامنے آئی اور ربط وتوجہ کے دروازے کھول کر کہا کہ: ''رحم و انصاف سے کام لیتے ہوئے میں آج رات تمہارے ساتھ موافقت کروں گی، اس شرط پر کہ خلوت سرا میں ایک بھی چراغ روشن نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ نہ تم کوئی بات کرو گے اور نہ ہی میں''۔ یہ بشارت سن کر اس کے قالب میں نئی روح اُتر آئی اور اس نے دونوں باتیں مان لیں۔ رات کو اس عاشق بیدل کی بیوی کو شبستان میں لاکر عطر وگلاب سے اُس کے بدن کو معطر کیا اور اپنے گران بہا لباس سے آراستہ کر کے منع کیا کہ خبردار اپنے شوہر سے مطلق کوئی بات نہ کرنا۔ جب وہ عورت خوابگاہ میں داخل ہوئی تو اس عاشق شیدا نے بدیع الجمال معشوقہ کے خیال وصل میں عیش ونشاط کے ساتھ رات کو صبح کر کے دل کی ہوس پوری کر لی۔ صبح کو محبوبہ عشوہ ساز نے دروازہ کھول کر خوش ادائی اور دلنوازی کے ساتھ اسے رخصت کر کے حسن تدبیر سے اس کے غم واندوہ خاطر کو دُور کر دیا (۵۰)۔

غرض لہو ولعب اور کامرانیوں کے ہوس کی وجہ سے ملک رانی کے ربط وضبط اور حکمرانی کے اُمور یوسف خان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئے اور اُس نے خود کو ذلت وخواری کے درجے تک پہنچا دیا۔ سید مبارک خان، جو اس کی مدد وحمایت کا دم بھرتا تھا، اس کی صحبت و ہم نشینی سے الگ ہو کر خانہ نشین ہو گیا۔ اُس کی جگہ محمد بٹ کو اپنا وزیر ومشیر بنا کر امراء کی بھی کوئی مدارات نہیں کی۔ رات دن عورتوں، قوالوں اور رقاصوں کی صحبت میں مشغول رہا اور اس طرح سے اعیان ملک میں رعب وہیبت اور رعایت وغیرت نہ رہی اور وہ اس کی تباہی کی تدبیریں کرنے لگے (۵۱)۔

ان میں ابدال بٹ نے، جسے وزارت ملنے کا خیال تھا اور نہ مل پائی، فوراً نوروز چک کے بیٹے علی چک، اور لوہر خان اور شمس چک کپواڑہ اور فتی ملک کے بیٹے علی ملک کے ساتھ متحد ہو کر عہد وپیمان کرنے کے بعد سال ۹۸۸ھ (۵۲) کے ۱۶ ربیع الثانی کو نصف شب کے وقت شہر کے پلوں کو کاٹ کر مخالفت کا پرچم بلند کیا۔ پہلے سید مبارک خان کے گھر گئے اور عاجزی وانکساری کے ساتھ اُس کا دامن پکڑ کر اس سے حمایت طلب کی۔ سید مذکور نے اس فساد کا قصوروار خود کو ٹھہرا کر ان کی موافقت کرنے سے انکار کیا بلکہ اپنی طرف سے بابا خلیل کو وکیل بنا کر یوسف خان کے پاس بھیج دیا کہ اس جماعت کے ساتھ صلح ومدارات سے میل جول پیدا کرے ورنہ سلطنت وحکومت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ غرور ونخوت کی وجہ سے یوسف خان مصالحت پر راضی نہ ہوا اور اس نے سید مبارک خان کے جواب میں پیغام بھیجا کہ: ''اگر آج ہی میرے مخالفین کو باندھ کر میرے حضور میں پیش کرو گے تو میرے دوستوں میں سے ہو ورنہ تمہارا خون خود تمہاری گردن پر ہے''۔ یہ پیغام سن کر سید مبارک خان جام حسرت پی کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ گیا اور یوسف خان نے کل دوسرے دن اپنی فوج

کے ساتھ زالڈگر میں پائے استقامت جمالئے اور اپنے نامور بہادروں کی ایک جماعت کے توسط سے نواکدل کو ٹھیک کرا کے مبارک خان سے جنگ کے لئے عید گاہ کی جگہ مقرر کی (۵۳)۔

مبارک خان جب جان چکا کہ صلح وصفا کی تدبیریں اُلٹ پلٹ ہوگئیں تو ناچار شجاعت کے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں استوار رہا اور کافی وصحت مند نصیحتیں کیں لیکن جنگجوؤں نے اُس کی نصیحتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور اپنی خون آشام تلواروں کو میان سے کھینچ کر حرب وضرب میں مشغول ہوگئے۔ سید مبارک خان نے اپنے دست وبازو کھولتے ہوئے کوہ پیکر دلاوروں کے دوٹکڑے کر کے کتنے ہی بہادروں کے سر خاک وخون میں ملادئے۔ چنانچہ محمد خان، میر قاسم، علی ملک، ابراہیم گنائی اور شیر خان ماگرے وغیرہ جیسے بہت سے نامی دلاور سید مبارک خان کے جنگجو سپاہیوں کے ہاتھ موت کے کنوئیں میں لڑھک گئے اور تلوار کی زد سے بچے ہوئے باقی سخت مصیبت وافسوس کے ساتھ عرصہ کارزار سے بھاگ کر زالڈگر میں یوسف خان سے مل گئے اور بعض امن وامان مانگ کر مبارک خان کی فوج میں آگئے۔ اس واقعہ سے نقصان زدہ اور زیاں کار ہو کر یوسف خان نے اپنے مشیروں اور تدبیر کاروں کو سخت ملامت وفضیحت کی۔

اور ملاحسن اسود کو، جو علی خان کا معلم واتالیق تھا، سابق تقصیرات کی عذر خواہی اور صلح ومصالحت کے لئے سید مبارک خان کے پاس بھیج دیا۔ سید موصوف نے صاف جواب دیا کہ: ''اس حادثہ کے واقع ہونے سے پہلے میں نے مصالحت کی کس قدر تاکید اور اصرار کیا تھا لیکن غرور کی وجہ سے وہ نہ مانے۔ اب اتنے دبدبہ والے نہنگ جنگ میں ضائع ہوئے۔ میدان جنگ کی گرد نے آسمان کو چھولیا اور اب مروّت ومحبت کا پانی آنکھوں میں کہاں رہا۔

فائدہ اسی میں ہے کہ فی الحال یوسف خان کچھ عرصہ پہاڑوں اور مرغزاروں میں گذارے جب تک بغض وعناد کی آگ بجھ جائے۔ پھر چند مہینوں کے بعد انشاء اللہ ان کو بلوا کر بادشاہت کے تخت پر بٹھا دیں گے۔"

محروم و مایوس ہو کر ملا حسن نے یوسف خان کے پاس پہنچ کر حقیقت حال بیان کی۔ حسرت و نا اُمیدی میں یوسف خان نے اپنی مال و دولت اور اپنا سامان و اسباب نجی ملک کے توسط سے علی چک کے گھر میں رکھ کر ۱۳ ر صفر کو بادشاہی تاج بابا خلیل کے ہاتھ سید مبارک خان کے پاس بھیج دیا اور خود اپنے اجداد کے پہاڑوں میں، جو اسکی خاطر خواہ جگہ تھی، جا کر قیام پذیر ہوا (۵۴)۔ کچھ دنوں کے لئے اس ملک کی حکمرانی کا علم زمین پر پڑا تھا اور کوئی بھی اس کا کفیل نہ بنا۔ آخر علی ملک اور لوہر چک وغیرہ جیسے اعیان شہر نے از حد اصرار اور منتیں کر کے چار و نا چار اس کام کا بردبار بنا دیا اور خوشی کے نقارے بجائے۔

یوسف خان کی حکومت کی کل مدت ایک سال دو ماہ تھی (۵۵)۔

۴۔ سید مبارک خان بیہقی

سید مبارک خان بیہقی نے سال ۹۸۸ھ (۵۶) میں حکمرانی کے تخت پر بیٹھ کر بادشاہت کا تاج سر پر رکھا۔ ایک ساعت کے بعد جلوت سے خلوت میں آ کر بادشاہی تاج کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہا: "اے میرے نفس شوم! حقیقت میں یہ شاہانہ تاج ایک قابل مذمت چیز ہے۔ مطلق اس کے دھوکے میں نہ آنا۔ کل تمہارا سر

ذلالت کی مٹی میں مل جائے گا۔ چند دنوں کے لئے یہ تاج تمہارے لئے وبال ہے ؎

دولت گیتی کہ تمنا کند باکہ وفا کرد کہ باما کند (۵۷)

یہ کہہ کر بادشاہی تخت پر بیٹھ گیا اور ملکی اُمور کے ربط وضبط کی طرف متوجہ ہوا۔ بادشاہی تاج کو، جو اگلے سلاطین کے زمانے سے موتیوں، ہیرے، جواہرات اور یاقوتوں سے جڑا ہوا تھا، توڑ کر اسے فقراء ومساکین میں بانٹ دیا اور خود سادہ وحقیر لباس میں حکمرانی کرنے لگا۔ ظلم و زبردستی کے بعض بدعتوں کو، جو چکوں کے عہد میں رائج تھے، برطرف کر دیا۔

چھ مہینوں کے بعد امرای کشمیر سید مبارک خان سے برگشتہ ہو کر یوسف خان سے مل گئے۔ پہاڑوں کے لوگوں کو اپنے ساتھ متحد کر کے یوسف خان نے امرای کشمیر کی حمایت سے ۹۸۸ھ میں ۲ر شعبان کو برتل کی پہاڑیوں میں مخالفت کا پرچم بلند کیا۔ ادھر سے سید مبارک خان نے اپنی فوج ولشکر کے ساتھ اُن کے مقابلے میں نکل کر سند کے مقام پر قیام کیا۔

چونکہ حکمرانی کی ہوس سید مبارک خان کی طبیعت کو مرغوب نہ تھی اس لئے اُس نے داؤد میر کو قاصد بنا کر یوسف خان کے پاس یہ تحریر لکھ کر اور ساتھ دے کر بھیجا۔

دستاویز:

شہا! فقرو فنا از ما ، و ملک وعزو جاہ از تو
کہ دنیا راوفائی نیست خواہ از ماہ خواہ از تو (۵۸)

(دنیا ناپائیدار ہے اور دنیا کے دن بے وفا! اگر ایک دوسرے کا دیدار ہو جائے وہی جانبین میں صلاح و بہبودی کا موجب ہوگا)

داؤد میر نے جب یہ مسرت انجام پیغام یوسف خان کے پاس پہنچا دیا تو جنگ کے مقابلے میں مصالحت کو افضل جانتے ہوئے تو اس نے اپنے فرزندوں یعقوب خان اور ابراہیم خان کو داؤد میر اور ملا حسن اسود کے ساتھ سید مبارک خان کے پاس بھیج دیا بلکہ خود بھی ملاقات کرنے کے لئے مستعد ہوا۔ لیکن اسی دوران ابدال بٹ نے یوسف خان اور اُس کے مشیروں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی کہ خبردار! سید مبارک خان کی باتوں پر فریفتہ نہ ہو جائیں اور اس کے فریب سے محتاط رہیں کہ کہیں راز فاش نہ ہو جائے۔ ہمارا مقصد دو ایک زور میں مکمل ہو جائے گا۔ ہم کیوں خود کو ذلیل کریں۔

یوسف خان اور اس کے مشیروں اور تدبیر کاروں نے بھی اس بات کی تصدیق کی اور داؤد میر کو یہ جواب لکھ کر دیا۔

خط کا مضمون۔

کہ خان راندانیم ازین گفتگو	چہ باشد غرض باشہ صلح جو
بہ ما از ضرورت صفامی کند	نہ از مہر بل از دغامی کند
بہ بیند اگر سیف مارا بہ خواب	شود زہرہ اش آب از اضطراب

(معلوم نہیں خان کا بادشاہ صلح جو کے ساتھ گفتگو کا مقصد کیا ہے۔ یا تو وہ ہمارے ساتھ مجبور ہو کر صلح کی بات کر رہا ہے یا کسی محبت سے نہیں بلکہ دغا بازی کے خیال سے کر رہا ہے۔ اگر خواب میں بھی اُسے ہماری تلوار نظر آئے تو خوف سے اس کا جگر پگھل جائے گا)

داؤد میر نے جب اُن کے قول و فعل کی سختی سے سید مبارک خان کو آگاہ کیا تو اس کو سن کر اس کی فطری غیرت کی آگ مشتعل ہوئی اور خسروانہ دبدبہ کے ساتھ حملہ آور ہو کر مخالفین کے خلاف جنگ کی اور اُن کی فوج کے سرداروں گدا بیگ ترکمان اور تمر خان افغان کو

میدان کارزار میں قتل کر دیا اور شنگی میر چاڈورہ کو چند دلاوروں کے سمیت گرفتار کیا اور نجی رینہ کے گھروں کو، جو برتل گاؤں میں آباد تھے، جلا ڈالا۔ یوسف شاہ برتل کے ٹیلے کے پیچھے چند آدمیوں کے ساتھ حیران و پریشان ہو گیا۔

سید نامدار کے جنگجو سپاہی جب اُس پر حملہ کرنے کے لئے بڑھے تو سید مبارک خان نے اُن کی راہ روک کر ایسا کرنے سے باز رکھا اور خود فتح یاب و کامران ہو کر تخت کی زینت بڑھائی۔ نوروز چک کے بیٹے علی چک نے شکار کے بہانے سے چند روز اُن اطراف میں گذار کر یوسف شاہ کو تسلی دی اور اسکی دلدہی کر کے اسے شہر میں لے آیا اور اس ضمن میں یوسف شاہ کے ابدال بٹ کے ساتھ موافقت کے روابط بھی درست کر لئے۔

اس دوران سید مبارک خان کی طبیعت علیل ہو چکی تھی۔ ابدال بٹ نے عیادت کرتے ہوئے جناب سید کو تحریک دی کہ "علی چک پہلے کی طرح حیلہ سازی اور فتنہ انگیزی کر رہا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ چند دنوں کے لئے اسے قید کر دیا جائے تا کہ فتنہ و فساد مضبوط نہ ہونے پائے"۔ سید مبارک خان نے اُس کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے علی چک کو قید رکھا اور اُس کے مددگاروں شمس دُوبی اور دولت چک نے ڈر کر سید حسین کے پاس جا کر پناہ لی۔ شمس چک اور علم شیر خان وغیرہ نے سید ابو المعالی کا دامن پکڑ لیا۔ ابدال بٹ نے اپنی خباثت و جفا کاری سے لوہر چک اور چک فرقے کے سرداروں کو بھڑکایا کہ سید مبارک خان نے آپ لوگوں کے خاندان پر ہاتھ ڈالا ہے اور اب وہ عنقریب ہی سب کو تتر بتر کر دے گا۔ اس سے اُن کے دلوں پر رعب و ہراس چھا گیا اور انہوں نے یوسف خان کو پیغام بھجوا کر اس کے ساتھ موافقت کے روابط درست کر لئے۔ اس وقت سید مبارک خان بدن کی کمزوری سے بستر پر دراز تھا۔ چکوں کے طائفے نے ابدال بٹ کے ساتھ متفق و متحد ہو کر بغاوت کا علم

بلند کردیا۔

یہ حال دیکھ کر سید مبارک خان نے جسم کی کمزوری کے باوجود اس جماعت کا مقابلہ کرنے کے لئے عیدگاہ میں پڑاؤ ڈال دیا اور محمد بٹ کے ہاتھ ابدال بٹ کو پیغام بھیج دیا کہ کل زالڈگر کے میدان میں اپنے دلاوروں اور جنگجو سپاہوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آ جائے۔ خدای احکم الحاکمین جس کسی کو فتح و نصرت بخشے گا وہی تخت حکومت پر بیٹھے گا۔ ابدال بٹ نے اپنی خباثت کی وجہ سے میدان جنگ میں آنے کی جرأت نہ کی اور یوسف خان کو خبردار کیا کہ وہ شہر میں آنے کے لئے جلدی نہ کرے۔ اور ادھر سے سید مبارک خان کے پاس بابا خلیل کو قاصد کی حیثیت سے بھیجا کہ آپ کے مشیروں نے علی چک کو قید میں رکھا ہے جس کی وجہ سے چک فرقے کے جنگجو خوفزدہ ہیں اور شہر کے پلوں کو محفوظ رکھا ہے اور مطلق جنگ نہیں چاہتے ہیں۔ بہتر یہی ہے علی خان کو قید سے نکال کر آپ بذات خود خانقاہ بابا خلیل میں تشریف لے آئیں کہ وہاں پر آپس میں عہد و پیمان کر کے یوسف خان کو پہاڑوں سے بلوا کر تخت حکومت پر بٹھا دیں گے اور ہر کسی کی اسکے حسب حیثیت قدر و منزلت کی جائے گی۔ الصلح خیر کے مطابق سید مبارک نے علی چک کو قید سے نکال کر اُسی کے ہمراہ خانقاہ بابا خلیل کا رُخ کیا اور اور اپنی طرف سے ابدال بٹ نے حیدر چک کو اُمراء کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں پر بھیج دیا۔ اُس نے علی چک کو اپنے گھر میں رہنے کے لئے بھیجا اور سید موصوف کو تعظیم واحترام کے ساتھ کشتی میں سوار کر کے پھر اپنے گھر پہنچا دیا۔ تب ابدال بٹ نے اُسی وقت علی چک کو اُس کے بیٹوں سمیت پابہ زنجیر کر کے قید کر دیا اور بڑی تیزی کے ساتھ اپنے بیٹے کو یوسف خان کے پاس روانہ کر دیا کہ فی الحال آپ کا آنا نقصان وزیاں کا باعث ہوگا، آپ اپنی جگہ پر ٹھہریں۔ یوسف خان پٹن پہنچ چکا تھا۔ وہ وہاں سے

اپنے مقام پر لوٹ کے چلا گیا اور چند دنوں میں سامان سفر مہیا کر کے سید مبارک خان کے بھتیجوں کے ساتھ دار الخلافہ آگرہ جا کر اکبر بادشاہ کی بساط بوسی کے شرف سے مشرف ہوا۔

اس کے بعد ابدال بٹ نے شنکر خان کے بیٹے لوہر خان کو ۱۵/ شعبان کے دن تخت سلطنت پر بٹھا دیا اور سید مبارک خان کو چھ ماہ (۵۹) اور دو دن کی حکومت کے بعد معزول کر دیا۔

۵۔ لوہر خان

حسین خان کا بھتیجا لوہر خان سال ۹۸۸ھ (۶۰) میں ابدال بٹ کے مشورے سے تخت سلطنت پر بیٹھا اور ابدال بٹ کو وزارت کا منصب دے کر اُمور مملکت کی طرف متوجہ ہوا۔ رعایا پر عدل وانصاف کی نوازشیں کیں اور نوشیروان کا نام زمانے کے صفحات سے مٹا دیا۔ اس کی نیک نیتی اور صاف ضمیری کی وجہ سے غلوں کی کثرت اور کھیتوں کی آبادی اس حد تک پہنچی کہ لوگ شالی کی ایک خروار کا سودا مس کے ایک فلوس کے عوض، جس کا وزن اکیس ماشے تھا، ہر جگہ خرید وفروخت کی صورت میں کرتے تھے اور پانچ پاؤ وزنی بڑی ایک روٹی، جسے کشمیر کے لوگ لوہر منڈ کہتے تھے، بازار میں ایک پشیز کی قیمت میں بکتی تھی (۶۱)۔

یوسف خان جب اکبر بادشاہ کی آستان بوسی کے شرف سے کامیاب ہوا تو شاہانہ توجہ اُس کے شامل حال رہا اور دو کنیزیں انعام میں پائیں اور گیارہ مہینوں تک شاہی خیمہ لشکر میں عطیات خسروانہ کا حامل رہا۔ ہر چند مدد وحمایت کی التجا کرتا رہا لیکن اکبر بادشاہ مصلحت وقت کے پیش نظر کسی اور وقت پر ملتوی کر دیتا تھا۔ آخر کار اکبر بادشاہ نے راجہ مان سنگھ (۶۲)

اور یوسف میرزا (۶۳) کو ایک کثیر لشکر ساتھ دے کر کشمیر کو فتح کرنے کے لئے یوسف خان کے ہمراہ بھیج دیا۔

پادشاہی لشکر جب دارالخلافہ لاہور میں پہنچا تو یوسف خان اپنے بیٹوں سے ملنے اور کشمیر کے سرداروں کا حال جاننے کے لئے پہلے ہی بہلول پور جا پہنچا۔ یہ خبر سن کر ابدال بٹ اور کشمیری امراء کی ایک جماعت نے اپنے صاحب اعتماد افراد کے ہاتھ یوسف خان کے نام نرمی و مدارات سے معمور معذرت نامے ارسال کیئے۔ اس مضمون کے ساتھ کہ: ''اگر اکبر بادشاہ نے کشمیر کو فتح کر لیا تو اس وقت آپ کا اعتبار اور اقتدار اپنے صحیح راستے پر مطلق نہیں رھے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اس بلا کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت نہ دیں اور آپ خود بذات والا بغیر کسی خوف و ہراس کے اپنے ملک میں آ کر قابض ہو جائیں اور ہم نیاز مندوں کو، جو آپ کے خاک بردار ہیں، اپنے اطاعت گذار جانیں''۔ یوسف خان نے ان کے جھوٹے وعدوں اور باطل عہد و پیمان پر اعتماد کرتے ہوئے محمد بٹ وزیر اور بعض کشمیری امراء کے ساتھ، جو پنجاب میں خراب حال اور آوارہ تھے، متحد ہو کر چار ہزار سپاہی جمع کر کے اور لاہور کے تاجروں سے ایک کثیر رقم قرض (۶۴) لے کر مان سنگھ سے اجازت لئے بغیر کشمیر کا رُخ کیا۔

جب یوسف کان کے فرار ہو کر چلے جانے کی خبر اکبر بادشاہ کے کانوں میں پہنچی تو اس کا حال غیر ہو گیا اور اس کے دل میں سخت نفرت پیدا ہو گئی اور راجہ مان سنگھ اور میرزا یوسف پر سخت اعتراض کیئے۔ یوسف خان کی فوج جب راجور کے پہاڑوں میں داخل ہوئی تو اپنے عہد و پیمان سے منہ موڑ کر ابدال بٹ نے سامان جنگ فراہم کر لیا اور لوہر خان نے خود ہیرہ پور میں آ کر پڑاؤ ڈال دیا اور حسین خان کے بیٹے یوسف خان اور ایبہ خان کے بیٹے

حسین خان کو دلاور جنگجوؤں کی ایک جماعت ساتھ دے کر یوسف خان کا مقابلہ کرنے کے لئے مقرر کیا۔ نوشہرہ کے مقام پر فریقین کے درمیان سامنا ہوا اور بغیر کسی جنگ کے یہ جماعت یوسف خان کے ساتھ مل گئی (۶۵)۔ میر حسین چاڈورہ اور شمس ڈوبی جو اپنی جماعت کے ساتھ بہرام گلہ میں حفاظت اور راستہ کو بند کرنے پر مقرر تھے، یوسف خان کی بساط بوسی سے مشرف ہوئے۔ سید مبارک خان نے ابدال بٹ کے دام فریب سے نکل کر اور لوہر چک کی طرف داری کرنے سے باز رہتے ہوئے یوسف خان کے ساتھ روابط و مکتوبات کے دروازے کھول دئے۔ اپنے جنگجو سپاہیوں کی ایک جماعت کو یوسف خان نے بہرام گلہ میں لوہر چک کا مقابلہ کرنے کے لئے مقرر کر کے خود لشکر سادتمند کے ہمراہ بارہ مولہ کی راہ سے سوپور میں اقبال کے خیمے گاڑ دئے اور کامراج کے علاقے تک کی حدود پر قبضہ کیا۔ سامان جنگ کو فراہم کرنے کے بعد ابدال بٹ نے سوپور کا رُخ کیا اور علی چک کو قید سے نکال کے اپنے ساتھ لے گیا۔

یہ خبر سن کر لوہر چک حملہ آور ہو کر ابدال بٹ کی فوج میں آ کر مل گیا۔ تقریباً بارہ ہزار سوار اور پانچ ہزار پیدال سپاہی جمع ہو کر سوپور کے دریا کے جنوبی ساحل پر آ کے ڈٹ گئے۔ چند روز تک تیر و تفنگ اور جنگ و ناجنگ میں گذارے کیونکہ درمیان میں پانی کے طویل ہونے سے شیروں کی سی جنگ نہ کر پائے۔ حیدر چک کی سرداری میں ابدال بٹ نے ایک ہزار سواروں کو، جو کامل طور پر مسلح تھے، کو یہامہ کی راہ سے یوسف خان کے خلاف جنگ کے لئے بھیج دیا۔ دوسرے روز ابدال بٹ کے بھائی علی بٹ نے مکاری اور فریب کے ساتھ بابا خلیل کے ہاتھ یوسف خان کو خط لکھ کر بھیجا کہ میں علی خان کا پروردہ اور خاک بردار ہوں۔ میں آپ کے دشمنوں کی باتوں کو چھپا نہیں سکتا۔ کشمیری امراء جو آپ کی لشکر میں مل چکے ہیں

لوہر خان کے ساتھ اپنا رابطہ قائم کر چکے ہیں۔کل لوہر خان کی فوج کے ساتھ ملنے والے ہیں اور آپ کے خلاف لڑائی چھیڑ دیں گے اور حیدر چک دو ہزار سواروں کے ساتھ بوسنگری پہنچ کران پر شبخون مارے گا۔خبردار! خبردار! آپ راتوں رات پنوچ کی راہ سے عزم کی باگ موڑ کر اپنی نجات پائیں۔

بگفتم بہ تو جملہ اسرار تو　　　ازین پس تو دانی ہمہ کار تو

(سب راز میں آپ سے کہہ چکا۔اب آپ جانیں اور آپ کا کام)

ابدال بٹ کے بھائی کا خوف و دھمکیوں سے بھرا خط جب یوسف خان نے پڑھا تو اپنے ذہن رسا سے ابدال بٹ کے نام یہ منظوم جواب بھیج دیا۔

منظوم خط

چہ می گوئی اے گرگ ابدال رنگ　　　بتر سانی از آب دریا نہنگ ؟
غضنفر بصد فر بر آور دسر　　　خدر کن زرو باہ بازی گذر
تو بودی کشا ورز آبای من　　　کشا وزر را کی سزد جای من ؟
بہ شمشیر و خنجر ترانیست کار　　　کشاورز را با دلیری چہ کار
نژ ادہ منم دیگران زیردست　　　بہ پور علی شاہ کہ آرد شکست ؟
تواز مکر خود سید پادشاہ　　　در انداختی ھمچور رستم بہ چاہ
زکہدان خود سر برافر اختی　　　بمیدان مردان فرس تاختی
پی حرب بن لشکر آراستی　　　شبیخون کنان سوی من خاستی
بدان تا بہم برزنی جای من　　　ستانی زمن ملک آبای من
تو گر ہو شیاری نہ من بیخودم　　　ہمان ہو شیارم ہمان بخردم

من آنگہ عنان باز پیچم براہ کہ یا سر دہم یا ستانم کلاہ

ترا آنچہ بایست گفتم تمام تو دانی دگر بعد ازین ، والسلام

(اے رنگ بدلنے والے بھیڑیئے! تو نہنگ کو دریا کے پانے سے ڈرا رہا ہے؟ شیر نراب بصد شان و تجمل اپنا سر اُٹھا چکا۔ خبردار رہو اور گیدڑ بازی کو چھوڑ دو۔ تم تو میرے اجداد کے ایک کسان تھے۔ کیا کسان کو میری جگہ لینی زیب دیتا ہے۔ تجھے تلوار خنجر سے کیا کام؟ ایک کسان کو مردانگی سے کیا کام؟ برتر نسل کا بادشاہ میں ہوں اور باقی دوسرے میرے ماتحت ہیں۔ کیا علی شاہ کے بیٹے کو کوئی شکست دے سکتا ہے؟ تم نے بادشاہ سید کو بھی اپنی فریب کاری سے رستم کی طرح کنوئیں میں دھکیل دیا۔ کتے کی خوابگاہ سے سر کو اُٹھا کر مردوں کے میدان کی طرف گھوڑا دوڑا رہے ہو اور میرے خلاف جنگ کرنے کے لئے لشکر ترتیب دے کر مجھ پر شبخون مارنے کے لئے اٹھے ہو کہ میری جگہ کو درہم برہم کر کے مجھ سے میرے آباء کا ملک چھین لو گے۔ تو اگر ہوشیار ہے تو میں بھی کوئی کاہل نہیں۔ میں بھی وہی ہوشیار ہوں اور وہی باشعور ہوں۔ میں موراہ سے تب ہی اپنی باگ موڑوں گا جب یا تاج چھین کر رہوں گا یا اپنی جان کو قربان کر دوں گا۔ جو میں نے تم سے کہنا تھا کہہ دیا اب اس کے بعد تم جانو، والسلام)

ابدال بٹ نے یہ پیغام سننے کے بعد بابا خلیل کو شہر لوٹ جانے کی اجازت دی اور خود لشکر کو آراستہ کرنے اور سامان جنگ کو مہیا کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ کل دوسرے دن یوسف خان نے پاس آخر میں مشعلیں جلا کے دلنہ گاؤں کے پاس جہاں پر پانی پاؤں کے برابر کم تھا دریا کو پار کر کے شہر کا رُخ کیا۔ ابدال بٹ نے راستہ روک لیا اور فریقین میں جنگ ہوئی۔ دست و باز و کو کھول کو یوسف خان نے تلوار کی ایک ہی ضرب سے ابدال بٹ کو موت

کی قبر میں سلادیا۔ تاریخ ؎

ناگہان شیر دریدہ یک دمند

(اچانک شیر نے ایک گیدڑ کو پھاڑ ڈالا)

اس کے بعد یوسف خان نے دلاوروں کے ایک گروہ، جن میں مثلاً یوسف چک، ایبہ چک، حسین چک، دولت چک، میر حسین، عالم شیر ماگرے اور سید یوسف خان بیہقی وغیرہ تھے، کے ہمراہ معرکہ حرب میں شجاعت و پُردلی کی داد دیتے ہوئے مخالفوں کی فوج کو ایک آن میں درہم برہم کر دیا اور لوہر خان نے حکومت کا چتر میدان کارزار میں پھینک کر فرار کا راستہ اختیار کیا۔ حبیب چک کو، جسے ابدال بٹ نے قید کر لیا تھا، میدان جنگ میں پابہ زنجیر پایا گیا۔ زنجیر کاٹ کر اسے رہا کر دیا گیا۔

اب یوسف خان نے شجاعت و دلیری کے ساتھ فتح و نصرت کا علم لہرا کر تیزی کے ساتھ شہر کا رُخ کیا اور شہر کے تمام لوگ چھوٹے بڑے اور ادنیٰ و اعلیٰ برتھنہ گاؤں تک پیشوائی کے لئے آئے اور تہنیت و مبارکبادی کا شور و غوغا برپا کیا۔ یوسف خان نے ہر کسی کو اپنی عنایتوں میں شامل کر کے ہر بلند و پست کی تسلی و دلجوئی کی۔ ملا محمد امین مستغنی (٦٦) نے اس سے پہلے دیوان حافظ (٦٧) سے فال نکالی تھی کہ ؎

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعان غم مخور (٦٨)

لوہر خان کی حکومت کی مدت ایک سال (٦٩) اور ایک ماہ تھی۔

٦۔ یوسف خان (دوسری بار)

قسمت کی یاوری سے یوسف خان نے ۹۸۹ھ (۷۰) میں تخت نشینی کی اور محمد بٹ کو وزارت کا رُتبہ دیا۔ سوپور کے معرکہ کارزار سے بھاگ کر لوہر خان شہر میں چھپ گیا تھا۔ یوسف خان نے اُس کے گروہ کو سزا دینے سے چند دنوں تک چشم پوشی کی لیکن بالآخر محمد بٹ کی صوابدید سے اُس کے گروہ کو حاضر کئے جانے کا حکم جاری کیا۔ لوہر خان، قاضی موسیٰ کے گھر کے تہہ خانے میں چھپا تھا اور اس کی خبر قاضی موسیٰ کی ماں کے سوا کسی اور کو نہ تھی۔ خواجہ ملک ناظر نے اُسے وہاں سے نکال کر حاضر کیا۔ اسی طرح سے محمد چک، حسی چک (۷۱) اور بچہ گنائی وغیرہ شہر و دیہات کے سرداروں کو اُن کی کمین گاہوں سے نکال کر دربار عالی میں حاضر کر دیا گیا۔

یوسف خان نے اُن پر چار گناہ ثابت کئے۔ ایک یہ کہ قدیم نمک خوارگی کے باوجود تم نے مجھ سے بیوفائی کی۔ دوسرا یہ کہ سید مبارک خان کے ساتھ دغا کیا۔ تیسرا یہ کہ اپنی مہر و دستخط کے ساتھ عہد و پیمان کے خط و دستاویز بھیج کر ان پر عمل نہ کیا اور چوتھا یہ کہ آج میرے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کیا۔

اس کے بعد اس دھوکہ دہی کی پاداش میں لوہر خان، محمد چک، حسی چک، بچہ گنائی، فتح خان اور حسین خان کو کہ کے ہاتھ کاٹ دئے گئے۔ یوسف لُنڈ، علی چک اور ابدال بٹ کے بھائی علی بٹ سے جرمانہ لے کر انہیں زنجیروں میں کس دیا گیا۔ شمس چک کپواڑہ دارُ دو

کی طرف بھاگ گیا تھا۔لوہر قورچی نے اس کا تعاقب کر کے پکھلی میں پہنچا دیا جہاں قلعہ فیروزہ میں قلعہ بند رہا۔لیکن قلعہ والوں نے پکڑ کر اسے لوہر قورچی کے حوالے کر دیا۔یوسف خان نے اسکی آنکھوں میں سلائی پھروا کر اُسے اندھا کر دیا۔حیدر چک تبت کی جانب فرار کر چکا تھا۔وہاں سے وہ ہندوستان گیا اور لاہور میں راجہ مان سنگھ کی ملازمت میں سر بلندی پائی (۷۲)۔

غرض یوسف خان نے ملک کے چمن کو دشمنوں کے خس و خاشک اور خارزار سے پاک کرنے کے بعد عدل وانصاف برتنے کی طرف توجہ کی اور مال و دولت کی نقدی کو بخشنے کے لئے جود وسخا کے باز و کھول دئے۔ بدعتوں کو، جو پہلے رائج تھیں، مٹانے کے لئے بے حد کوشش کر کے دُور کر دیا۔اولیاء اللہ کے مزارات اور مشائخ و بزرگوں کی صحبت سے فیض پاتا رہا۔حضرت بابا ہردی ریشیؒ کی خدمت میں ننگے پاؤں جاتا تھا۔

اکثر اوقات کو سیر وگردش اور سماع وسُرود اور نوای چنگ وساز وعود کی محفلوں میں بسر کیا کرتا تھا۔موسیقی کا بہت شوق رکھتا تھا اور اس شعر کی اکثر تکرار کیا کرتا تھا۔

بعیش کوش کہ تا چشم می زنی برہم
خزان ہمی رسد و نوبہار می گذرد

سید مبارک خان کے گھر کے راستے کو احترام کے ساتھ طے کر کے اُن کی ملاقات سے ابدی سعادت حاصل کی اور سلطنت کی بنیادوں کو محکم تر بنانے کے لئے اُن کے فرزندوں کے ساتھ عہد و پیمان مضبوط کئے اور اپنی ذاتی بیٹی کو اُن کے فرزند سے نکاح کے لئے نامزد کیا۔

کچھ عرصہ بعد بعض امراء نے فساد وفتنہ کی بنیاد لوگوں کے دلوں میں ڈال کر شورش

اُٹھانے کی تیاری کی۔ یوسف خان نے آگاہی پا کر یوسف چک، عالم شیر خان ماگرے، سید یوسف اور محمد ملک کو زنجیر میں ڈال کر قید کر دیا۔

وحشت و ہراس سے ابدال چک کا بیٹا حبیب چک بھاگ کر لاہور چلا گیا اور وہاں حیدر چک کے ساتھ مل گیا۔ اس کے بعد نجی چک کے بیٹے شمس چک نے کامراج جا کر شورش اٹھائی۔ یوسف خان نے اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ علی چک کا بیٹا یوسف چک زندان سے بھاگ کر لاہور میں حیدر چک سے جاملا۔ وہاں سے حیدر چک، حبیب چک اور یوسف چک نے تبت کلان جا کر وہاں کے راجہ سے پانچ ہزار فوجی سواروں کی مدد حاصل کی اور لار پرگنہ میں یوسف خان سے جنگ کرنے کے لئے پرچم لہرایا۔ یوسف خان نے اُن کے مقابلے میں لار میں ایک لشکر جرار بھیج دیا اور شریر لوگوں کا وہ گروہ جنگ کئے بغیر فرار کر گیا اور حیدر چک کشتواڑ کی طرف بھاگ نکلا۔ حبیب چک سوپور میں اور یوسف چک برنگ پرگنہ میں گوشہ نشینی میں چھپ گئے۔ ان دونوں شیاطین کو یوسف خان نے گرفتار کر کے آنکھیں نکلوا کر روشنی سے محروم کر دیا۔

وزیر محمد بٹ کسی معمولی بات پر یوسف خان سے برگشتہ ہوا اور حسین خان کے بیٹے یوسف خان سے متحد ہو کر یوسف خان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ یوسف خان نے آگاہی پا کر ان کی چارہ جوئی کا اقدام کیا۔ یہ دونوں شیطان خوف جان سے اُوڑی کے پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔ سید مبارک خان کے بیٹے ان کے تعاقب میں گئے اور جنگ کی۔ مخالفوں نے جنگ میں جرأت سے کام لے کر محمد بٹ کے بھائی حسی بٹ کو زخمی کیا لیکن آخر مغلوب ہو کر پہاڑ کی کھوہ میں چھپ گئے۔ کافی کوششیں اور جھڑپیں کر چکنے کے بعد ان شیریروں کی ایک بڑی جماعت کشتواڑ کی طرف بھاگ کر حیدر چک کے ساتھ مل گئی اور محمد بٹ وزیر

بہادروں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر رسوائی کے ساتھ پا بہ زنجیر شاہی قید میں بند ہوا۔

اسی اثنا میں جہالت و نالائقی سے یعقوب خان اپنے باپ کا باغی ہو کر ابدال خان کے بیٹے ایبہ خان کی ہمراہی میں کشتواڑ جا کر حیدر چک سے جا ملا لیکن ملا احسن اسود اُس کے پیچھے جا کر ملائمت و مدارات سے اُسے واپس لے آیا۔ ایبہ چک نے وہیں قیام کیا۔ شمس چک بھی قید سے بھاگ کر حیدر چک سے مل گیا۔

حیدر چک نے جماعت اکٹھی ہو جانے کی جسارت سے بانہال کے پہاڑوں کے درّوں میں بغاوت کا علم لہرایا۔ ادھر سے ایک بڑے گروہ کے ساتھ یوسف خان نے حملہ آور ہو کر جنگ کی پیش قدمی کی۔ حیدر چک، ایبہ چک اور شمس چک نے معرکہ کارزار میں اُتر کر علی شیر بٹ اور نجی رینہ کو، جو یوسف خان کے دلاوروں کے سردار تھے، تلوار کی کاٹ سے گذار دیا اور اُن کے پیکار سے یوسف خان کے جنگجو سپاہیوں کی ایک کثیر جماعت قتل اور زخمی ہو گئی اور یوسف خان کے جنگجو سپاہی ہمت کے پروں کو سمیٹتے ہوئے پہاڑوں کے دروں میں گھس گئے۔ لیکن اسی دوران سید مبارک خان کے بیٹوں نے ہمت و شجاعت کے پاؤں جما کر دس بیس آدمیوں کے ساتھ مخالفوں کی لشکر کو بھگا کر شکست دی اور حیدر چک پیدل چل کر بھاگ نکلا اور اُس کی جماعت تتر بتر ہو گئی۔ یوسف خان فتح مند و کامیاب ہو کر لوٹ آیا۔

اس کے بعد بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ شمسی چک اور ایبہ چک نے تخت شاہی کے آگے سر ڈال کر سید مبارک خان کی سفارش پر خسروانہ عنایات پائے۔ حیدر چک، یوسف لنڈ اور علی چک، راجہ مان سنگھ کے پاس لاہو چلے گئے۔ چونکہ راجہ مذکور یوسف خان سے پہلے سفر میں اُس کی علیحدگی اور خلاف ورزی سے رنجیدہ خاطر ہو چکا تھا، اس لئے راجہ نے یوسف خان کے ان مخالفوں کی قدر افزائی کر کے اپنے سایہ حمایت میں جگہ دی۔ اس

حال کو دیکھ کر یوسف خان کے دل میں راجہ مان سنگھ کی فتنہ اندیشی کا وسوسہ پیدا ہوا اور اُس نے خواجہ حاجی بانڈے کے پوتے خواجہ قاسم کو عمدہ ونفیس تحائف و نذرانے ساتھ دے کر قاصد کی حیثیت سے مان سنگھ کے پاس بھیج دیا۔ محمد غنی کابلی کی ہمراہی میں خواجہ مذکور نے راجہ کے کانوں تک حیدر چک کی بدکرداری اور بدسیرتی کا حال پہنچا دیا۔ لیکن راجہ مان سنگھ نے اسے غرض مند جان کر اسکی غرض مندی کو کوئی وقعت نہ دی بلکہ اس کی چغلخوری سے حیدر چک قوی تر ہوا اور اسے نوشہرہ اور بھمبر کی حکومت مل گئی۔ خواجہ قاسم وہاں سے ناکام و نامرداد ہو کر لوٹ آیا لیکن یہاں آکر اس نے خوشامد و چاپلوسی کی باتیں بادشاہ کے حضور میں عرض کیں۔ اس کی چاپلوسی کی باتوں کو صحیح جانتے ہوئے یوسف خان نے میرزا کا خطاب بخش کر اس کا اعتبار بڑھایا بلکہ اُمور سلطنت کا انتظام بھی اس کو سونپ دیا۔ محمد بٹ کے قید ہو جانے کے بعد یعقوب خان وزارت کے اہم اُمور حسن انتظام کے ساتھ انجام دیتا تھا۔

جب خواجہ قاسم وزارت کا منتظم بن گیا تو وہ اکثر یوسف خان کو غرض آمیز باتیں سناتا تھا۔ یعقوب خان سے کئی بار سرزنش پا کر دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہو چکے تھے۔ اسی دوران اکبر بادشاہ کا سفیر تیمور بیگ (۷۳) اس ملک میں وارد ہوا اور قابل اطاعت فرمان یوسف خان کو پیش کیا۔

نقل فرمان:

"جب آپ ارادتمند کی پیشانی سے صدق واخلاص کی روشنی آشکار تھی تو آپ شاہانہ التفات ونوازش سے بیشتر ممتاز کر دئے گئے۔ جب سے آپ کشمیر واپس چلے گئے آپ نے تخت خلافت مصیر کے آگے کھڑے رہنے والے اراکین سلطنت کی خدمت میں اپنے ملک کے حالات عرض نہیں کئے۔ اب جب کہ تنازعات سے خاطر جمع ہے آپ کو چاہئے کہ قضا

کی مانند جاری ہوا یہ فرمان ملتے ہی آپ بغیر کسی مکر و فریب کے خواقین درگاہ کے آستانہ پر حاضر ہو کر دونوں دنیاؤں کی سعادت پائیں''۔

یوسف خان جب اس قابل اطاعت امر کے مضمون سے آگاہ ہوا تو جان گیا کہ بادشاہ عالم پناہ کشمیر کو تسخیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس لئے اُس نے اپنے مشیروں اور وزیروں سے اس بارے میں صلاح پوچھی۔ میرزا قاسم کے دل میں چونکہ یعقوب خان کی وحشت بیٹھی ہوئی تھی، اس لئے اس نے یوسف خان کو مشورہ دیا کہ یعقوب خان کو تحفہ و ہدایا کے ساتھ تیمور بیگ کے ہمراہ اکبر بادشاہ کی درگاہ میں بھیجنا پسندیدہ ہوگا۔ اس کی حسن تدبیر پر عمل کرتے ہوئے یوسف خان نے کثیر تحائف وارمغان کے ہمراہ یعقوب خان (۷۴) کو کیوان حشمت بارگاہ میں روانہ کر دیا۔ وہ کچھ عرصہ تک فتح پور کی لشکر شاہی کی چھاونی میں آستانہ عالی پر جبین سائی کرتا رہا۔ اسی اثنا میں شاہزادہ محمد حکیم میرزا کے فوت ہونے کی خبر بادشاہ کے کانوں میں پہنچی۔ اکبر بادشاہ، پرچم ہای عالی کو کابل کی طرف لہراتے ہوئے روانہ ہوا اور راہ میں جس کسی منزل و مقام پر اپنی شان و شکوت کا پڑاؤ ڈالا یعقوب خان کو یوسف خان کے جلدی کے ساتھ آنے کی تاکید کرتا رہا اور یعقوب خان ہر منزل کی رُوداد اپنے والد کی خدمت میں لکھ کر بھیجتا تھا اور یہاں پر کسی وجہ سے خواجہ قاسم یعقوب خان کے مکتوبات کی کوئی تعمیل نہیں کرتا تھا اور نہ ہی تصدیق۔

اسی اثنا میں لودیانہ میں توقف کرتے وقت حکیم علی اور صالح عاقل کو حکم دیا کہ بادشاہی پرچم کے لاہور میں پہنچنے تک یوسف خان کو حضور میں پیش کریں۔ اگر آنے میں کسی قسم کا بہانہ کرے تو وہ خسروانہ غضب کا موجب ہوگا۔ خاقان کے اس فرمان کے جاری ہونے پر سخت وحشت زدہ اور پریشان خاطر ہوا اور بہلول پور سے اجازت حاصل کئے بغیر

کمال تیزی سے تین دن رات کے عرصے میں اپنے باپ کی ملازمت میں آ کر مشرف ہوا اور خواجہ قاسم کی ٹلی ہوئی آفت پھر سے اُس کے سر پر آ پہنچی۔ یعقوب خان کی اس ناشائستہ حرکت سے یوسف خان کے قہر و غضب کے مشعل شعلے بھڑک اُٹھے اور اُس نے یعقوب خان کو قید میں ڈال دینے کا حکم دیا لیکن اُمرا کی سفارش پر نظر انداز کر دیا (۷۵)۔

حکیم علی (۷۶) جب خامپور پہنچا تو یوسف خان نے حشمت و احتشام کے ساتھ استقبال کر کے کمال احترام و شان سے اپنے قصر دولت کے ساتھ ٹھہرایا اور ذاتی توجہات و مدارات کا مرہون و ممنون کیا۔ یوسف خان کے دل میں خاقان کی بساط بوسی کی خواہش پہلے ہی موجود تھی لیکن سلطنت کے تدبیر کاروں اور مشورہ دانوں میں سے کسی نے بھی یہ مفید کام کرنے کی صلاح نہ دی اور مذمت و برائی کی۔ حکیم علی نے یہ حقیقت جان کر حضور کی عرضداشت میں لائی۔ خاقان زمان پہلے ہی یوسف خان کی کنارہ کشی اور علیحدگی اختیار کرنے پر غصے کے جوش میں تھا اور اب یعقوب خان کے تکبر و فرار اور حکم عدولی کی وجہ سے قہر پادشاہی ہیجان میں آ گیا۔ بادشاہ نے راجہ بگوان داس کچھواہہ، شاہ رُخ میرزا اور شاہ قلی خان وغیرہ کو بائیس نامور سرداروں کی افسری کے تحت پچاس ہزار جرار سواروں کی لشکر ساتھ دے کر لاہور سے کشمیر پر قبضہ کرنے پر مامور کیا اور خود بذات والاشان دریائے اٹک کے کنارے پر اقبال کے خیمے گاڑ دئے۔

پادشاہی فوج نے جب دریای کرشنہ گنگا کو پار کیا تو یوسف خان نے ارکان و اعیان سلطنت کے مشورے سے حرب و ضرب کی تیاری کر لی اور حکیم علی کو لوٹ جانے کی اجازت دے دی اور خود تیغ و خنجر، تلوار و شمشیر اور جوشن و کلاہ کو اپنی فوجوں کے لئے مہیا کرنے کی طرف متوجہ ہوا اور محمد بٹ اور علم شیر خان کو، جو بغاوت کے ایام میں قہر و عذاب میں مبتلا ہو کر

پابہ زنجیر کردیئے تھے، انعام واکرام اور نرمی ولطف ومدارات سے اپنا متحد ومتفق بنالیا۔ شہر کی محافظت کرنے اور رسد پہنچانے کے لئے محمد بٹ کو سرینگر میں چھوڑ کر خود فوجی سرداروں اور نامور دلاروں کے ساتھ بارہ ہزار سواروں اور تیس ہزار پیادہ فوجیوں کی جماعت کی ہمراہی میں روانہ ہو کر کوار مست (۷۷) میں پڑاؤ ڈالا۔ سید ابوالمعالی کو کھاورہ کی راہ میں مقرر کیا اور شمس چک، یعقوب خان، لوہر قورچی، بابا طالب اصفہانی (۷۸)، حسن بٹ، حسن ملک چاڈورہ اور کھکھ اور بمبہ کے زمینداروں کو فوجی گروہ کے ہمراہ بولیاسہ میں حرب وضرب کے لئے بھیج دیا۔ وہاں پر طرفین نے اپنے دست وبازو کھول کر جنگ کی اور یوسف خان کے جنگجوؤں نے کمال شجاعت کے ساتھ پیکار کر کے بہت سے مغلوں کو قتل کر کے اُن کے سر یوسف خان کے پاس بھیج دئے۔ جانبین کی طرف سے ایک دوسرے پر برتری وغلبہ پانے کی کشمکش میں کئی دنوں تک جنگ کی آگ بھڑکتی رہی۔ اچانک خدائے قادر مطلق کی قدرت سے بارشوں سے لدے بادل ہر طرف چھا گئے اور ایک ہفتے تک ایسی بارش وبرف باری ہوئی کہ پرندے بھی پر نہ مار سکے اور دریا اور ندی نالوں میں سیلاب آ گیا اور ہر راستے کے پل ٹوٹ گئے۔ بادشاہی فوج تک رسد پہنچنے کی راہیں بند ہو گئیں اور فوج قحط عظیم سے دچار ہوئی کہ غلے کا ایک دانہ ایک اشرفی میں بھی نہ مل پاتا تھا۔ حتیٰ کہ گھوڑے اور ہاتھی کھانے کے کام آئے۔ اس بارے میں مولانا احمد نے کہا ؎

گر نظر بر ہلال میکر دند　　　لب نانی خیال میکر دند

گردن خود دراز میکر دند　　　دہن آز باز میکر دند

علاوہ اس کے پہاڑ کے دامن میں پادشاہی لشکر زرعی زمین میں کھڑی تھی جو ساری ہل جوتنے اور پانی کی کثرت کی وجہ سے اب کیچڑ ہی کیچڑ ہو گئی تھی اور اس میں سخت سردی

کے باعث سپاہی گرتے پڑتے بے جان ہو گئے اور آنکھ جھپکنے میں ایک بھاری تعداد تباہ ہو گئی۔ خدا کی پناہ! بادشاہی فوج میں عجب واویلا اور عجیب وغریب مصیبت ٹوٹ پڑی۔ تب پریشان اور وحشت زدہ ہو کر راجہ بھگوان داس نے یوسف خان کو یہ مضمون لکھ کر بھیجا۔

کاغذ:

''اگر بالغرض اس وقت بادشاہی لشکر قہر الٰہی کی طوفانی ہواؤں سے ضائع ہو گئی لیکن پادشاہ جمجاہ کے حضور سے دوسری بار ایک سو ہزار کی تعداد میں سپاہیوں کا تقرر ہو گا اور اس ملک کی زمین کو وہ ہاتھیوں کی سموں سے نیست و نابود کر دیں گے۔ اب آپ کو اصل مطلب اور اسی کام کے نتائج پر غور و فکر کرنا چاہئے۔''

یوسف خان کو چونکہ بادشاہ کی قدمبوسی کا خیال خاطر نشین تھا، اس لئے شاپور خان کی ہمراہی میں میرزا قاسم نے راجہ بھگوان داس کے پاس جا کر قسم اور عہد و پیمان کے ساتھ اُس سے مہر و تصدیق کر کے یہ عہد نامہ لکھ کے لیا کہ ''اگر یوسف خان میرے ساتھ خلافت مصیر تخت کی آستان بوسی کے لئے فیض یاب ہو گا تو یہ نیاز منداُس کے حق میں جانفشانی سے کام لے کر پادشاہ کیوان جاہ کے حضور سے بیش قیمت خلعتوں اور کثیر عنایتوں سے سرفراز کروا کے اسے اپنی حکومت کے ممالک پر بدستور مسلط اور قائم رکھوائے گا اور سرمو کے برابر بھی اسکی حکومت میں کوئی رخنہ اور فتور پیدا نہیں ہو گا۔'' میرزا قاسم نے بڑی تیزی اور جلدی کے ساتھ یہ عہد نامہ یوسف خان کو پیش کیا اور چاپلوسی و فریب کاری کی دیگر باتوں سے بھی یوسف خان کو آمادہ کر لیا کہ وہ بغیر سوچے سمجھے اور اپنے بیٹوں، امراء اور فوجی جنگجو سرداروں سے مشورہ لئے بغیر لشکر کے ہراول دستوں کا ملاخطہ کرنے کے بہانے سے اپنی حکومت و شوکت کو چھوڑ کر تین چار سواروں کے ہمراہ راجہ بھگوان داس کی جماعت میں داخل ہو گیا۔

بدیہہ گو شاعروں نے تاریخ کہی: ''نیو، گرفتار گو'' (۷۹)۔

جب بلا سوچے سمجھے اور بے فکر و تدبیر، یوسف خان نے اس امر عظیم کا ارتکاب کیا تو امراء اور سرداران فوج متفکر اور وحشت زدہ ہو گئے اور اسی وقت اعیان مملکت کی صلاح سے یعقوب خان (۸۰) نے مسند حکومت پر حکمرانی کا علم بلند کیا اور ہمت کا کمر بند باندھ کر بابا طالب اصفہانی اور محمد سلیم کاشغری کو فوجی پیشرو مقرر کر کے جنگ کے لئے بھیج دیا۔ ان دونوں سرداروں نے نصف دن تک پیکار میں ایسی کوشش اور لڑائی کی کہ بادشاہی لشکر کے دو تین ہزار سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔ شاہ رُخ میرزا کے سپاہیوں نے اُستالو لونجار کی تدبیر سے دریائے بہت پر ایک مضبوط پل بنایا اور کھاورہ کی سرحد کی جانب عبور کیا لیکن کھکھ کے زمیندار اُن پر ٹوٹ پڑے اور سب کو خاک و خون میں ملانے کے بعد ان کا سارا مال واسباب اور رخت و سامان لوٹ کر لے گئے اور مذکورہ پل کو توڑ کر فراغت کے ساتھ بیٹھ گئے۔

راجہ بھگوان داس نے یوسف خان کی صلاح سے میرزا علی اکبر کو قاصد کی حیثیت سے یعقوب خان کے پاس بھیج دیا اور اسے تشفی و تسلی دے کر مبارک خان کھکھ کی بیٹی کو اُس کے عقد میں دینے کے لئے نامزد کیا۔ گویا ایک طرح کی صلح ہو گئی اور جنگ و پیکار سے ہاتھ روک کر یعقوب خان تخت سلطنت پر لوٹ آیا۔

اور راجہ بھگوان داس نے واپسی کا ڈنکا بجاتے ہوئے کمال حشمت و احترام کے ساتھ یوسف خان کو اپنے ساتھ لے کر پادشاہ جمجاہ کے حضور اٹک میں پیش کیا اور اُس کی شفاعت و حمایت میں بڑی منتیں کیں جو خاقانِ دوران کو منظور خاطر نہ ہوئیں۔ غیرت کے پیش نظر خود کشی کا اقدام کرتے ہوئے راجہ بھگوان داس نے اپنے سینے میں خنجر بھونک دیا لیکن زندگی

نے ساتھ دے کر اُس کی جان کا سرمایہ ہاتھ سے نہ گیا۔

اس کے بعد یوسف خان کے بدن پر زنجیریں ڈال دی گئیں اور اُسے رام داس کچھواھہ کی حفاظت میں لاہور بھیجا گیا اور وہاں ٹوڈرمل کی نگہبانی میں دو سال پابہ زنجیر رہا۔ جب راجہ مان سنگھ کابل سے لوٹ آیا تو اسکی سفارش پر یوسف خان کو پانچ سو کا منصب ملا اور اسی کے ہمرکاب بنگال (۸۱) میں لشکر میں داخل ہوا۔ جب اُسکی عشرت عسرت میں بدل گئی تو اُس کے دماغ میں خلل آ گیا (۸۲) اور جنون میں مبتلا ہو کر اس کی زندگی کا جام اُلٹ گیا اور انتقال کر گیا۔ اب کی بار اسکی حکمرانی کی کل مدت چار سال تھی۔

۷۔ یعقوب خان

یوسف خان کا بیٹا یعقوب خان سال ۹۹۳ھ (۸۳) میں تختِ شوکت پر بیٹھا اور علی ڈار کو وزارت کا رُتبہ دیا۔ ایک خوش دماغ آدمی تھا۔ سکر و نشہ آور چیزوں کا بہت استعمال کرتا تھا جس کی وجہ سے لوگوں کے اُمور و معاملات کے سچ جھوٹ اور درستی و نادرستی میں فرق نہیں کرتا پاتا تھا۔ اس حد تک کہ اگر ظہر کے وقت کسی کو کوئی گاؤں جاگیر میں دیتا تو عصر کے وقت وہی گاؤں کسی اور کو بخشتا اور جب دونوں جھگڑا کرتے تو اُن سے کہتا کہ یہ گاؤں تو شاہی زمین میں داخل ہے۔ اس طریقے سے اُس کا نظمِ مملکت مضبوط نہیں ہو سکا اور لوگ فساد و عناد پر اُتر آئے۔

اسی اثنا میں شہر میں سید حسین اور شمس دُوبی کو قائم مقام بنا کر یعقوب خان خدم و حشم اور سپاہیوں کے ساتھ اپنے بیٹے کی بیاہ کی تقریب پر ہالہ والہ چلا گیا۔ لوٹتے وقت جب اچھ

بل پہنچا تو علی ڈار، شمس چک، علم شیر ماگرے اور میر حسن چاڈورہ وغیرہ متحد ہو کر اُس پر حملہ آور ہوئے اور حرب وضرب میں مشغول ہو گئے لیکن آخر مقابلے کی تاب نہ لا کر تتر بتر ہو گئے اور سید حسین اور شمس ڈوبی سے لڑنے کے لئے شہر میں آ گئے۔

تب یعقوب خان نے چڑھائی کرتے ہوئے محمد بٹ کی حمایت سے شہر کا رُخ کیا اور مخالفوں سے پہلے ہی شہر جا پہنچا۔ اس کے پیچھے پیچھے علی ڈار بھی آ پہنچا اور اُس نے شہر کے پلوں کو کاٹ کر زالڈگر میں بغاوت کا پرچم لہرایا۔ اور یعقوب خان نے عیدگاہ کے میدان میں جنگ کی صفیں ترتیب دیں۔ سابق اُلفت ومحبت پر اعتماد کے پیش نظر علی ڈار نے یعقوب خان کے پاس آ کر اپنے تقصیرات کی معافی مانگ لی لیکن اپنے ساتھیوں کی صلاح پر یعقوب خان نے اُس کی صلح کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ تب علی ڈار اور شمسی چک نے اپنے رفقاء کے ہمراہ سوپور جا کر شورش برپا کی۔ یعقوب خان نے اپنی جماعت کے ساتھ حملہ آور ہو کر سوپور کے قصبے میں جنگ چھیڑ دی۔ مخالفین مغلوب ہو کر بھاگ گئے اور سوپور کے پل کو پار کرتے وقت کثیر جماعت اژدہام کی وجہ سے غرقاب ہو گئی۔ اس کے بعد کو یہامہ کے راستے سے شمسی چک شہر میں لوٹ آیا۔

لیکن یعقوب خان ان سے پہلے ہی شہر میں پہنچا۔ علم شیر خان ماگرے اپنی جماعت کے ساتھ کچھامہ کی جانب بھاگ گیا اور میر حسین چاڈورہ شمہ ہال گاؤں میں چلا گیا اور علی ڈار برتھل کے ایک کسان کے گھر میں چھپ گیا۔ شمس چک شمس عراقی کی خانقاہ میں روپوش تھا۔ یعقوب خان نے اُسے گرفتار کر کے قید کر دیا۔

محمد بٹ منصب وزارت پر صاحب اقتدار تھا۔ دشمنوں کو ہٹانے کے بعد یعقوب خان نے تعصب کا پرچم بلند کرتے ہوئے اہل سنت والجماعت کو اپنے ظلم وجفا کے شکنجے میں

کس کر بہت اذیتیں دیں۔ قاضی موسیٰ، جو قاضی میر علی کی اولاد سے عجائب علوم وغرایب فنون سے آراستہ تھا اور آباء واجداد تک، قاضی ابراہیم کے عہد سے اس ملک کے مقدماتی اُمور کا فیصلہ ان ہی کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا، ان ایام میں جامع مسجد کے بام اور چھت کی کمال استحکام ومضبوطی سے مرمت کے کام میں مشغول تھا اور اس کام کی تکمیل پورے اہتمام کے ساتھ ایک سال کے عرصے میں انجام تک پہنچائی۔ مذہبی تعصب کی بنا پر یعقوب خان (۸۴) نے اُس پر لازم کر دیا کہ فرقہ اہل سنت کو اس بات کی طرف راغب اور اُن پر محقق کرے کہ کشمیر کی مسجدوں میں موذن ''علی ولی اللّٰہ'' کے فقرہ کو اذان میں شامل کریں۔

قاضی موسیٰ سنت کی رعایت کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے اُس کے دبدبے سے خوفزدہ نہیں ہوا اور اس امر عظیم کے عمل میں لانے کو پس پشت ڈال دیا۔ شمس چک کے ساتھ موافقت کرنے کی تہمت میں یعقوب خان نے سر دربار اسے شہید کر دیا اور اسکی لاش مبارک کو ہاتھی کے دم سے باندھ کر شہر میں پھروایا۔ کہتے ہیں جب اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا تو اُس کی ماں نے باہر آ کر اپنا دوپٹہ اُس کے سر پر پھیلا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میر فرزند اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوا۔ اس روز کے آخر تک باد و باران، بادلوں کی گرج اور بجلیوں اور اولوں کی بارش کی شدت وسختی نے ملک بھر میں ہل چل پیدا کر دی، اور گرج اور بجلیوں کی گڑ گڑاہٹ کی ہیبت ودہشت سے اکثر حاملہ عورتوں کے حمل گر گئے اور بعض بچے بھی ہلاک ہو گئے۔ یعقوب خان کے گھر پر بجلی گری جس کے شعلے سے علی ڈار کی بیوی چار اور عورتوں کے سمیت ہلاک ہو گئی۔ اس خرابی کا مرتکب ہونے کی وجہ سے کشمیر کے لوگ خاص وعام چھوٹے اور بڑے، سب اس کے کردار واطوار سے بیزار ہو گئے اور ہر طرف سے بغض وعناد کے چشمے

اُبلنے لگے (۸۵)۔

اسی دوران یعقوب خان نے ملا احسن اسود کے بُرے مشورے پر محمد بٹ کو وزارت کے منصب سے ہٹا کر قید میں ڈال دیا اور اس کی جگہ پر نازک بٹ کو، جو عقل و تدبر کے زیور سے عاری تھا، وزارت کے رُتبہ پر نصب کیا۔ اس کے بعد دونوں نے متحد و متفق ہو کر ایک عرصے تک ملک کی خرابی، رعایا کی پریشانی، شیعہ مسلک کی ترویج، اہل سنت کی توہین و عذاب رسانی، اور ہندوؤں کو خراب کرنے اور مٹا دینے کے اقدامات میں اضافہ و کوشش کرنے سے ظلم و جفا کے علم بلند کیئے اور بہت سے لوگوں کو عرصہ ہلاکت و محتاجی میں دھکیل دیا۔

اسی وجہ سے اکابرین کشمیر کی ایک جماعت جیسے جناب بابا داؤد خاکیؒ اور حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ مشہور امراء کے ہمراہ اکبر بادشاہ کے حضور میں جا کر اُسے کشمیر کو مسخر کرنے کی ترغیب دی اور شرائط کی تصدیق کے ساتھ عہد و پیمان منعقد کر کے ایک عہد نامہ لکھ کے لیا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وقت کے حکام مذاہب کے اُمور اور غلے کی قیمتوں میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔ دوسرا یہ کہ کشمیر کے لوگوں میں سے کسی کو غلام اور کنیز نہیں بنایا جائے گا۔ تیسرے یہ کہ کشمیر کے لوگ سخت محنت کے کاموں اور مختلف بدعتوں سے آسودہ رہیں گے اور چوتھے یہ کہ وہ کشمیری امراء، جو فی الحال فتنہ و فساد والے ہیں، وہ ملکی اُمور میں اور مالی معاملات میں دخیل نہیں ہونگے (۸۶)۔

عہد و پیمان کے ہو جانے کے بعد خاقانِ زمان نے میر بحر میرزا قاسم (۸۷) کو شیخ یعقوب صرفیؒ، یعقوب خان کے بھائی حیدر چک اور دوجی مواجی وغیرہ اور چند اور کشمیری امراء کی رہنمائی میں چالیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل سپاہیوں کی جماعت کے ہمراہ کشمیر

کو فتح کرنے کے لئے بھیج دیا۔

بادشاہی لشکر کا آسمان کو چھونے والا علم جب راجور کی حدود میں پہنچا تو اطلاع پاتے ہی یعقوب خان نے ابدال بٹ کے بیٹے نازک بٹ کو شہر میں اپنا قائم مقام بنا کر تیس ہزار سوار سپاہیوں اور دس ہزار بندوقچیوں کی جماعت کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے ہیرہ پور میں مقابلہ کرنے کا علم بلند کیا۔ چونکہ یعقوب خان کی بدکرداری و بدسیرتی کی وجہ سے کشمیر کے لوگ ادنیٰ واعلیٰ سب اُس سے متنفر تھے اور دلوں میں اُس کے خلاف بغض تھا، اس لئے حکومت کے اکثر امراء اور ارکان سلطنت روگردان ہو کر بادشاہی فوج کے ساتھ مل گئے۔ چنانچہ سید یوسف خان بیہقی نے نازک بٹ سے فریب کے ساتھ خلعت اور اسلحہ و گھوڑا لے کر کچھہامہ میں علم شیر خان ماگرے اور شمس چک کے بیٹے ظفر خان کے ساتھ عہد و پیمان باندھ کر شہر میں داخل ہو گئے اور یہاں محمد بٹ اور شمس چک کو قید خانے سے آزاد کر کے قہر و غضب کی آگ بھڑکائی اور عوام کے ساتھ متفق ہو کر جڈی بل کی خانقاہ کو جلا ڈالا اور شمس عراقی کی قبر کو شہر کے لوگوں کے لئے کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ بنا دیا اور شیعوں کے خانمان کو غارت کر کے بھسم کر ڈالا اور تین دنوں تک شیعہ فرقے کو ویران و برباد کرنے کے بعد پونچھ کے راستے سے بھاگ کر اکبر بادشاہ کی فوج کے ساتھ مل گئے۔ یعقوب خان ہیرہ پور میں پہنچا اور اُس نے حسین خان کے بیٹے یوسف چک اور ابدال چک کے بیٹے ایبہ چک اور مبارک خان کے بیٹے سید ابراہیم خان وغیرہ کو کونہ بل کے راستے کی حفاظت کرنے پر متعین کیا۔ ان میں سے ایک کثیر جماعت بھاگ کر بادشاہی فوج کے ساتھ مل گئی۔ یوسف چک، ایبہ چک اور سید ابراہیم تنہا رہ گئے اور یعقوب خان سے آملے۔ بہرام نیایک اور شنگی نیایک جو سِدَو کے راستے کی حفاظت پر مامور تھے بادشاہی لشکر کے ساتھ مل گئے۔ قاسم

نیا یک اور حسین چک نے جو پیر پنچال کی راہ سے فوج کے ہراول بن کر گئے تھے بادشاہی فوج کے مقابلے میں آ کر جنگ کی اور قاسم نیا یک پہلے ہی حملے میں مارا گیا۔ اس کا بیٹا ظفر نیا یک باپ کے قتل ہو جانے کے باوجود جنگ وجدل سے باز نہیں رہا اور اس نے محمد چک کی مدد سے شاہی فوج کا قافیہ تنگ کر دیا۔ لیکن بالآخر دونوں قتل ہو گئے۔ محمد بٹ اور شمس چک، جو ظفر خان اور علم شیر خان کے ہاتھوں قید سے رہائی پا چکے تھے، سید ابوالمعالی کے لطف ومدارات اور یعقوب خان کی امداد واعانت سے ہیرہ پور چلے گئے اور اسی روز بادشاہی فوج کوہ پیر پنچال کو پار کر کے یعقوب خان کی فوج کے ساتھ جنگ میں اُلجھ گئی اور دن کے ایک پہر تک کشت وخون کی آگ بھڑکتی رہی۔ یعقوب خان کے فوجی افسر بے دلی کی وجہ سے جنگ میں درنگ سے کام لیتے تھے۔

اسی اثنا میں یعقوب خان پیشاب کرنے کی خاطر اپنی سواری کی گھوڑی سے نیچے اُتر آیا اور گھوڑی کی لگام اُس کے ہاتھ میں تھی۔ اچانک ایک مغل گھوڑا جو مغلوں کے گلے سے رہا ہو چکا تھا مذکورہ گھوڑی سے اُلجھ پڑا اور رسی توڑ کے دونوں فرار کر گئے۔ یعقوب خان میدان جنگ سے رُخ موڑ کر پیدل اپنے پڑاؤ کی طرف جا نکلا لیکن اُس کی فوجوں نے جب سوار کے بغیر گھوڑی کو دیکھا تو وہ حیرت زدہ ہو گئے اور فوراً سبھوں نے راہ فرار اختیار کی اور ایک دوسرے سے متفرق ومنتشر ہو گئے۔ بادشاہی فوج نے پوری گرمجوشی کے ساتھ اُن کا تعاقب کرتے ہوئے بہت سے لوگوں کو قتل اور زخمی کر کے شوپیان کے قصبے میں بادشاہی علم بلند کیا۔ دوسرے دن کمال کروفر اور شان وشوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہو کر فتح مندی کے نقارے بجائے اور یعقوب خان نے پریشانی وپشیمانی کے عالم میں خستہ وشکستہ ہو کر کل ایک سال اور دو ماہ تک (۸۸) حکومت کرنے کے بعد کشتواڑ (۸۹) کی طرف فرار کیا۔

چغتائی بادشاہوں کا ہندوستان اور کشمیر کے ممالک پر تسلط پانا

اگلے مورخوں کا بیان ہے کہ سلطان ابوسعید میرزا (۹۰) بن سلطان میرزا (۹۱) ابن سلطان میران شاہ ابن صاحبقران ثانی امیر تیمور گورکانی، ترکستان اور خراسان کا ایک عظیم الشان بادشاہ تھا۔ حکومت کے ایام بسر کر کے اسے عراق میں شہید (۹۲) کر دیا گیا۔ اور اُس سے گیارہ نیک بخت بیٹے باقی رہے جن میں سے چار بیٹوں نے سلطنت پائی، الغ بیگ میرزا نے کابل میں،، احمد میرزا (۹۳) نے سمرقند میں، محمود میرزا (۹۴) نے حصار اور قندوز میں اور عمر شیخ میرزا (۹۵) نے اندجان (۹۶) اور فرغانہ میں۔ الغ بیگ میرزا کے بغیر تین دوسرے بھائیوں کے عقد میں مغلستان کے حکمران یونس بیگ کی بیٹیاں تھیں۔ عمر شیخ میرزا جو فرغانہ کا حکمران تھا کو یونس خان (۹۷) کی بیٹی کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام محمد بابر میرزا رکھا گیا۔ تاریخ پیدائش ۔

اندر شش محرم زاد آن شہ مکرم   تاریخ مولدش آمد شش محرم (۹۸)

عمر شیخ میرزا سال ۸۹۹ھ میں کبوتر خانہ کی چھت سے گر کر فوت ہوا (۹۹)۔

ظہیر الدین بابر شاہ

گیارہ سال کی عمر (۱۰۰) میں بادشاہ بن گیا اور ظہیر الدین لقب پایا۔ فوراً ہی اُس کے چچا سمرقند کے حکمران احمد میرزا اور اس کے خالو محمود خان ابن یونس خان نے دشمنی و جھگڑے کا علم بلند کر کے جنگ و جدال کے کئی معرکوں میں بارہ سال تک کی مدت صرف کی اور کبھی غالب ہو جاتے اور کبھی مغلوب ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اس کی وضاحت مختلف کتابوں میں درج ہے (۱۰۱)۔ بالآخر شیبانی خان اُوزبک نے ۹۱۰ھ میں بخارا اور سمرقند پر قبضہ کر لیا۔ ہمراہیوں کی نمک حرامی اور دشمنوں کی دشمنی سے نڈھال ہو کر صرف بیس سواروں کی جماعت کے ساتھ خونخوار مخالفین کے چنگل سے بھاگ کر بابر شاہ تین دن رات تک دشمنوں کے خوف سے کمال اضطراب و بے چینی کی حالت میں کچھ کھائے پیئے بغیر اور سوئے بغیر دوڑتے ہوئے، جب کہ اُس کے ساتھی ایک دوسرے سے بچھڑ چکے تھے، تنہا کوہ وصحرا کے بے شمار مصائب جھیلنے کے بعد مغلستان کے حدود میں واقع ایک گاؤں میں اُترا۔ اتفاق سے وہاں اُس کے پرانے ملازموں میں سے چند آدمی رہتے تھے۔ بابر شاہ کو دیکھ کر وہ خوش ہو گئے اور اس کی خدمات انجام دینے میں جانفشانیاں کیں۔ تقدیر کے بموجب اُس کی ماں بھی سرگردانی کی حالت میں وہاں آ پہنچی۔ چند ماہ تک وہاں رہنے کے بعد پہاڑی لوگوں کی قریب دو سو افراد کے سپاہیوں کی ایک جماعت کو اکٹھا کر کے بے سروسامانی کے ساتھ خضار وشادمان کا رُخ کر کے مدینۃ الرجال ترمذ میں پہنچا اور وہاں سے امیر محمد باقر کی صوابدید سے

کابل کا رُخ کیا۔ خسرو شاہ (۱۰۲) نام کا ایک آدمی، جو عمر شیخ میرزا کے وزراء میں سے تھا اور پہلے نمک حرامی کر چکا تھا، بلخ کے نواحی میں چند اقوام کا سر گروہ بن گیا تھا۔ سابق تقصیرات کی تلافی کرنے کے لئے بابر شاہ کی ملازمت اختیار کرنے سے مشرف ہوا۔ بابر شاہ نے اُس کے قریب آٹھ ہزار سوار اور پیدل آدمیوں اور ملازموں کو اپنی طرف راغب کر لیا اور خسرو شاہ تنہا رہ کر بدیع الزمان کے پاس چلا گیا اور نقد و جنس اور تحایف کے کئی اونٹوں کا بوجھ بابر شاہ کے ہاتھ (۱۰۳) لگ گیا اور شاہی ساز و سامان مہیا کر کے کابل میں داخل ہوا۔ وہاں میرزا الغ بیگ کا داماد محمد مقیم حکمران تھا جس نے چند روز قلعہ بندرہ کر جان کی امان (۱۰۴) چاہی۔ تین ہزار سپاہیوں کی جماعت کے ساتھ بابر شاہ نے کابل میں داخل ہو کر تخت سلطنت پر جلوس کیا اور ملکی اُمور کے ربط و ضبط کی طرف متوجہ ہوا۔ دیہات کو آباد کیا، عمارتوں اور باغوں کی تعمیر کی۔ گلزار (۱۰۵) و بوستان لگائے اور کابل کے ملک کے اطراف کو رشک فردوس برین بنا دیا۔ اور خود بھی ہمیشہ باغوں اور اطراف کے پہاڑوں کی سیاحت اور باغوں اور چمنستانوں کا تماشا کرنے میں وقت گذارتا تھا۔

سال ۹۱۱ھ میں کابل (۱۰۶) میں ایک عظیم بھونچال آیا اور ایک ماہ تک اکثر عمارتیں گر گئیں۔ بابر شاہ نے پھر سے عمارتوں کی تعمیر اور مکانوں کی تجدید کر کے رعایا کو امن و امان میں رکھا اور اسی سال قلات وقندھار اور غزنین و ہزارہ کو فتح کر لیا۔

سال ۹۱۲ھ میں اپنے چچا سلطان حسین کی خواہش پر خراسان گیا اور وہاں کچھ عرصہ عیش و سرور میں گذارا۔ واپسی پر برفانی پہاڑوں میں برف کی کثرت کی وجہ سے بڑی جانگداز زحمت اُٹھانے کے بعد کابل پہنچا۔ اُس کے ان ایام کوچ میں اس کے بھائی نے سرکش ہو کر کابل پر قبضہ کر لیا تھا۔ بابر شاہ جب واپس آ گیا تو اس نافرمان نے عاجزی

وانکساری سے کام لے کر امان پائی۔ بابر شاہ پہلے شراب نوشی سے پرہیز کرتا تھا لیکن خراسان سے لوٹنے کے بعد شراب پینے اور نشہ آور چیزوں کے استعمال کی طرف راغب ہو کر دادِ عیش دینے لگا۔ چنانچہ شاہی باغ میں سنگ مرمر کے حوض کو شراب سے بھر کر رکھتا اور ہر کوئی اس کے کنارے بیٹھ کر شراب پیتا تھا۔ بابر شاہ اکثر اوقات اس شعر کو بار بار پڑھا کرتا تھا۔

نوروز و نو بہارومی و دلر باخوش است
بابر بہ عیش کوش کہ دنیا دو بارہ نیست

سال ۹۱۷ھ میں شیبانی خان کو سلطان اسماعیل صفوی (۱۰۷) کے جان نثاروں نے قتل (۱۰۸) کر دیا۔ بابر شاہ لشکر اور سپاہیوں کے ساتھ پھر سمرقند کی طرف روانہ ہوا اور سلطان اسماعیل صفوی کی مدد سے اُوزبکوں کی فوج کا قلع قمع کرنے کے بعد تیسری بار سمرقند کے تخت پر بیٹھ گیا۔ آٹھ ماہ کے بعد اُوزبکوں کے غالب آجانے کی وجہ سے پھر سے سلطنت کو چھوڑ کر کابل کا رُخ کیا اور سال ۹۲۴ھ میں بارہ ہزار سپاہیوں کی جماعت کے ہمراہ کابل میں داخل ہوا۔

سال ۹۲۵ھ میں پھر سے ارادے کے گھوڑے کو دوڑا کر پنجاب سے لے کر دریائے چناب تک کے ممالک اور گھکروں کے علاقے پر قابض ہو کر دارالخلافت کی طرف لوٹ گیا۔

سال ۹۲۶ھ میں فتح ممالک کا علم لہراتے ہوئے یوسف زئی باغیوں کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد سلطان سعید (۱۰۹) کے حملہ آور ہونے کی خبر سن کر دریائے سندھ کے کنارے سے بدخشان لوٹ کر کابل کے حدود کی نگہداشت کرنے کی طرف متوجہ ہوا اور سلطان سعید کو سال ۹۲۷ھ (۱۱۰) میں رفع دفع کر کے پنجاب کی طرف حملہ آور ہو کر

سیالکوٹ کے حدود تک کے علاقوں کو مسخر کیا اور قصبہ سیدہ پور میں قتل عام کر کے تین ہزار غلام اور کنیزیں فوجی چھاونی میں پہنچا دیں۔ سیدہ پور میں وہاں کے راجا کو قتل کرنے کے بعد کابل لوٹ آیا۔

سال ۹۳۰ھ میں ارادے کے گھوڑے کی مہمیز لگا کر بہار خان اور مبارک خان لودی کو مغلوب و پامال کرنے کے بعد لاہور کے تخت پر جلوس کیا اور سرہند تک کے علاقوں پر قابض ہو کر پنجاب کے اطراف واکناف کو مسخر کر لیا اور شیخ علی بیگ اور قوچک بیگ اوزبک کو سپاہیوں کی لشکر کے ساتھ ملک کشمیر کو فتح کرنے پر مامور کیا۔ جب وہ بمبر کے پہاڑوں میں پہنچے تو ملک کاجی چک نے پہاڑی لوگوں کی ایک جماعت اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے بادشاہی فوج کو شکست دے کر اُن کے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ تب بابر بادشاہ نے کشمیر کو مسخر کرنے کا ارادہ معطل کر کے کابل کی طرف کوچ کیا۔

۹۳۲ھ میں جمعہ کے دن غرہ ماہ صفر کو پانچویں بار فتح و نصرت کا جھنڈا لہراتے ہوئے بارہ ہزار سوار (۱۱۱) فوج کی جماعت کے ہمراہ دریائے راوی کے کنارے پر خیمے گاڑ دئے اور سلطان ابراہیم لودی، دولت خان اور غازی خان چالیس ہزار سوار فوجیوں کی جماعت کے ساتھ مقابلے میں آ کر جنگ کئے بغیر شکست سے دوچار ہوئے۔ دولت خان نے علی خان کے بیٹے کے ہمراہ بلوٹ قلعہ میں پناہ لی۔ محاصرہ اور بہت کشت و خون کے بعد جان کی امان پائی اور قلعہ کا مال و اسباب لٹ گیا۔ غازی خان پہاڑوں میں جا کر چھپ گیا۔ اس کے بعد پنجاب کے حدود کو دشمنوں سے پاک کرنے کے بعد بابر شاہ نے دہلی کی طرف یلغار کیا۔ ابراہیم خان لودی نے ایک لاکھ سوار فوج اور دس ہزار ہاتھیوں (۱۱۲) کی جماعت کے ساتھ تزک و احتشام اور فراوان سامان جنگ کے ہمراہ دہلی سے کوچ کر کے پانی پت کے میدان

میں دولت مندی کے خیمے گاڑ دیئے۔ ادھر سے بابر شاہ نے اپنی لشکر کو آراستہ کر کے پانچ ہزار سوار فوج کو ابراہیم شاہ پر شبخون مارنے کے لئے مقرر کیا۔ چونکہ دشمن واقف تھا اس لئے کوئی کام انجام آئے بغیر لوٹ آئے اور ابراہیم شاہ کی فوج نے دلیر ہو کر میدان میں آگے بڑھتے ہوئے حملہ کر دیا۔ جب نزدیک آ گئے تو ان کی تیزی دھیمی پڑ گئی اور بابری بہادروں نے خون نوش تلواروں کو میان سے نکال کر بھیڑوں کے ریوڑ میں غضبناک شیر کی طرح گھس کر افغانوں کو بے دریغ قتل کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔ دن کے اول دو گھنٹوں سے لے کر نصف روز تک جنگ کی آگ مشتعل تھی۔ افغانی فوج کے قریب چالیس ہزار آدمی زیر تیغ آ گئے اور اُن کے سروں سے ایک منیار بلند کیا گیا اور سلطان ابراہیم شاہ بھی ایک مقابلے میں پانچ چھ ہزار (۱۱۳) آدمیوں کے ہمراہ قتل ہوا۔ افغانوں کا سارا مال و اسباب مغلوں کے قبضے میں آ گیا اور دشمنوں کے باقی بچے لوگ دشت خواری میں منتشر ہو گئے۔ بابر شاہ ۱۲/ماہ رجب (۱۱۴) کو کمال اقتدار و افتخار کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا اور قدیم عمارتوں اور عظیم زیارتوں کا دیدار کرنے کے بعد آگرہ کی طرف روانہ ہو کر ۲۲/ماہ مذکور (۱۱۵) کو آگرہ کے تخت پر جلوس کیا۔ ہمایوں شاہ نے سلطان ابراہیم کے قصر شاہی میں داخل ہو کر خزانوں اور دفینوں پر قبضہ کر لیا۔ سلطان ابراہیم کی والدہ نے یتیموں کی ایک جماعت کے ساتھ عاجزی وانکساری سے پیش آ کر آٹھ مثقال وزنی ایک لعل الماس، جو راجہ بکر ماجیت کے خزانے سے سلطان علاء الدین تغلق کے ہاتھ میں آ چکا تھا، ہمایوں شاہ کی خدمت میں نذر کیا اور ہمایوں شاہ نے اس پردہ نشین خاتون کی قدر و منزلت میں اضافہ کر کے اُسے بادشاہی حرم خانے میں حفاظت سے رکھا۔ بابر شاہ نے تین دنوں کے بعد ان خزانوں اور دفینوں کا ملاحظہ کر کے ہمایوں شاہ کو تین سو پچاس ہزار روپے نقد اور ایک دربستہ خزانہ بخش دیا۔ اور سلطان میرزا کو چار عدد مرصع تلواریں اور دو لاکھ روپے نقد عطا کئے اور تمام میرزاؤں، امیروں، فوجی

افسروں، تاجروں، طالبان علم اور فوجیوں کو اُن کی حیثیت کے مطابق حصہ دیا۔ سمرقند، خراسان اور عراق میں بھی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو تحفے بھیج دیئے اور حرمین الشریفین اور بعض مقدس زیارتوں کے لئے بھی بے شمار نذرانے ارسال کیئے اور کابل کے باشندوں کو، ہر چھوٹے بڑے کے لئے، سرشماری کے بموجب ایک شاہ رُخی روپیہ عطا کیا۔ طویل برسوں کی جمع کی ہوئی دولت کو ایک مجلس میں صرف کر دیا جس کی وجہ سے اُسے قلندر کہتے تھے۔ اب بابر شاہ کو اپنے امراء کابل لوٹ جانے کی ترغیب دینے لگے لیکن بابر شاہ نے مطلق نہیں مانا (۱۱۶)۔

جب ہندوستان کے راجے (۱۱۷) اور حکمران جان گئے کہ بابر شاہ نے تسلط کے بعد ہندوستان میں ہی رہنے کا ارادہ کر لیا ہے تو کئی مفسدوں نے حملہ آور ہو کر جنگ وجدال کی راہ اختیار کی لیکن اللہ تعالیٰ کی یاری سے ہر ایک کو شکست ہوئی۔ آخر اودے پور کے مہاراجہ رانا سانگا نے ہندوستان کے تمام راجاؤں اور مسلمان حکمرانوں کے ساتھ مل کر دو لاکھ سوار فوج کے ہمراہ آگرہ پر حملہ کیا۔ بابر شاہ نے اپنی جماعت کے ساتھ، جو بیس ہزار افراد سے زیادہ نہ تھی، دشمن کے مقابلہ کرنے کے لئے صف آرا ہو کو جنگ کی۔ بالآخر بابر شاہ غالب ہوا اور دشمن کی فوج کا قتل عام کر کے رانا سانگا نے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس کی تاریخ ہے: ''فتح بادشاہ اسلام'' (۱۱۸)۔ اس کے بعد چندیری کے راجا منڈنی رائے نے شورش کا سر اٹھایا اور وہ پانچ چھ ہزار سپاہیوں کے ساتھ قتل ہوا۔ بابر نے اس کی تاریخ فی البدیہہ کہی۔

بعد چندی مقام چندیری   پر زکفار و دار حربی حرب
فتح کردم بجرب قلعہ آن   گفت تاریخ فتح دار الحرب (۱۱۹)

اس کے بعد ہر مقام پر باغیوں اور سرکشوں کا قلع قمع کر کے اپنی زندگی کے ایام کو

سیر وتفریح اور عیش وعشرت میں گذارنے لگا۔ حنفی فقہ میں مجتہد تھا۔ نماز کا وقت اس کے ہاتھ سے نہیں جاتا تھا۔ ہر جمعہ کو روزہ رکھتا تھا۔ علم موسیقی اور شعر واملا اور انشا میں بے نظیر تھا۔ اودے پور کو فتح کرنے کے بعد شراب پینے سے توبہ کرلی البتہ عیش کے روابطہ قائم رکھے۔ رنگین مزاج، سخت طبع اور مشکل پسند آدمی تھا کہ ایک دن میں کالپی سے آگرہ تک ایک سو ساٹھ میل کا راستہ طے کیا۔ تلوار ہاتھ میں لیکر خود کو دریا میں ڈال دیا کرتا تھا۔ آخر اس کی طبیعت اعتدال سے تجاوز کرگئی۔

ہمایوں شاہ اس سے پہلے بیماری میں مبتلا ہوکر نفس شماری تک پہنچ چکا تھا۔ بعض مشائخ حضرات نے کہا کہ بادشاہ کی نظر میں جو چیز عزیز ہے اُسے فرزند کے نام پر صدقہ کیا جائے۔ بابر نے کہا مجھے اپنی جان عزیز ہے، میں اسے قربان کردوں گا۔ فوراً تین بار اس کے سر پر نثار کر کے سر کو سجدے میں ڈال دیا۔ تین بار کہا: مجھے اٹھالو! مجھے اٹھالو! مجھے اٹھالو! اور اللہ کی قدرت سے ہمایوں صحت یاب ہوا اور بابر شاہ نے وفات (۱۲۰) پائی۔ تاریخ۔

ہمایوں بود وارث ملک وی (۱۲۱)

نصیر الدین ہمایوں شاہ (۱۲۲)

نہایت خوش خلق، نازک طبع، خوش مزاج اور عیش پسند تھا۔ علم ریاضی اور ہیت شعر وسخن میں کامل آگاہی رکھتا تھا۔ کرہ ارضی وسماوی اسی کی اختراعات میں سے ہیں۔ باپ کی وفات کے بعد ایک عظیم جشن منعقد کرنے کے بعد تخت پر بیٹھا (۱۲۳) اور بارہ ہزار آدمیوں

کو خلعت و انعام سے نوازا۔ میرزا کامران کو کابل، قندھار، ملتان، پنجاب اور پیشاور کی حکومت بخش دی اور میرزا ہندال کو میوات اور میرزا عسکری کو سنبل کا ملک جاگیر (۱۲۴) میں دے دئے اور یہ تینوں شخص اس کے بھائی تھے۔

۹۳۸ھ (۱۲۵) میں سلطان محمود لودی سے، جو جون پور کا حکمران تھا، جنگ کر کے اس کا ملک سلطان جنید برلاس (۱۲۶) کو سونپ دیا۔ سلطان حسین میرزا کے پوتے محمد زمان (۱۲۷) نے اپنے بھانجوں محمد سلطان اور نخوت سلطان (۱۲۸) سے متفق ہو کر دشمنی کا علم بلند کیا لیکن آخر میں مغلوب ہوئے۔ محمد زمان (۱۲۹) کو قلعہ بیانہ میں قید کر دیا اور محمد سلطان اور نخوت سلطان کو اندھا کر ڈالا۔

اسی سال میرزا کامران کو تیس ہزار سوار فوج کی جماعت کے ساتھ ملک کشمیر کو فتح کرنے کے لئے متعین کر دیا۔ میرزا کامران نے خود نوشہرہ میں قیام کر کے لشکر فتح یاب کو مجرم بیگ تاشلیقی اور شیخ علی اُوزبک کی افسری میں کشمیر روانہ کیا۔ سلطان محمد شاہ نے کشمیر کے امراء کے ساتھ ان کے مقابلے میں آ کر شجاعت و مردانگی کی داد دی اور کافی جنگ وکشت و خون کے بعد ترکی فوج مغلوب ہو کر صلح صفائی کرنے کے بعد کسی مقصد کو حاصل کئے بغیر واپس چلی گئی۔

۹۳۹ھ میں علاء الدین لودی نے چالیس ہزار سوار سپاہیوں کی جماعت کے ساتھ دہلی کو مسخر کرنے کے لئے خروج کر کے شورش اٹھائی۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے میرزا ہندال کو نامزد کیا گیا۔ افغانوں کے تین سو سرداروں کو قتل کر کے وہ فتحمند ہو کر واپس چلا گیا۔

سال ۹۴۰ھ میں بہادر شاہ گجراتی نے شورش اٹھائی اور چتوڑ قلعہ (۱۳۰) پر قبضہ کر لیا اور کئی بار شاہی لشکر کے مقابلے میں آ کر کشت و خون کیا۔ کئی معرکوں کے بعد جاپانیر قلعہ میں

پناہ لی جس کا محاصرہ طویل ہو گیا۔ آخر بہادر شاہ فرار کر گیا اور دیو جزیرے میں آ کے رہا۔ ہمایوں شاہ نے قلعہ کے مال واسباب اور دفینوں پر قابض ہو کر جاپانیر شہر کو غارت کیا اور گجرات واحمد آباد کو اپنے قبضہ اقتدار میں لا کر وہاں کے حاکم میرزا عسکری کو مستقل حکمران بنا دیا۔ پھر وہاں سے برہان پور کا رُخ کر کے خاندیس اور برہان پور پر قابض ہونے کے بعد منڈول (۱۳۱) کی طرف روانہ ہوا۔ بہادر شاہ نے جزیرہ دیو سے نکل کر عماد الملک چرکس کے ہمراہ قریب چالیس پچاس ہزار سوار سپاہیوں کو جمع کر کے گجرات (۱۳۲) پر حملہ کر دیا۔ میرزا عسکری خود میں مقابلے کی طاقت نہ پا کر آگرہ چلا گیا اور بہادر شاہ گجرات اور احمد آباد پر قابض ہو گیا (۱۳۳)۔ ہمایوں شاہ یہ خبریں سنتے ہی تیزی سے آگرہ میں آ گیا۔ اسی اثنا میں جون پور کا حکمران سلطان جنید برلاس سال ۹۴۴ھ (۱۳۴) میں فوت ہوا اور شیر خان افغان نے، جو بہت دلیر اور بہادر جنگجو تھا، رہتاس کے علاقے میں ایک جماعت تیار کر کے جون پور پر قبضہ کر لیا۔ ہمایوں شاہ اُسے ہٹانے کی طرف خود متوجہ ہوا۔ شیر خان افغان نے بادشاہ کے مقابلے میں غازی خان کو چٹار قلعہ (۱۳۵) میں قلعہ بند رکھ کر خود بنگال کی جانب یورش کی۔ قلعہ کا محاصرہ چھ ماہ تک رہا اور آخر محمد رومی کی جانفشانی سے قلعہ فتح ہو گیا۔ اسی جلد بازی کے دوران بنگال کے سلطان محمود نے شیر خان کے بیٹے جلال الدین کے خلاف جنگ میں مغلوب ہو کر ہمایوں شاہ سے اُس طرف حملہ آور ہونے کی استدعا کی۔ بادشاہ نے سال ۹۴۵ھ میں بنگال کا رُخ کیا اور شیر خان کو شکست دے کر بنگال کو پھر فتح (۱۳۶) کیا۔

ان ہی حالات کے دوران میرزا ہندال نے بغاوت (۱۳۷) کی اور بادشاہ کے مرشد شیخ بہلول (۱۳۸) کو قتل کر کے دہلی کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ یہ خبر سن کر بادشاہ سخت متفکر ہو گیا اور بنگال کی حکومت کو جہانگیر مغل کے حوالے کر کے خود آگرہ چلا آیا۔ میرزا ہندال کی بغاوت اور لشکر کی بے سروسامانی سے واقف ہو کر شیر خان افغان نے جوسار پر بادشاہ کا راستہ

روک لیا اور تین مہینوں تک جنگ و جدل میں مصروف رہے۔ اسی اثنا میں دس ہزار سپاہیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ میرزا کامران نے لاہور سے حملہ کر دیا اور دہلی میں میرزا ہندال سے مل گیا اور دونوں برخورداروں نے فتح دہلی کو موقوف کر کے آگرہ کا رُخ کیا۔ میرزا ہندال پانچ ہزار سوار سپاہیوں اور تین سو ہاتھیوں کے ساتھ الور کی طرف بڑھا اور کامران میرزا نے آگرہ میں اُتر کر مخالفت کے نقارے بجائے۔ ان واقعات جانگداز سے ہمایوں شاہ کی پریشانیوں میں اضافہ ہوا اور اُس نے جوسار سے کئی خط اپنے بھائیوں کو لکھے کہ شیر خان کو ہٹانے کے بعد آپ کی جو بھی مرضی ہوگی مجھے منظور ہے۔ لیکن چونکہ میرزا کامران نے شیر خان افغان سے پیمان کیا تھا کہ وہ سرہند تک قابض رہیں گے اور پنجاب اور کابل میں کوئی مداخلت نہیں کریں گے، اس لئے اُنہوں نے بھائی کا ساتھ دینے میں پہلو تہی کی اور ۹۴۶ھ میں شیر خان نے مکمل طور پر مسلح ہو کر مغل فوج پر حملہ کر دیا اور جنگ میں غالب آ کر اُن کو شکست (۱۳۹) دی۔ شاہی فوج شکست کھا کر جب دریائے گنگا کے کنارے پر پہنچی تو تعاقب کئے جانے کے خوف سے ہمایوں شاہ نے خود کو خشم ناک دریا میں ڈال دیا۔ محمد زمان میرزا کے سمیت آٹھ ہزار مغل سپاہ گرداب فنا میں ڈوب گئے اور قیامت کا شور برپا ہوا۔ نظام سقا کی مدد سے بادشاہ خلاصی کے کنارے پر پہنچ گیا اور اُسے آدھے دن کی بادشاہت انعام میں دی۔ اور آگرہ میں آ کر آدھے دن تک اسے تخت پر بٹھا دیا اور آدھے دن کی آمدنی اسے بخش دی۔

کامران میرزا اور ہندال میرزا نے جب افغانوں کا غلبہ دیکھا تو وہ خدمت میں آ پہنچے لیکن دشمنوں کی مخالفت سے پہلو بچاتے ہوئے اُنہوں نے ٹال مٹول میں وقت گذارا اور حیلے بہانوں سے اپنی جماعت کے ہمراہ الگ رہ کر لاہور چلے گئے اور افغانوں کے ڈر سے اطراف و ممالک کے سارے صوبہ دار اپنے منصبوں سے دستبردار ہو کر آگرہ میں

آ گئے۔ شیر خان (۱۴۰) نے دولت اور جماعت کو اکٹھا کر کے بہت سے مقامات اور شہروں پر قبضہ کر کے آگرہ کو مسخر کرنے کے ارادے سے یلغار کی۔

بھائیوں کی بے وفائی اور مددگاروں کی دغا بازی کے سبب ہمایوں بادشاہ نے مغلوب ہو کر راہ فرار اختیار کی اور دشمنوں کے تعاقب کرنے کے خوف سے ایک کثیر جماعت دریائے گنگا میں ڈوب گئی اور بادشاہ ایک قلیل جماعت کے ساتھ لاہور پہنچا۔ تعاقب کرتے ہوئے شیر خان نے ستلج کو پار کیا۔ ہمایوں نے لاہور سے نکل کر دریائے چناب پر قیام کیا اور ہاں حاجی بانڈے، ریگی چک اور ابدال ماگرے اور بعض دیگر امراء کشمیر نے، جن کی کاجی چک سے دشمنی تھی، میرزا حیدر کاشغری کی وساطت سے بساط بوسی کی عزت سے مشرف ہو کر کشمیر کو فتح کرنے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے کشمیر آنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا لیکن میرزا ہندال نے مانع ہو کر سندھ کی طرف متوجہ کیا اور میرزا حیدر نے امراء کے ساتھ آ کر کشمیر کو فتح (۱۴۱) کر لیا۔ اس کی حقیقت پہلے بیان ہو چکی۔

اس کے بعد بادشاہ نے ٹھٹھ اور بھکر کا رُخ کیا اور کامران کابل اور ہندال قندھار کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمایوں بادشاہ نے ٹھٹھ اور بھکر میں کچھ عرصہ میرزا حسین ارغون (۱۴۲) کے ساتھ جنگ و محاصرہ میں گذارا لیکن بابر بادشاہ کے بھائی میرزا یادگار کے دغا کرنے کی وجہ سے بھلائی نہیں دیکھی اور مدد کی اُمید پر جودھپور کے حکمران راجا مالدیو کے پاس چلا گیا۔ جودھپور کے راجا نے اپنی جگہ پر خیال (۱۴۳) کیا کہ ہمایوں بادشاہ کو گرفتار کر کے اُسے شیر خان افغان کے حوالے کر دے گا لیکن ہمایوں بادشاہ کے ایک قدیم ملازم نے، جو اُس کے پاس نوکر تھا، یہ ماجرا سن کر دو ایک پڑاؤ پر پہلے ہی آ کر حقیقت حال سے ہمایوں بادشاہ کو خبردار کیا اور اس لئے ہمایوں تیزی کے ساتھ ٹھٹھ کی طرف لوٹ گیا۔ راجہ جودھپور کے بیٹے

نے تعاقب کر کے جنگ کی۔ ہمایوں بادشاہ نے معدود افراد کے ساتھ اس کے خلاف لڑ کر اُس کے چند ہمراہیوں کو قتل کر دیا اور راجہ کا بیٹا زخمی ہو کر واپس چلا گیا۔ اور ہمایوں ریگستانی میدان میں دل خستگی و بدحالی میں پیدل چلتے ہوئے اور گرتے پڑتے آفتاب کی شدید گرمی میں بے آبی کی حالت میں فاصلہ طے کرتا رہا اور چارہ و پانی کے عدم حصول کے سبب سے بہت سے گھوڑے اور اُونٹ مر گئے اور کچھ کھائے پئے اور سوئے بغیر متواتر تین دنوں تک دو سو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد کل بیس آدمی امر کوٹ میں زندہ پہنچ گئے۔ وہاں کے راجا نے جس کا نام رانا تھا شائستہ خدمات انجام دے کر راحت و آسودگی بہم پہنچائی اور سفر کی صعوبت دُور کر دی۔ بیرم خان (۱۴۴) بھی شیر خان کے جنگ سے رہائی پا کر وہاں آ گیا۔ اسی مقام پر ۵/ رجب کو سال ۹۴۹ھ (۱۴۵) میں شاہزادہ اکبر شاہ پیدا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے اللہ پر توکل کر کے قندھار کا رُخ کیا اور قندھار کے حاکم میرزا عسکری نے میرزا حسین ارغون کے پیغام کے بموجب بادشاہ کے ساتھ جنگ اور مقابلہ کرنے کے لئے یلغار کی۔ یہ خبر سن کر ہمایوں بادشاہ نے مال و اسباب، حرم خانہ اور اکبر کو وہیں پر چھوڑ دیا۔

سال ۹۵۰ھ (۱۴۶) میں بیرم خان اور اکبر شاہ کی والدہ مریم مکانی کے مصاحبین میں سے بیس آدمی ایران کے بادشاہ کے پیغام پر خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔ بھائی کے بھاگ جانے پر میرزا عسکری نے افسوس کرتے ہوئے حرم خانہ اور اکبر شاہ کو خاص لشکر کی ہمراہی میں اپنے ساتھ قندھار لے گیا اور اپنے نیک طینت بھائیوں کے ڈر سے ہمایوں بادشاہ تیزی کے ساتھ فاصلہ طے کر کے سیستان میں پہنچ گیا۔ وہاں کے حاکم احمد سلطان نے استقبال کر کے تمام لوزامات خدمت بجا لائے۔ وہاں سے جب ہرات پہنچا تو بادشاہ کے فرزند سلطان محمد نے اپنے استاد کے ہمراہ پیشوائی کر کے غرہ ماہ ذی قعد کو باغ جہاں آرا میں

اُتارا اور مدارات ولوازمات بجالا کر رقص وسرود اور نغمہ وساز کی مجلس ترتیب دی۔ ترانہ سگاہ میں صابر (۱۴۷) نامی قوال نے کمال شوق کے ساتھ یہ رباعی (۱۴۸) ترکیب دی۔

مبارک منزلی کان خانہ را ماہی چنین باشد

مبارک کشوری کان عرصہ را شاہی چنین باشد

ز رنج و راحت گیتی مرنجان دل مشو خرم

کہ آئین جہان گاہی چنان گاہی چنین باشد

اس مضمون کو اپنے مناسب حال جان کر ہمایوں بادشاہ نے سازندے کو کافی انعام بخش دیا۔ وہاں سے منزل بہ منزل کوچ کرتے ہوئے پہلی جمید الاول ۹۵۱ھ (۱۴۹) کو سلطانیہ میں داخل ہوا جہاں شاہ طہماسپ (۱۵۰) رہتا تھا۔ شاہ ایران نے استقبال وعزت افزائی کے حد امکان تک لوازمات کو بجالا کر نشاط وانبساط کی بزم کا اہتمام کیا اور عیش وعشرت میں مسرور ہو گئے۔ میرزا قاسم نے یہ اشعار ترنم میں پڑھے۔

دو صاحبقران در یکی جایگاہ قران کردہ باہم چو خورشید وماہ

ذو نور بصر چشم اقبال را دو عید مبارک مہ و سال را

دو کوکب کز ایشان (۱۵۱) جہان راست زین بہم دریکی عرصہ چون فرقدین

دو چشم جہان بین بہم ہمعنان بہم چون دوا برو تواضع کنان

دو سعد فلک را یکی برج جای دو والا گہر را یکی درج جای

شاہ ایران نے بے شمار نفائس اور شایان مرتبہ تحایف نظر سے گذار دئے اور ملازموں کو جداگانہ شاہانہ عنایات سے نوازا۔ بادشاہ ہمایوں نے ایک گراں قیمت قطعہ الماس، جو ندرت میں بے مثال تھا، درخشان وتابان دو سو پچاس قطعات لعل ہای بدخشان

کے اضافے کے ساتھ ارمغان کے طور پر پادشاہ ایران کی نظر میں لائے۔ ایک سال اور ایک ماہ تک بادشاہ ہمایوں اصفہان میں عیش وعشرت وشادمانی، شکار وچوگان بازی، رقص و سرود، نشانہ بازی، سیر وسیاحت اور کامرانی میں مشغول تھا۔ جب تک اس کے دل کے آئینے سے غبارالم وکدورت دُور ہوگیا۔

ایک روز محفل نشاط وانبساط میں بادشاہ ایران نے تواضع وفروتنی کے اظہار میں بادشاہ ہمایوں کے کانوں تک یہ بات پہنچادی کہ مجھ حقیر کو اپنا چھوٹا بھائی خیال کریں۔ دشمنوں کی سرکوبی کے لئے جتنی بھی مدد کی ضرورت ہو مکمل طور پر پیش ہوگی اور اگر مدد کرنے کے لئے میری ذات چاہئے جی جان سے حاضر (۱۵۲) ہو۔ ہمایوں شاہ نے معذرت آمیز کلام سے اس کا دل خوش کردیا اور کل دوسرے دن شاہ ایران کے حضور سے شاہزادہ میرزا مراد اور بداغ خان قاچار دس ہزار سوار سپاہیوں کی لشکر اور سامان جنگ کے ساتھ شاہ نامدار کے ہمرکاب روانہ ہو جانے پر مقرر ہوئے۔ ہمایوں نے دل کی مراد کے مطابق رخصت پانے کا مشرف پاکر تبریز اور اردبیل (۱۵۳) کی سیاحت کے بعد قندہار کا رُخ کیا۔ منازل و مراحل کو طے کرنے کے بعد قندہار کے باہر شان وشکوہ سے پڑاوُ ڈالا۔ گو بظاہر میرزا عسکری شہر آراباغ میں پیشوای کے لئے نکلا لیکن چھپ کر قلعہ کے دروازوں کو بند کر کے جنگ وقتال کے لئے آمادہ ہوا۔

بادشاہ ہمایوں نے ۷/محرم ۹۵۲ھ (۱۵۴) کو قندہار کے قلعہ کو محاصرہ میں لے لیا۔ چھ ماہ تک ضرب وحرب کرکے بھی کام بن نہ پایا۔ آخر بیرم خان مصالحت کے لئے میرزا کامران کے پاس کابل گیا لیکن وہاں سے محروم و مایوس ہو کر لوٹا۔ اسی اثنا میں محمد سلطان میرزا، الغ میرزا، میرک مرزا اور شیر افگن بیگ ایک بڑے گروہ کے ہمراہ کامران سے

بھاگ کر ہمایوں بادشاہ کی خدمت میں آ گئے اور قلعہ باشوں کی بھی ایک جماعت باہر آ کر خدمت میں حاضر ہو گئی۔ وحشت زدہ ہو کر میرزا عسکری نے امان چاہی اور حکومت کے اراکین کو قلعہ سونپ دیا۔ قلعہ مذکور کو ہمایوں بادشاہ نے وعدہ کے مطابق شاہزادہ مراد کو دے دیا اور خود فتح یاب لشکر کے ساتھ کابل روانہ ہو گیا۔ جب کابل کے حدود میں دولت واقبال کے خیمے بلند کئے تو سب سے پہلے بابر بادشاہ کا بھائی میرزا یادگار ناصر اور میرزا ہندال خدمت میں آ کر مشرف ہوئے۔ اس کے بعد ہر روز کامران کے امراء کی ایک جماعت خدمت میں باریاب ہو کر خلوص کا اظہار کرتی رہی یہاں تک کہ کامران میرزا کا وزیر اعظم قیلان بیگ بھی بلند آستان پر جبہ سائی کے لئے حاضر ہوا اور کامران میرزا سراسیمہ ہو کر غزنین کی طرف بھاگ گیا۔ رمضان کی دس تاریخ سال ۹۵۲ھ (۱۵۵) کو ہمایوں بادشاہ قلعہ میں داخل ہو کر ملکی اُمور کی طرف متوجہ ہوا۔ جب مریم مکانی محل سرا میں داخل ہوئی اس وقت اکبر کی عمر چار سال کی تھی۔ اکبر شاہ سے ایک خاتون نے کہا: جاؤ اور اپنی والدہ کو گلے لگا لو۔ مجمع میں خیال کئے بغیر اکبر شاہ بے اختیار اپنی ماں مریم مکانی کے پاس دوڑ کر اس کی گود میں بیٹھ گیا۔ غزنین میں کوئی کامرانی نہ دیکھ کر کامران بھکر کی طرف میرزا حسین ارغون کے پاس چلا گیا اور اس کی بیٹی کو نکاح میں لا کر وہیں قیام کیا (۱۵۶)۔

ہمایوں شاہ نے سال ۹۵۳ھ (۱۵۷) میں بدخشان کو فتح کرنے کا عزم کیا اور کوچ کرتے وقت یادگار ناصر کو کوئی نئی دشمنی کھڑی کر دینے کے خیال سے قتل (۱۵۸) کر ڈالا۔ جب بدخشان پہنچا تو میرزا سلیمان پہلے ہی حملے میں فرار کر گیا اور بادشاہ نے اس علاقے پر قبضہ کر کے طالقان کا رُخ کیا۔ ہمایوں شاہ کے حملہ آور ہونے کی خبر سن کر کامران میرزا نے ایک گروہ تشکیل دینے کے بعد کابل کے قلعہ کو فتح کر لیا اور محمد علی طغائی کو قتل اور بعضوں کو

نابینا کر دیا اور شاہزادہ کو اور حرم کو وکیلوں کے حوالے کر دیا۔ یہ خبر بادشاہ ہمایوں کو پہنچی تو اس نے سلیمان میرزا کو بدخشان کی حکومت لوٹا کر اور مرزا ہندال کو طالقان کی حکومت عطا کر کے خود کابل کا رُخ کیا۔ راہ میں مفسدوں کی بیخ کنی کرتے ہوئے قلعہ کابل کا محاصرہ کیا۔ کامران نے کچھ عرصہ تک حرب وضرب سے کام لیا لیکن آخر بھاگ گیا اور راستے میں ہزارہ کے لوگوں نے لوٹ کر اسے ننگی حالت میں چھوڑ دیا اور سخت تلخ حالت میں بلخ پہنچ گیا اور وہاں سے ایک جماعت مہیا کر کے بدخشان کو مسخر کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ جنگ کی تاب نہ لا کر سلیمان میرزا کولاب چلا گیا۔ قراچہ خان اور مانوس بیگ ہمایوں بادشاہ سے نا اُمید ہو کر میرزا عسکری کے ساتھ بدخشان چلے گئے اور کامران نے لشکر اور امراء کی قوت سے طالقان جا کر میرزا ہندال کو شکست دی۔ تب ہمایوں نے خود طالقان پہنچ کر میرزا کامران کو قلعہ بند کر دیا اور کچھ عرصہ بعد میرزا سلیمان کی وساطت سے صلح کی درخواست کی اور سابق و دیگر جرائم کی معافی پا کر خوش ہو گیا اور کولاب کے علاقہ جات اس کی جاگیر کے لئے مقرر ہوئے۔ اس کے بعد بادشاہ کابل میں آ گیا اور بیرم خان کو بلوایا اور کچھ عرصہ بعد ہمایوں بادشاہ ترکمانوں کی سرکوبی کے لئے بلخ کی جانب روانہ ہو گیا۔ میرزا کامران اور میرزا عسکری نے پھر سے دشمنی کا جھنڈا لہراتے ہوئے فساد بازاری اور عناد و مخالفت کا ارتکاب کیا اور ہمایوں بادشاہ نے ترکمانوں کا معاملہ ادھورا چھوڑ کر کابل کا رُخ کیا اور بامیان کی راہ سے قبچاق میں آ کر میرزا کامران سے جنگ کی۔ بہت بڑی جنگ ہوئی اور ہمایوں بادشاہ زخمی ہو کر بدخشان کی طرف چلا گیا اور کامران نے کابل کو فتح کرنے کی کامیابی پائی۔ کچھ دنوں کے بعد سلیمان میرزا، ابراہیم میرزا اور ہندال میرزا اپنی لشکروں کے ساتھ آ پہنچے اور ہمایوں بادشاہ نے اُن کی پشت پناہی سے پھر کابل کا رُخ کیا اور پنج نہر دریا کے کنارے پر جنگ کی جس میں کامران میرزا کو منہ کی کھانی پڑی اور سر کے بال اور داڑھی منڈوا کر قلندروں کے

لباس میں وہ ہندوکش پہاڑ کے دامن میں چھپ گیا۔ میرزا عسکری کو قید میں ڈال دیا گیا۔ اور قراچہ خان قتل ہوا۔ ہمایوں بادشاہ فتح یاب ہو کر کابل آ گیا اور ایک سال تک خوشی وعیش میں دن گذارے۔ بہمینہ، خلیل زیئی افغانوں اور زمینداروں کی مدد سے میرزا کامران نے پھر شورش اُٹھائی اور بادشاہ نے اس کے خلاف لشکر کشی کر کے نیلاب کی طرف بھگایا۔ اسی وقت میں میرزا عسکری نے ایران کی راہ سے مکہ شریف جاتے ہوئے شام کی وادی میں وفات (۱۵۹) پائی۔ کامران فساد برپا کرنے سے باز نہیں آیا۔ چنانچہ میرزا ہندال اُس کا مقابلہ کرتے ہوئے ۲۱/ ذی تعد ۹۵۸ھ (۱۶۰) کو شہید ہوا اور اس کی بیٹی (۱۶۱) اکبر شاہ کے عقد نکاح میں آ کر مشرف ہوئی۔ اس کے بعد ہمایوں بادشاہ نے لشکر جرار کے ہمراہ حملہ آور ہو کر مہمند وغیرہ افغانوں کا قلع قمع کر کے اُنہیں پامال کر دیا اور میرزا کامران نے پرشکستہ ہو کر سلیم شاہ (۱۶۲) کے پاس جا کر پناہ لی۔ لیکن وہاں کوئی بھلائی نہ پا کر نگر کوٹ کے راجا کے پاس چلا گیا۔ وہاں سے سلیم شاہ (۱۶۳) کے خوف سے آدم خان گھگڑ کی پناہ میں آ گیا۔

اتفاقاً ان ایام میں میرزا حیدر دوغلات نے کشمیر کے زمینداروں کی سرکشی سے عاجز آ کر ہمایوں بادشاہ کو اُس طرف آنے کی التماس کی تھی۔ کشمیر آنے کے ارادے سے ہمایوں بادشاہ نے کابل سے نکل کر دریائے نیلاب کو عبور کیا اور آدم خان گھگڑ نے بادشاہ کے خوف سے گھبرا کر کامران میرزا کو اپنی محافظت میں رکھتے ہوئے دربار کو لکھ کر مطلع کیا۔ حکم کے مطابق منعم خان نے آدم خان کے پاس جا کر میرزا کامران کو گرفتار کر کے حضور میں پیش کیا۔ اُلوس چغتائی اُسے قتل کر دینے پر مستعد تھا لیکن بادشاہ اُسے قتل کرنے پر راضی نہ ہوا اور سلائی پھروا کر اُس کی آنکھوں کو بے نور کر دیا ۔ چشم پوشید زبیداد سپہر (۱۶۴) تاریخ ہے۔

بادشاہ جب اُسے دیکھنے گیا تو کامران نے رباعی پڑھی ۔

زقدر وشوکت سلطان نہ گشت چیزی کم از التفات بہ غربیت سرامی دہقانی

کلاہ گوشہ دہقان بہ آفتاب رسید کہ سایہ برسرش افگند چون تو سلطانی

اس واقعہ کے بعد کامران حج کو چلا گیا اور تین حج کرنے کے بعد وفات (۱۶۵) پائی۔ مزار معلیٰ میں مدفون ہے۔

غرض کامران کے فتنہ وفساد سے فراغ خاطر پا کر بادشاہ کشمیر کی طرف روانہ ہوا۔ چونکہ ان ایام میں سلیم شاہ افغان پنجاب میں پہنچ چکا تھا اس لئے امراء درگاہ نے عرض کیا کہ اگر ہم کشمیر میں داخل ہونگے تو افغان ہمارے باہر نکلنے کے راستے کو بند کردیں گے۔ ہمایوں بادشاہ نے یہ مشورہ نہیں مانا اور کشمیر کی طرف کوچ کیا۔ سبھی امراء نے خوش طبعی سے ہمراہی نہیں کی اور کابل کی طرف چل نکلے۔ جنت آشیانی نے بھی چارہ نہ دیکھتے ہوئے کابل کی طرف باگ موڑ دی۔

کچھ عرصہ بعد ہمایوں بادشاہ کو ہندوستان فتح کرنے کی خواہش ہوئی اور پندرہ ہزار سوار فوج کے ساتھ صفر کے مہینے میں سال ۹۶۲ھ (۱۶۶) کو روانہ ہو کر دریائے نیلاب کو پار کیا۔ بیرم خان کو سپہ سالاری کا منصب دے کر اُسے پہلے ہی ہراول کے طور پر بھیج دیا۔ رہتاس کا حاکم خود میں مقابلہ کرنے کی قوت نہ پا کر دہلی کی طرف بھاگ گیا اور ہمایوں بادشاہ جاہ وحشمت کے ساتھ لاہور میں داخل ہوا اور وہاں کے حاکم نے جنگ کئے بغیر فرار کی راہ اختیار کی اور بادشاہ بغیر کسی منازعت کے شہر میں داخل ہوا۔ بیرم خان ترکمان نے سرہند پر قبضہ کر کے وہاں کی رعایا کو مطیع بنا دیا۔ افغانوں کی ایک جماعت نے شہباز خان اور نصیر خان کی سرداری میں دیالپور میں جمع ہو کر جنگ کا جھنڈا لہرایا۔ ان کی مدافعت کے لئے ہمایوں بادشاہ نے سید ابو المعالی اور قلی خان کو متعین کیا۔ اُنہوں نے افغانی فوج کا تارومار

کر کے اُن کے مال و متاع کو لوٹ لیا اور واپس چلے گئے۔ سکندر شاہ نے تاتار خان اور ہیبت خان کو تیس ہزار فوج کی ہمراہی میں ہمایوں بادشاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے مقرر کیا۔ بیرم خان نے ان پر شبخون مار کر انہیں تتر بتر کر دیا اور مغلوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت لگا۔ تاتار خان کو شکست ہونے کے بعد سکندر شاہ نے جنگ کرنے کے ارادے سے اسی ہزار فوج اور بہت سے ہاتھیوں کے ساتھ جنگ کا عزم کیا۔ بیرم خان نے نوشہرہ جا کر اس شہر کو مضبوط بنا دیا۔ سکندر شاہ نے جب نوشہرہ کے باہر پڑاؤ ڈالا تو ہمایوں بادشاہ نے نوشہرہ قلعہ میں مضبوطی میں اضافہ کیا۔ مذکورہ سال کے غرہ ماہ رجب کے دن دونوں غضبناک دریا موجیں مارتے ہوئے جوش میں آ کر حرب و ضرب میں مشغول ہو گئے۔ شجاعت و مردانگی کی داد دیتے ہوئے مغلستان کے دلیروں نے افغان فوج کا قتل عام کر کے اُنہیں شکست دے دی اور سکندر شاہ سوالک پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلا۔ اس کے بعد سکندر خان اُزبک اور دوسرے خان دہلی اور آگرہ جا کر قابض ہوئے۔ شاہ ابوالمعالی پنجاب کی حکومت پر مفتخر ہو کر سکندر شاہ کی مدافعت پر مامور ہوا اور رمضان کے مہینے میں ہمایوں بادشاہ دہلی آ گیا اور بیرم خان کو جاگیریں دے کر اور خسروانہ عنایات سے نوازا اور تردی بیگ دہلی کا حاکم ہوا اور سکندر خان کو آگرہ کی حکومت پر فائز کر دیا گیا۔ بیرم خان نے فتح کی تاریخ حضور میں پیش کی

ے

منشی خرد طالع میمون طلبید　　انشای خرد طبع موزون طلبید

تحریر چو کرد فتح ہندوستان را　　تاریخ ز شمشیر ہمایوں طلبید

ادھر پہاڑوں میں رہ کر سکندر شاہ دن بہ دن اپنی طاقت پیدا کر رہا تھا۔ ہمایوں بادشاہ نے بیرم خان کو شاہزادہ محمد اکبر کا اتالیق بنا کر اُس والا گہر کی ملازمت میں سکندر شاہ کو ہٹانے کے

لئے پنجاب روانہ کر دیا۔ اسی زمانے میں سنبل میں قنبر دیوانہ نے شورش اٹھائی۔ علی قلی خان نے اس پر چڑھائی کر کے اس کا سر کاٹ کے درگاہ میں بھیج دیا (۱۶۷)۔

سال ۹۶۳ھ کے ربیع الاوّل مہینے کی سات تاریخ (۱۶۸) کو غروب آفتاب کے وقت بادشاہ نے کتاب خانے کی چھت پر نکل کر لحظہ بھر کے لئے بیٹھنے کی جگہ پر جلوس کیا اور نیچے آتے وقت موذن نے اچانک شام نماز کی اذان شروع کی۔ تعظیماً بادشاہ دوسرے زینے پر بیٹھ گیا اور اُٹھتے وقت ہاتھ کے عصا پر زور ڈالا کہ عصا ٹوٹ گیا اور بادشاہ سیڑھی سے الگ ہو کر زمین پر آ گرا۔ اسی مہینے کی گیارہ تاریخ (۱۶۹) کو اس کی روح کا ہما آسان قدس کی طرف پرواز کر گیا۔ یہ مصرع تاریخ ہے ؎ ہمایوں بادشاہ از بام افتاد (۱۷۰)

ہندوستان اور کابل پر اُس کی بادشاہت ۲۵ رسال تک رہی اور اس کی عمر شریف ۵۱ رسال تھی۔ بے انتہا بہادر تھا۔ صاحب ہمت تھا۔ صاحب سخاوت و مروّت تھا۔ بیشتر علماء وفضلا کے ساتھ صحبت رکھتا تھا۔ ہر وقت باوضو رہتا تھا اور وضو کے بغیر اللہ کا نام نہیں لیتا تھا۔ حنفی مذہب پر سخت استوار تھا۔ بعض چغتائی (۱۷۱) امراء اُسے شیعہ جانتے تھے یہ غلط ہے۔ اس کا دیوان شعر بے نظیر ہے۔ یہ ہے کلام کا نمونہ ؎

خوش آن کو باخیالت عمری نشستہ بودم
درشوق سرو قدت از جای جستہ بودم
یبم مکن کہ گفتم موی ترا پریشان
درشرح جعد زلفت چون دل شکستہ بودم

جلال الدین محمد اکبر شاہ

خاقان اکبر نے کلانور (۱۷۲) کے مقام پر شیخ جولی (۱۷۳) کی زبان سے ہمایوں بادشاہ کی وفات کی خبر سن کر عزا و ماتم داری کے مراسم بجالائے۔ اس کے بعد اعیان سلطنت کے اتفاق کے ساتھ کلانور میں ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ (۱۷۴) کو بادشاہی تخت پر بیٹھا۔ اس روز اس کی عمر تیرہ سال اور نو ماہ تھی۔ بیرم خان اتالیق نے ملکی و مالی اُمور کا پیش کار بن کر تخت نشینی کی خوشخبری اطراف میں بھیج دی اور تمغا و راہداری اور سلامانہ و پیشکش اور سرانہ نام کے باج تمام مقبوضہ ممالک میں معاف کر دئے۔ شاہ ابوالمعالی (۱۷۵) نے، جو ہمایوں بادشاہ کا منہ بولا بیٹا تھا، مخالفت پر اُتر آیا اور اسے قید میں ڈال دیا گیا۔ تردی بیگ خان کو دہلی کا، علی قلی خان کو سنبل کا، سکندر خان کو آگرہ کا اور بہادر خان کو دیالپور کا اور منعم خان کو کابل کا حاکم مقرر کیا گیا۔ محمد حکیم میرزا نے اپنی اطاعت کے نامے بھیج کر خلوص و فرمان برداری کا اظہار کیا۔ اس کے بعد سکندر شاہ کا استیصال کرنے کے لئے خاص اردل کے سپاہی کوہ سوالک (۱۷۶) کے دامن کی طرف چل پڑے اور بہت جنگ کرنے کے بعد سکندر شاہ ہار کر پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ نگرکوٹ کا راجہ دہرا چند (۱۷۷) درگاہ میں حاضر ہو کر بہت نوازشیں پا چکا۔ اسی زمانے میں سلیمان میرزا نے کابل پر چڑھائی کی لیکن ناکام ہو کر لوٹ گیا۔

اسی زمانے کے قریب ہیموں بقال (۱۷۸)، محمد شاہ عدلی (۱۷۹) کا وزیر، تیس ہزار

سوار اور پیادہ فوج اور دو ہزار ہاتھوں کے ساتھ آگرہ کی طرف بڑھا۔ سکندر خان نے مقابلہ کرنے کی قوت نہ پا کر دہلی کی طرف فرار کیا اور شادی خان افغان، کہ وہ بھی عدلی کے معتمد امراء میں سے تھا، دریائے رہپٹ کے ساحل پر پہنچا۔ علی قلی خان سیستانی نے تین ہزار عراقی اور خراسانی سوار سپاہیوں کے ساتھ شادی خان کو جنگ میں شکست دی۔ آگرہ پر قابض ہو کر ہیموں بقال نے دہلی کا رُخ کیا اور تردی بیگ خان نے پہلے ہی اس کے مقابلے میں نکل کر جنگ کی لیکن ہیموں بقال نے اُسے ہرا کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ تردی بیگ خان اور علی قلی خان نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نوشہرہ میں جمع ہو کر اپنے علاقوں کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ جالندر میں خبر پا کر اکبر بادشاہ غم میں ڈوب گیا۔ کافی صلاح و مشورہ کے بعد بیرم خان ہیموں بقال کے مقابلے کے لئے ہمت کے پروں کو حرکت میں لا کر نوشہرہ پہنچ گیا۔ وہاں شکست خوردہ امراء خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیرم خان نے تردی بیگ خان کو خلوت میں لے کر قتل کر دیا جس کے سبب چغتائی امراء میں ڈر پیدا ہو گیا اور اُنہوں نے سرکشی کرنے کے خیال کو سر سے نکال دیا (۱۸۰)۔ جب بلند قدر علم نوشہرہ سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے تو سکندر خان، عبداللہ خان اور علی قلی خان وغیرہ ہراول کی حیثیت سے پہلے حملہ آور ہوئے (۱۸۱)۔ ہیموں بقال خود کو راجہ بکرماجیت جان کر غرور کا ڈنکا بجانے لگا اور شیر چنگال دلاروں کے خلاف جنگ کرنے کے ارادے سے سامنے آیا اور چیدہ افغان سرداروں کے ایک گروہ کو عظیم توپخانے کے ساتھ شاہی ہراوّلوں کے مقابلے کے لئے مقرر کر دیا۔ مغلوں سے مقابلہ کرنے میں عاجز آ کر انہیں شکست ہوئی اور توپخانہ بھی ہار کر چلے گئے۔ جب ہیموں بقال پانی پت کے نواحی میں پہنچا تو چغتائی لشکر کو دُور سے دیکھ کر وحشت زدہ ہو گیا اور بدمست ہاتھیوں کو اپنے سرداروں میں بانٹ دیا کہ وہ ان پر سوار ہو کر جنگ کے لوازمات بجا

لائیں۔

علی قلی خان نے ۲ محرم ۹۶۴ھ (۱۸۲) کو اپنی صفیں درست کرنے کے بعد جنگ کی آگ بھڑکائی اور طرفین سے سپاہی مردانہ وار گھوڑے دوڑاتے ہوئے کشت وخون کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ہیموں بقال ہوائی نام ہاتھی پر سوار ہو کر علی قلی خان کی فوج کے قلب میں گھس کر غرایا لیکن بیرم خان کے دلاوروں نے، جو اس صف میں تھے، بہادری کی شرط بجا کر حرب وضرب میں کوئی تقصیر نہیں کی۔ اچانک ہیموں کی آنکھ میں تیر آ کر لگا اور خون بہنے لگا۔ مایوس ہو کر افغان بھاگ گئے اور ہیموں بقال زخم چشم کے باوجود سراسیمگی کی حالت میں حملہ کرتا رہا۔ اسی اثنا میں علی قلی خان نے ہیموں کے ہاتھی کو میدان جنگ سے کنارے پر لے جا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بادشاہ نے غزا (۱۸۳) کی نیت سے اُس کی گردن کاٹ کر اُس کے سر کو کابل بھیج دیا اور اس کے جسم کو دہلی میں تختہ دار پر چڑھا دیا اور اس کی فوج کی شکست ہونے کے بعد فتحمند لشکر کے ہاتھ پانچ سو ہاتھیوں سے بھی زیادہ آئے۔ بادشاہ ظفریاب اور فتح پا کر دہلی کے تخت پر کمال اقتدار کے ساتھ بیٹھا اور ملا پیر محمد شیروانی کو میوات بھیج کر وہاں ہیموں بقال کے اہل وعیال اور مال وجائیداد کو ضبط کیا۔

ان ہی ایام میں سلطان حسین میرزا (۱۸۴) نے شاہ طہماسپ صفوی کے حکم کے مطابق قندہار آ کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ خضر خواجہ خان (۱۸۵) جو لاہور کا حاکم ہو گیا تھا سکندر شاہ سے مقابلہ کرنے میں عاجز آ کر لاہور کے قلعہ میں محصور ہوا۔ جس کے سبب اکبر بادشاہ فوراً پنجاب کی طرف روانہ ہوا اور سکندر شاہ کلانور کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے مان کوٹ قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا اور چھ ماہ تک محاصرہ میں رہا۔ آخر مصالحت کے دروازے کھول کر اپنے بیٹے عبدالرحمان کو چند ہاتھیوں کے ساتھ حضور میں بھیج دیا اور خود بنگال کے علاقے میں

سوار اور پیادہ فوج اور دو ہزار ہاتھوں کے ساتھ آگرہ کی طرف بڑھا۔ سکندر خان نے مقابلہ کرنے کی قوت نہ پا کر دہلی کی طرف فرار کیا اور شادی خان افغان، کہ وہ بھی عدلی کے معتمد امراء میں سے تھا، دریائے رہپٹ کے ساحل پر پہنچا۔ علی قلی خان سیستانی نے تین ہزار عراقی اور خراسانی سوار سپاہیوں کے ساتھ شادی خان کو جنگ میں شکست دی۔ آگرہ پر قابض ہو کر ہیموں بقال نے دہلی کا رُخ کیا اور تردی بیگ خان نے پہلے ہی اس کے مقابلے میں نکل کر جنگ کی لیکن ہیموں بقال نے اُسے ہرا کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ تردی بیگ خان اور علی قلی خان نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نوشہرہ میں جمع ہو کر اپنے علاقوں کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ جالندر میں خبر پا کر اکبر بادشاہ غم میں ڈوب گیا۔ کافی صلاح ومشورہ کے بعد بیرم خان ہیموں بقال کے مقابلے کے لئے ہمت کے پروں کو حرکت میں لا کر نوشہرہ پہنچ گیا۔ وہاں شکست خوردہ امراء خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیرم خان نے تردی بیگ خان کو خلوت میں لے کر قتل کر دیا جس کے سبب چغتائی امراء میں ڈر پیدا ہو گیا اور اُنہوں نے سرکشی کرنے کے خیال کو سر سے نکال دیا (۱۸۰)۔ جب بلند قدر علم نوشہرہ سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے تو سکندر خان، عبداللہ خان اور علی قلی خان وغیرہ ہراول کی حیثیت سے پہلے حملہ آور ہوئے (۱۸۱)۔ ہیموں بقال خود کو راجہ بکرماجیت جان کر غرور کا ڈنکا بجانے لگا اور شیر چنگال دلاروں کے خلاف جنگ کرنے کے ارادے سے سامنے آیا اور چیدہ افغان سرداروں کے ایک گروہ کو عظیم توپخانے کے ساتھ شاہی ہراوّلوں کے مقابلے کے لئے مقرر کر دیا۔ مغلوں سے مقابلہ کرنے میں عاجز آ کر انہیں شکست ہوئی اور توپخانہ بھی ہار کر چلے گئے۔ جب ہیموں بقال پانی پت کے نواحی میں پہنچا تو چغتائی لشکر کو دُور سے دیکھ کر وحشت زدہ ہو گیا اور بدمست ہاتھیوں کو اپنے سرداروں میں بانٹ دیا کہ وہ ان پر سوار ہو کر جنگ کے لوازمات بجا

لائیں۔

علی قلی خان نے ۲ محرم ۹۶۴ھ (۱۸۲) کو اپنی صفیں درست کرنے کے بعد جنگ کی آگ بھڑکائی اور طرفین سے سپاہی مردانہ وار گھوڑے دوڑاتے ہوئے کشت و خون کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ہیموں بقال ہوائی نام ہاتھی پر سوار ہو کر علی قلی خان کی فوج کے قلب میں گھس کر غرایا لیکن بیرم خان کے دلاوروں نے، جو اس صف میں تھے، بہادری کی شرط بجا کر حرب و ضرب میں کوئی تقصیر نہیں کی۔ اچانک ہیموں کی آنکھ میں تیر آ کر لگا اور خون بہنے لگا۔ مایوس ہو کر افغان بھاگ گئے اور ہیموں بقال زخم چشم کے باوجود سراسیمگی کی حالت میں حملہ کرتا رہا۔ اسی اثنا میں علی قلی خان نے ہیموں کے ہاتھی کو میدان جنگ سے کنارے پر لے جا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بادشاہ نے غزا (۱۸۳) کی نیت سے اُس کی گردن کاٹ کر اُس کے سر کو کابل بھیج دیا اور اس کے جسم کو دہلی میں تختہ دار پر چڑھا دیا اور اس کی فوج کی شکست ہونے کے بعد فتحمند لشکر کے ہاتھ پانچ سو ہاتھیوں سے بھی زیادہ آئے۔ بادشاہ ظفریاب اور فتح پا کر دہلی کے تخت پر کمال اقتدار کے ساتھ بیٹھا اور ملا پیر محمد شیروانی کو میوات بھیج کر وہاں ہیموں بقال کے اہل و عیال اور مال و جائیداد کو ضبط کیا۔

ان ہی ایام میں سلطان حسین میرزا (۱۸۴) نے شاہ طہماسپ صفوی کے حکم کے مطابق قندہار آ کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ خضر خواجہ خان (۱۸۵) جو لاہور کا حاکم ہو گیا تھا سکندر شاہ سے مقابلہ کرنے میں عاجز آ کر لاہور کے قلعہ میں محصور ہوا۔ جس کے سبب اکبر بادشاہ فوراً پنجاب کی طرف روانہ ہوا اور سکندر شاہ کلانور کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے مان کوٹ قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا اور چھ ماہ تک محاصرہ میں رہا۔ آخر مصالحت کے دروازے کھول کر اپنے بیٹے عبدالرحمان کو چند ہاتھیوں کے ساتھ حضور میں بھیج دیا اور خود بنگال کے علاقے میں

چلا گیا۔ بادشاہ لاہور آ گیا اور راہ میں بیرم خان کا مزاج پھر گیا اور چند دنوں تک سواری بھی نہ کی۔ بادشاہ نے ایک دن دو مشہور ہاتھیوں کی آپس میں جنگ کرا دی اور وہ لڑتے لڑتے بیرم خان کے خیمے کے قریب آ گئے جس سے تماشائیوں میں شور و غوغا اُٹھا۔ بیرم خان کے خیال میں آ گیا کہ یہ حرکت بادشاہ کے اشارے سے واقع ہوئی ہو گی۔ اس نے پیغام بھیجا کہ مست ہاتھیوں کو سلطنت کے اس خیر اندیش کے گھر کے قریب لانے کی وجہ کیا ہے؟ اگر گوش اعلیٰ میں کوئی غیر متوقع بات پہنچی ہو تو اس سے مطلع کر کے اس غلام پر منت رکھیں۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ہاتھیوں کا اس طرف چلے جانا محض ایک اتفاق تھا۔ ہمارے حکم سے نہیں تھا۔ اس بات سے بیرم خان کی تسلی نہیں ہوئی اور اس کے دل کا رنج بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ فتنہ گروں کے نفاق کے سبب بات یہاں تک پہنچی کہ بیرم خان کے مزاج میں آشفتگی آ گئی اور وہ ناشائستہ حرکات کا ارتکاب کرنے لگا اور اپنی شاندار خدمات پر ناز کرتے ہوئے اس نے خاقان کی رائے کے برخلاف مصاحب بیگ (۱۸۶) کو قتل کر دیا اور ملا پیر محمد (۱۸۷) کو مکہ معظّمہ کی طرف نکال دیا اور شیخ محمد غوث (۱۸۸) کی بے حرمتی کی اور بعض امراء کو خود اپنے اختیار سے تکلیف پہنچائی۔ بادشاہ اُس کی حرکتوں سے مغموم تھا لیکن قدیم حقوق کی رعایت سے دم نہ مار سکا۔ آہستہ آہستہ دشمنی کی آگ اس قدر بھڑکی کہ دو بار ترک ملازمت کر کے بیرم خان حج کرنے نکلا لیکن بیکانیر سے لوٹ آیا اور عنایات شاہنشاہی سے نوازا گیا۔

ملا پیر محمد نے مکہ معظّمہ کی زیارت سے لوٹ کر خاقان کے دربار میں بلند رُتبہ پایا جس کی وجہ سے بیرم خان کے قہر کی آگ میں اُبال آ گیا اور اُس نے بغاوت کا جھنڈا لہرایا۔ خان اعظم اور ملا پیر محمد بادشاہ کے حضور سے اُس کی گوشمالی کرنے پر مامور ہوئے۔ بہت کشت و خون ہونے اور بے شمار لڑائیوں کے بعد بیرم خان مغلوب ہو گیا اور اپنی سابقہ خدمات کے حقوق کی رعایت میں جمال خان کو اپنے گناہوں کا شفیع بنا کر امان چاہی۔

اکبر بادشاہ نے اراکین سلطنت کی ایک جماعت کو اس کے استقبال کے لئے بھیج دیا اور وہ کمال عزت واکرام کے ساتھ اسے بادشاہ کے دربار میں لے آئے۔ اپنی گردن میں پگڑی کو لٹکاتے ہوئے بیرم خان بادشاہ کے قدموں کے تلے لڑھک کر زور زور سے رونے لگا۔ بادشاہ نے مہربان ہو کر اُس کے سر کو اُوپر اُٹھاتے ہوئے اسے پرانی جگہ پر بٹھا دیا اور فرمایا اگر سپہ گری کی رغبت رکھتے ہوئے تو کالپی اور چندیری کے علاقے دوں گا۔ اگر مجلس اقدس میں مصاحبت کی خواہش ہے تو اپنے ساتھ رکھوں گا اور اگر حرمین الشریفین کا ارادہ ہے تو عمدہ طریقے پر روانہ کر دوں گا۔ بیرم خان نے کہا میرے یہ سارے وسوسے اس لئے تھے کہ خدمت میں حاضر ہو کر خاطر اقدس سے غبار وملال کو دُور کروں۔ اللہ کا شکر ہے کہ میسر ہو چکا۔ اب مقامات شریف میں جا کر دعا گوئی میں مشغول ہونا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے پچاس ہزار روپے دے کر حج پر جانے کی اجازت دے دی۔ بیرم خان فراوان ساز وسامان کے ساتھ بیت اللہ کی طرف روانہ ہوا اور گجرات میں سہن سنگھ جھیل (۱۸۹) کے کنارے پر ٹہلتے ہوئے ۱۴ رجمادی الاوّل ۹۶۸ھ کو مبارک خان افغان (۱۹۰) کے ہاتھوں شہادت کا درجہ پایا۔ شہید شد محمد بیرام تاریخ (۱۹۱) ہے۔

اسی سال بادشاہ عالم رُبا نے ادہم خان اتکہ (۱۹۲) کو پوری آمادگی کے ساتھ مالوہ کو مسخر کرنے کے لئے مامور کیا۔ یار بہادر (۱۹۳) جنگ کے لئے آگے آیا لیکن منہ کی کھا کر برہان پور کی طرف بھاگ گیا اور بنگال کا صوبہ اراکین سلطنت کے قبضے میں آ گیا۔ اسی سال شیر خان عدلی نے چالیس ہزار افغان سوار فوجیوں کے ساتھ جون پور پر قابض ہونے کے ارادے سے دریائے گنگ کو پار کیا۔ علی قلی خان نے بارہ ہزار سوار لشکر کے ساتھ اس کا مقابلہ کر کے مغلوب کر دیا۔

سال ۹۶۹ھ (۱۹۴) میں بادشاہ خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوا اور لوٹتے وقت راجہ پورن مل کی بیٹی کو اپنے نکاح کے لئے پسند کیا۔ وہاں سے قلعہ میرٹھ کو مسخر کرنے کے لئے، جو راجہ مالدیو کے ممالک میں تھا، بھیج دیا۔ راجہ جگ مل اور دیوان داس قلعہ بند ہوئے اور محاصرہ نے طول پکڑ لیا۔ آخر صلح کے بہانے سے باہر آ گئے۔ راجہ جگ مل الگ ہو کر محفوظ رہا لیکن دیوان داس نے قلعہ کو آگ لگا دی اور بھاگ گیا۔ میرزا نے راستے میں ہی اس کو پکڑ لیا اور دو سو پچاس راجپوتوں کے سمیت قتل کر دیا اور قلعہ کو فتح کر لیا۔

اسی سال ملا پیر محمد نے مالوہ کے علاقہ کو یار بہادر کے خارِ مداخلت سے پاک کر کے قلعہ بیجانگر کو مسخر کر لیا۔ وہاں سے بادشاہ کے فرمان سے خاندیس پر لشکر کشی کر کے شہر برہان پور میں قتل عام کیا۔ اسی دوران برار کے حکمران کی مدد سے یار بہادر نے پھر شورش اٹھائی اور پیر محمد خان تیزی کے ساتھ برہان پور سے لشکر کشی کرتے ہوئے روانہ ہوا لیکن نربدا دریا میں اسکی زندگی کی ناو ڈوب گئی اور صوبہ مالوہ پر یار بہادر پھر سے قابض (۱۹۵) ہو گیا۔ اکبر بادشاہ نے کالپی کے حاکم عبداللہ خان کو یار بہادر کا فتنہ مٹانے کے لئے روانہ کیا اور یار بہادر خود میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا کر پہاڑوں کی طرف فرار کر گیا۔

اسی زمانے میں شمس الدین محمد خان اتکہ (۱۹۶) نے اُمورِ وکالت میں کلی اقتدار پایا تھا۔ اس کی حیثیت پر حسد کرتے ہوئے ادہم خان اتکہ نے ۹۷۰ھ (۱۹۷) میں اُسے دیوان میں جب کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا نصف شب کے وقت قتل کر دیا۔ شور اُٹھنے کی وجہ سے بادشاہ خواب استراحت سے بیدار ہوا اور ادہم خان کو ایوان کے اُوپر سے نیچے گرا کر اسے جان سے مار ڈالا۔ اسی سال آدم خان گھکھڑ کو قید کیا گیا اور اس کی جگہ

گھکھڑوں کے ملک کی حکومت کمال خان کے لئے مخصوص ہوئی۔

اسی سال شاہ ابوالمعالی جو دربار سے بھاگ کر مکہ معظّمہ چلا گیا تھا، واپس آ کر میرزا اشرف الدین حسین کے ساتھ مل گیا اور ناز لول میں آ کر دست اندازی کی۔ حسین قلی خان نے یوسف بیگ اور احمد بیگ کو اس کی مدافعت کرنے کو بھیجا اور خود شرف الدین میرزا کا مقابلہ کرنے کو چلا گیا۔ کمین میں رہ کر ابوالمعالی نے ان دونوں سرداروں کو قتل کر دیا اور خود محمد حکیم میرزا (۱۹۸) کے پاس کابل چلا گیا۔ وہاں محمد حکیم میرزا نے اپنی بہن اُس کے نکاح میں دے دی اور ملکی اُمور میں اسے دخیل بھی بنا دیا۔ ابوالمعالی بادشاہت کرنے کی فکر کرنے لگا اور اس نے اپنی ساس کو، جو ملک کی مختار تھی، سخت بے دردی کے ساتھ مار ڈالا اور میرزا، جو چھوٹی عمر کا تھا، کی وکالت کی باگ اپنے ہاتھوں میں لی۔ تب بدخشان سے سلیمان میرزا کابل آ گیا اور شاہ ابوالمعالی کو تلوار کی کاٹ سے گذار دیا اور میرزا اشرف الدین حسین ابوالمعالی کے بھاگ جانے کے بعد احمد آباد چلا گیا تھا۔ بادشاہ شکار سے فارغ ہو کر دہلی جا رہا تھا اور قتلق فولاد نے، جو شرف الدین حسین کے ملازموں میں سے تھا، بادشاہ کو قتل کر دینے کا قاصد بن کر دہلی کے بازار میں لوگوں کے اژدحام میں بادشاہ کے کندھے پر تیر مارا جو ایک بالشت اندر چلا گیا۔ قتلق فولاد کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے گئے اور سایہ الٰہی کو آٹھ روز میں شفا (۱۹۹) ہوئی۔ اس کے بعد بادشاہ آگرہ چلا گیا اور ہاتھیوں کا شکار کرنے کے لئے ترور؟ کی جانب سیاحت کی۔ وہاں سے مندو کی طرف یلغار کرتے ہوئے خلجی بادشاہوں کی عمارتوں کو دیکھا۔ برہان پور کے حکمران میران مبارک شاہ نے اطاعت کر کے اپنی بیٹی کو تحفہ خدمت میں دے دیا۔ وہاں سے شان وشکوہ والے علم آگرہ کی جانب بڑھے۔

سال ۹۷۱ھ (۲۰۰) میں سکندر خان اُوزبک اور ابراہیم خان اُوزبک نے، جن کی

بہار اور جون پور میں جاگیریں تھیں، اطاعت سے منہ موڑ کر علی قلی خان سیتانی، بہادر خان سیتانی، اور گڑھ (۲۰۱) اور مانکپور کے حاکم آصف خان ہروی کے ساتھ، جو سلطنت کے چیدہ اراکین میں سے تھے، مل کر قریب تیس ہزار عمدہ سوار فوجیوں کو اکٹھا کر کے بغاوت کا جھنڈا لہرایا اور کئی مقامات پر قبضہ کیا۔ بادشاہ مطلق نہ گھبرایا اور نہ ہی تشویش میں پڑا بلکہ شکار کے بہانے گڑھ کی طرف روانہ ہوا اور وہاں بغاوت اندیش امراء کی طرح طرح سے مدارات کی۔ لیکن سرکسی کے خیال سے باز نہ آ کر اُنہوں نے بغاوت جاری رکھی۔ اسی دوران حکیم محمد میرزا کے ایلچی کابل سے خبر لائے کہ میرزا سلیمان نے شاہ ابوالمعالی کو قتل کرنے کے بعد کابل میں خطبہ اپنے نام کر کے میرزا سلطان کو کابل کی حکومت پر بٹھا دیا اور خود بدخشان چلا گیا۔ میرزا محمد حکیم نے میرزا سلطان کو کابل سے نکال دیا۔ اب ایک بھاری فوج لے کر میرزا سلیمان آ گیا اور اس نے کابل پر قبضہ کر لیا اور محمد حکیم میرزا خود میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا کر پیشاور میں داخل ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے پنجاب کے امراء اور ملتان کے حاکم محمد قلی خان کے نام فرمان جاری کیئے کہ محمد حکیم میرزا کی مدد کر کے سلیمان میرزا کی بیخ کنی کریں بلکہ محمد حکیم میرزا کے خالو فریدون خان کو بھی اُس کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

فریدون خان نے اٹھک میں محمد حکیم میرزا کی خدمت میں حاضر ہو کر اُس کے دل میں یہ بات اُتار دی کہ بادشاہ اس وقت اُوزبکوں کے جھگڑے میں گرفتار ہے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ لاہور جا کر قلعہ پر قبضہ کیا جائے اور پنجاب کے امراء خود ہی آپس میں مشورہ کر کے میرزا سلیمان کو ہٹا دیں گے۔ فریب میں آ کر محمد حکیم میرزا لاہور روانہ ہو گیا اور لاہور کے حکام قطب الدین محمد خان اور میر محمد خان کو قلعہ میں محصور کر لیا۔ یہ خبر سن کر بادشاہ اُوزبکوں کی مہم کو تاخیر میں ڈال کر آگرہ کو منعم خان کی تحویل میں دیتے ہوئے ۱۴ جمادی الاول

۹۷۴ھ (۲۰۲) کو تیزی کے ساتھ لاہور میں داخل ہوا۔ محمد حکیم میرزا نے جب بادشاہ کے یلغار کی خبر سنی تو رُکے بغیر کابل تک پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (۲۰۳)۔

جب سردیوں کا موسم آ پہنچا تو سلیمان میرزا بدخشان چلا گیا اور محمد حکیم نے کابل پر قبضہ کرلیا۔ بادشاہ چند دنوں کے لئے لاہور آ کر مصروف رہا۔ وزیر خان (۲۰۴) نے شکار گاہ میں حاضر خدمت ہو کر آصف خان کی تقصیرات کی عذر خواہی کی ۔ بادشاہ نے اس کے گناہوں کو معاف کر کے وزیر خان کو پنج ہزاری منصب عطا کیا۔

ان ہی دنوں میں اُلغ میرزا (۲۰۵) اور شاہ میرزا نے ، جو محمد سلطان (۲۰۶) کی اولاد میں سے تھے ، فساد پیدا کر کے سنبل کے اطراف کو لوٹ لیا۔ منعم خان نے اُلغ بیگ میرزا (۲۰۷) کو گرفتار کر کے قلعہ بیانہ میں قید کر دیا جہاں وہ جی جان سے گیا۔ علی قلی خان سیتانی (۲۰۸) اور سکندر خان اُوزبک نے موقع غنیمت جان کر دو ہزار ہاتھیوں کی جماعت اور بے شمار لشکر کے ساتھ جون پور کا رُخ کیا۔ لاہور سے تیری کے ساتھ لوٹ کر بادشاہ مانک پور میں آ گیا۔ وہاں کشتی حاضر نہ تھی پس سندر نامی ہاتھی پر سوار ہو کر ایک سو فیل سواروں کے ساتھ دریا کو عبور کیا۔ علی قلی خان اور بہادر خان (۲۰۹) شراب نوشی اور مغنیہ کا رقص دیکھنے میں مصروف تھے ۔ جونہی بادشاہی نفیر کی آواز سنی تو صف آرائی کی اور مذکورہ سال کے ذی الحجہ ماہ کے غرہ کے دن جنگ کی آگ روشن ہوئی ۔ علی قلی خان اور خان زمان (۲۱۰) اور بہادر خان مارے گئے ۔ بادشاہ نے اُن کے سر پنجاب اور کابل بھیج دئے اور اُن کے آدمیوں اور مددگاروں کو ہاتھیوں کے پیروں تلے کچلنے کے لئے ڈال دیا۔ تاریخ

چو شد خان زمان باغی قطاغی زشاہ اکبر کہ مثلش نیست دیگر

تفنگی خوردواز عالم بدر رفت بہادر کشتہ شداز زخم خنجر

برای فتح شہ تاریخ جستم　　خرد گفتا: مبارک فتح اکبر (۲۱۱)

سکندر خان کشتی میں بیٹھ کر گورکھپور (۲۱۲) کو بھاگ گیا ور بادشاہ ۷ محرم ۹۷۵ھ (۲۱۳) کو ظفریاب اور فتح مند ہو کر آگرہ میں تشریف لے آیا۔ راہ میں شیوپور قلعہ فتح کیا اور شہاب الدین احمد خان کو مالوہ کی حکومت عطا ہوئی۔ قلعہ کاکرون سے بادشاہ رانا اُودن سنگھ کو ہٹانے کے لئے روانہ ہوا۔ رانا نے آٹھ ہزار راجپوتوں کو اور بہت سا ذخیرہ چنپورہ قلعہ میں، جو پہاڑ کے اُوپر ہے، چھوڑ کر خود اہل وعیال کے ساتھ پہاڑ کے قلب میں کہیں چھپ گیا۔ بادشاہ نے قلعہ مذکورہ کا محاصرہ کیا اور نقب لگا کر اس کی دیواروں کو آگ لگا کر گرا دیا۔ قلعہ بندوں نے تنگ آکر سارے مال واسباب اور اہل وعیال اور بچوں تک کو جلا کر راکھ کر ڈالا۔ اسلامی فوج کے سپاہی روشنی دیکھ کر اسی وقت قلعہ میں داخل ہو گئے اور جنگ کی آگ بھڑکا کر نصف دن تک دس ہزار لوگ قتل کئے جب کہ بادشاہی فوج کا صرف ایک آدمی شہید ہوا۔ آصف خان (۲۱۴) کو وہاں کی حکومت تفویض کر کے خاقان اکبر فتح مند وظفریاب ہو کر وہاں سے لوٹ آیا اور راہ میں جنگلی شیر کا شکار کیا۔

کچھ عرصہ بعد خبر پہنچی کہ ابراہیم حسین میرزا اور محمد حسین میرزا چنگیز خان گجراتی سے روگردان ہو کر مالوہ آ گئے ہیں اور اب اوجین کا محاصرہ کیا ہے۔ بادشاہ نے قلیج خان اندرجانی اور غیاث الدین بخشی کو ان کو ہٹانے پر متعین کیا۔ سراسیمہ ہو کر فسادی نربدہ دریا کو پار کر کے گجرات کی طرف لوٹ کر چلے گئے۔

۹۷۶ھ (۲۱۵) میں بادشاہ نے رتن پور قلعہ کو فتح کرنے کا عزم کیا۔ راجہ سورجن نے قلعہ بندی اختیار کی۔ آخر توپوں کی ضربوں سے عاجز آ کر امان مانگی اور قلعہ مع دفینوں اور خزانوں کے بادشاہ کے تصرف میں آ گیا۔ وہاں سے بادشاہ اجمیر شریف کی زیارت سے

مشرف ہو کر آگرہ میں لوٹ آیا۔

سال ۹۷۷ھ (۲۱۶) کے ربیع الاول ماہ کی ۱۷ تاریخ کو حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کے دعا کی برکت سے شاہزادہ سلیم پیدا ہوا اور بادشاہ نے اُس کے شکرانے میں تمام قیدیوں کو رہا کیا اور اس نذر کو وفا کرنے میں، جو بیٹے کے لئے کیا تھا، اجمیر شریف تک پیدال چل کر سفر کیا۔ ان ہی ایام میں قلعہ کالنجر اراکین سلطنت کے قبضے میں آ گیا۔

سال ۹۷۸ھ (۲۱۷) میں شاہزادہ مراد پیدا ہوا۔ بادشاہ دوسری بار پیدل چل کر اجمیر گیا اور وہاں سے ناگور تشریف لے گیا۔ مالدیو کے بیٹے چندر سین اور رائے کلیان مل نے کثیر ہدایا پیش کئے اور کلیان مل کر بیٹی سرہانے کی زینت بن گئی۔ وہاں سے شیخ فرید شکر گنجؒ (۲۱۸) کی زیارت کرنے کا اجودھن جا کر فیض پایا۔ وہاں سے دیالپور کی راہ سے لاہور آیا۔ سال ۹۷۹ھ کے غرہ ماصفر (۲۱۹) کے دن حصار فیروزہ کی سیاحت کے لئے تشریف لے گیا اور پھر اجمیر شریف آ کر وہاں سے آگرہ کا رُخ کیا۔ اسی وقت میں سکندر خان اُوزبک نے جو پہلے روگردان ہو گیا تھا، منعم خان کی شفاعت کرنے پر جرموں کے عفو ہو جانے کا خلعت پہن لیا اور اسی سال سیکری کے مقام پر فتح پور نام کا شہر بسایا۔

۹۸۰ھ (۲۲۰) میں گجرات میں بھاری فساد ہوا۔ بادشاہ نے عزم کی باگ اجمیر شریف کی زیارت کی طرف موڑ لی اور خان کلان کو ہراول کے طور پر پہلے روانہ کر دیا۔ جودھپور کی حکومت پر رائے سنگھ کو متعین کر کے خود گجرات چلا گیا۔ ۲۵/ جمادی الاول ۹۸۰ھ کو شاہزادہ دانیال پیدا ہوا۔ جب بادشاہ گجرات کے شہر پٹن میں شان وعظمت کے ساتھ اُترا تو شیر خان فولادی فرار کر گیا اور سید احمد خان کو وہاں کی حکومت پر مقرر کر کے بلند قدر علم احمد آباد کی طرف پھیر دئے گئے۔ سلطان محمد گجراتی، میرزا ابوتراب کے ساتھ بساط بوسی کی

عزت سے مشرف ہوا۔ دوسرے روز گجرات کے دس امراء نذر و ہدایا پیش کر کے آستان بوسی سے مستفیض ہوئے لیکن سب کے سب قیدی بنا دئے گئے اور احمد آباد کا شہر بغیر کسی جنگ کے مسخر ہوا۔ اس کے بعد مبارک شاہی چتر کا سایہ کھمبایت کی بندرگاہ پر پڑا اور خان عزیز کوکہ کو احمد آباد کا حاکم بنا دیا گیا۔ ابراہیم حسین میرزا نے بادشاہ کے نزدیک آنے کی خبر پا کر چاہا کہ پنجاب جا کر فتنہ انگیزی کرے۔ بادشاہ نے مختصر سی جماعت کے ساتھ اس باغی پر چڑھائی کی اور ایک سو پچاس سوار سپاہیوں کے ساتھ ابراہیم حسین میرزا کی فوج کے ساتھ، جن کی تعداد تین ہزار سے زائد تھی، جنگ کی۔ اس جنگ میں راجہ بھگوان داس کا بھائی مارا گیا۔ آخر کار تنگ آئے بغیر ابراہیم حسین نے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس کے بعد بادشاہ نے سورت قلعہ کا رُخ کیا اور کامران میرزا کی بیٹی گلرُج بیگم، جو ابراہیم حسین میرزا کی بیوی تھی، قلعہ کو جنگی سپاہیوں کے حوالے کر کے اپنے فرزند مظفر میرزا کے ساتھ دکھن چلی گئی۔ ابراہیم حسین نے ناگور پہنچ کر وہاں کے حاکم رائے سنگھ (۲۲۱) کے ساتھ جنگ کی لیکن شکست کھائی۔ جب دہلی پہنچا تو لاؤلشکر جمع کر کے سنبل میں آیا اور محمد حسین میرزا، شاہ میرزا اور شیر خان فولادی سے متفق ہو کر آٹھ ہزار سوار لشکر کے ساتھ سید احمد خان بارہہ (۲۲۲) کا قلعہ پٹن میں محاصرہ کیا۔ اور خان اعظم احمد آباد سے اُن کو ہٹانے پر مقرر ہوا۔ مخالفین نے مقابلہ کرنے کے لئے جنگ کی اور ایک عظیم لڑائی ہوئی۔ مخالفین کو تتر بتر ہو کر شکست ہوئی اور بادشاہ نے سورت قلعہ کی سرکوبی کی۔ اہالیان قلعہ نے امان چاہی اور قلعہ درگاہ کے ملازمین کے سپرد ہوا اور بادشاہ نے احمد آباد کا رُخ کیا۔ ان ہی ایام میں شرف الدین حسین میرزا (۲۲۳) کو، جو دس سال کی مدت سے بغاوت کے لباس میں پہاڑوں میں گھوم رہا تھا، راجہ بہادر (۲۲۴) نے گرفتار کر کے حضور میں پیش کر دیا۔ چابک مارے جانے کی سزا پا کر اسے قلعہ گوالیار میں قید کیا گیا۔

۹۸۱ھ (۲۲۵) کے صفر کی دوسری تاریخ کو بادشاہ اجمیر کے راستے سے حکومت کے مرکز میں داخل ہوا۔ ابراہیم حسین میرزا سنبل سے کوچ کر کے پنجاب پہنچا۔ حسن قلی خان نے یوسف خان کے ساتھ اُس کا پیچھا کر کے ٹھٹھ کے علاقے میں پکڑا اور اس کا سر درگاہ میں پیش کیا اور اس کا بھائی مسعود حسین گوالیار میں قید ہوا۔ ربیع الاول مہینے میں گجرات سے خان اعظم کی عرضداشت پہنچی کہ اختیار الملک اور محمد حسین میرزا نے باہمی اتفاق سے گجرات کے اکثر مقامات پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب انہوں نے احمد آباد کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ اگر ذات اقدس خود متوجہ ہوں تو عین مناسب ہوگا۔ ان ایام میں برسات کی وجہ سے بہت زیادہ فوج تیزی کے ساتھ نہیں جا سکتی تھی، اس لئے بادشاہ نے تیز رفتار سواروں کو جن کی تعداد دو ہزار تھی منتخب کر کے ہراوّل کے طور پر پہلے روانہ کر دیا اور خود بذات تین سو آدمیوں کے ساتھ جن میں سے اکثر امراء اور منصب دار تھے، تیز رفتار اونٹوں پر سوار ہو کر اور گھوڑوں کو خاص سواری کے لئے ہمراہ لیتے ہوئے روانہ ہوئے۔ ایک ہی دن میں چار منزلوں کو طے کرتے ہوئے نو دنوں میں گجرات کے شہر پٹن میں ہراوّل فوج کے ساتھ پہنچ گئے۔ فتح نشان جھنڈے کے سائے میں کل تین ہزار سواروں نے جمع ہو کر احمد آباد کا رُخ کیا۔ محمد حسین میرزا اور مختار الملک، جو بادشاہ کی یلغار سے بے خبر تھے، شاہی کوس ونقاروں کی آوازوں سے سراسیمہ ہو کر سامان جنگ کو ترتیب دینے لگے اور اختیار الملک پانچ ہزار سواروں کے ساتھ احمد آباد کے دروازوں کی حفاظت کرنے کی طرف متوجہ ہوا اور محمد حسین میرزا، شیر خان فولادی کے ساتھ متفق ہو کر سات ہزار مغل اور راجپوت سوار سپاہیوں کے ہمراہ بادشاہ کا مقابلہ کرنے نکلا۔ خاقان اکبر دریا کو پار کر کے میدان جنگ میں آ گیا۔ محمد حسین فدا ہونے والے ڈیڑھ ہزار مغل سواروں کے ساتھ جنگ میں ڈٹ گیا اور میمنہ و میسرہ سے حملے کر کے

حرب وضرب کا بازار گرم کیا۔ غضبناک شیر کی طرح بادشاہ نے درمیان میں سے نکل کر اور یا معین! یا معین کہتے ہوئے محمد حسین خان پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ کا نام سنتے ہی میرزا حواس باختہ ہو کر بھاگ گیا اور راہ میں زین سے الگ ہو کر زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ کے دلاور سپاہیوں نے اُسے گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا (۲۲۶)۔ بادشاہ دوسو سواروں کی جماعت کے ساتھ پشتہ کے نیچے خان اعظم کے انتظار میں تھا۔ اچانک مختار الملک پانچ ہزار سواروں کے ساتھ بادشاہ کے مقابلے میں آ کر جنگ کرنے لگا۔ جب بادشاہ کا نام سنا تو بے اختیار راہ فرار اختیار کی۔ اسی وقت جب بادشاہ مختار الملک کی مدافعت میں مصروف عمل تھا، رائے سنگھ نے بادشاہ کے حکم کے بغیر محمد حسین میرزا کو قتل (۲۲۷) کر دیا اور مختار الملک دربار کے جان قربان والوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مارا (۲۲۸) گیا۔ اس کے بعد خان اعظم عزیز کوکہ خدمت میں پہنچا اور بادشاہ اسی روز احمد آباد میں داخل ہو کر گجرات کی حکومت بدستور خان اعظم کو دے دی۔ کل دوسرے دن اجمیر شریف کے راستے سے دار الخلافہ کا رُخ کیا۔

اور اسی سال داود بن سلیمان گجراتی نے جو بادشاہ کی طرف سے بنگال کا حاکم تھا ، بغاوت کی اور منعم خان ملقب بہ خان خانان کو اسکی مدافعت کرنے کا حکم دیا گیا۔ بہت سی جنگیں لڑنے کے بعد داؤد خان کشتیوں میں بیٹھ کر ٹھٹھ کی طرف بھاگ گیا اور منعم خان نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے دریائے سون کو عبور کر کے پٹنہ قلعہ کا محاصرہ کیا۔ بادشاہ جان گیا کہ منعم خان سے پٹنہ فتح نہیں ہو سکے گا، اس لئے بذات خود شاہزادوں اور امراء کے ساتھ ایک ہزار کشتیوں میں بیٹھ کر عین بارش میں جون پور پہنچ گیا۔ شاہزادوں اور حرم کو وہاں چھوڑ کر خود پٹنہ کا رُخ کیا۔ اس وقت کبیر خان نے، جو بھکر قلعہ (۲۲۹) کو فتح کرنے گیا تھا، بھکر

کا فتح نامہ بھیجا۔ اسے ایک نیک فال جان کر بادشاہ دریا کی راہ سے پٹنہ پہنچ گیا۔ اسی روز عیسیٰ خان نیازی قلعہ سے نکل کر منعم خان کے جنگ میں مارا گیا اور بادشاہ نے خان عالم کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ حاجی پور قلعہ (۲۳۰) فتح کرنے کے لئے مقرر کیا اور وہاں پہنچ کر اُس نے فتح خان سے قلعہ چھین لیا۔ داؤد بن سلیمان ڈر کر رات کے وقت کشتی میں بیٹھ کر بنگال کی طرف چلا گیا۔ بادشاہ نے اس کے تعاقب کرنے میں عجلت کرتے ہوئے دن کے ایک پہر میں پچیس کروہ طے کر کے اس سے چار سو ہاتھی چھین لئے اور لوٹ آیا اور پٹنہ کو ضبط کرنے کے بعد اسے منعم خان کہ حوالے کر کے خود آگرہ لوٹ گیا۔

اسی دوران خواجہ مظفر علی تربتی (۲۳۱) کو مظفر خانی کا خطاب دے کر قلعہ رہتاس کو بنگال و بہار میں فتح کرنے پر مامور کیا اور خود اجمیر جا کر قریب دو لاکھ روپے نقد و جنس حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ کے خدام اور سید حسن خنگ سوارؒ کے مجاوروں اور مستحقین کو دے کر آگرہ لوٹ آیا۔ مظفر خان، جو بنگال جا چکا تھا، جب قلعہ گڈی، جو بنگال کا دروازہ ہے، پہنچا تو داؤد بن سلیمان مقابلہ کرنے کی طاقت خود میں نہ پا کر اوڑیسہ کی طرف بھاگ گیا۔ مظفر خان نے اس کا پیچھا کر کے اُس کے ساتھ جنگ کی۔ اسی اثنا میں خان عالم جو مظفر خان کا ہراوّل تھا گوجر خان کے ہاتھوں، جو افغان فوج کا ہراوّل تھا، مارا گیا۔ جس کی وجہ سے شاہی فوج میں انتشار پیدا ہوا لیکن مظفر خان نے ایک قلیل جماعت کے ساتھ گوجر خان کا مقابلہ کر کے اسے تلوار کی کاٹ سے گذار دیا اور داؤد بن سلیمان مغلوب ہو کر بھاگ گیا اور دشمن کے سارے ہاتھی پکڑ لئے گئے۔ راجہ ٹوڈرمل داؤد خان کے تعاقب میں گیا اور وہ بدسرشت کفن پہن کر جنگ کرنے کے لئے لوٹ آیا۔ ٹوڈرمل اس سے لڑنے میں عاجز آ گیا اور اس نے مظفر خان کو پیغام بھیجا اور زخموں کے باوجود مظفر خان دوڑ کر چلا آیا۔ داؤد

بن سلیمان خود بخود مظفر خان کے پاس آیا ور کمر کا خنجر، ایک مرصع شمشیر اور قیمتی جواہرات پیش کیئے۔ مظفر خان نے اوڑیسہ اور گنگ و بنارس کی حکومت اسے دے دی اور لوٹ آیا۔

منعم خان نے ۱۹/ رجب ۹۸۳ھ (۲۳۲) کو زندگی کی امانت تسلیم کی۔ بادشاہ نے حسن قلی خان ترکمان کو خان جہانی کا خطاب دے کر اُسے بنگال کی حکومت پر متعین کر دیا۔ ان ہی دنوں میں سلیمان میرزا نے اپنے پوتے شاہ رُخ میرزا کی مخالفت کی وجہ سے جلای وطن ہو کر دربار کا رُخ کیا اور کچھ عرصہ بعد بیت اللہ چلا گیا۔ زیارت کے بعد اسی راہ سے بدخشان آ کر دوسری بار حکومت پر فائز ہوا۔ حسن قلی خان ابھی بنگال پہنچا نہیں تھا کہ داؤد بن سلیمان نے بہار اور بنگال کے افغانوں کے ساتھ متفق ہو کر ٹانڈہ خواص پور (۲۳۳)، جو بنگال کی حکومت کا مرکز ہے، یلغار کر کے اس علاقے پر قبضہ کر لیا۔ قریب پچاس ہزار افغان اُس کے پاس جمع ہو گئے تھے کہ حسن قلی خان گڈی کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے عملہ نے پہلے قلعہ کو فتح (۲۳۴) کیا اور قریب ایک ہزار پانچ سو افغانوں کو قتل کر ڈالا۔ وہاں سے داؤد بن سلیمان کو ہٹانے کے لئے روانہ ہوا۔ وہ پچاس ہزار کی سوار جماعت کے ساتھ مقابلے میں آ کر جنگ میں ڈٹ گیا اور بے شمار لوگ طرفین کے مارے گئے۔ آخر داؤد بن سلیمان شکست کھا کر بھاگ گیا اور لشکر کے دلیروں نے اس کا پیچھا کر کے گرفتار کر لیا اور خان کے پاس زندہ لا کر اُسے تلوار کی کاٹ سے گذار دیا گیا۔ وہاں سے مظفر خان نے پٹنہ کا رُخ کیا۔

سال ۹۸۴ھ (۲۳۵) میں رہتاس قلعہ کو مسخر کرنے کے لئے علم لہرایا۔ محمد معصوم خان (۲۳۶) نے۔ جو اُس کے مددگاروں میں سے تھا، راہ میں حسین خان افغان کو شکست دی اور کالا پہاڑ، جو ایک جرار دلاور اور قلعہ دار تھا، کے ساتھ جنگ کی۔ خاصی جنگ ہونے کے بعد کالا پہاڑ مارا گیا اور ایاز کے ہاتھی کو بھی پکڑ لیا گیا اور رہتاس کا قلعہ فتح ہوا۔ اسی سال

میں شاہباز خان نے راجہ کنجوتی (۲۳۷) کو ہرا کر شیر گڈ قلعہ کو فتح کیا۔ ان دنوں بادشاہ اجمیر شریف کی زیارت کو گیا اور وہاں سے شکار کھیلتا ہوا دکھن کی جانب روانہ ہوا۔ اس علاقہ کا انتظام کرنے کے بعد دارالخلافہ فتح پور کا رُخ کیا۔

۹۸۵ھ (۲۳۸) میں پھر اجمیر شریف کی زیارت سے مشرف ہوا۔ عادت قدیم کے بموجب ایک کروہ سے ننگے پاؤں چل کر درگاہ میں حاضر ہوا۔ وہاں مظفر خان کو وزارت کا خلعت پہنا کر دہلی کا رُخ کیا۔ ان ایام میں دُم دار ستارہ طلوع ہوا۔ دہلی سے شیخ فرید شکر گنجؒ کی زیارت سے فائض ہو کر فتح پور سیکری میں پرتو نزول ڈال دیا (۲۳۹)۔

۹۸۶ھ میں خاندیس کے حکمران نے مظفر حسین میرزا (۲۴۰) کو قید سے نکال کر دربار میں بھیج دیا اور بادشاہ نے اُپنی پشت کی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا۔ اسی سال فتح پور کے فراش خانہ کو آگ لگ گئی اور اس قدر مال و متاع نذر آتش ہوا کہ حساب میں نہیں آ سکتا۔

ان ہی ایام میں حسن قلی خان ترکمان کا انتقال ہوا۔ اسکی رحلت کے بعد افغانوں نے قوت پکڑ کر فتنہ و فساد برپا کیا۔ بادشاہ نے خان اعظم کو ان کی مدافقت کے لئے بھیجا۔ فرصت کو غنیمت جان کر محمد حکیم میرزا نے لاہور پر قبضہ کرنے کی تیاری کی اور ۱۱ محرم ۹۸۹ھ (۲۴۱) کو قلعہ لاہور کا محاصرہ کر لیا۔

بنگال اور بہار میں فساد ہونے کے باوجود بادشاہ نے کابل کا رُخ کیا۔ جب سرہند پہنچا تو محمد حکیم میرزا ڈر کر کابل چلا گیا اور شاہ منصور شیرازی (۲۴۲) کو بادشاہ عالم نے محمد حکیم میرزا کے ساتھ سازش کرنے کی وجہ سے پھانسی دے دی۔ بلند قدر روشان والا علم جب جلال آباد میں پہنچا تو شاہزادہ سلیم کو وہاں چھوڑ کر شاہزادہ مراد کو ہراوّل کے طور پر آ گئے بھیج دیا۔ محمد حکیم میرزا نے لشکر آراستہ کر کے شاہزادہ کے مقابلے میں صفیں درست کر لیں اور کافی

جنگ وجدل کے بعد میدان جنگ سے بھاگ گیا اور تعاقب کیئے جانے کے دوران اسکی فوج کے بہت آدمی ہلاک ہوئے۔ بادشاہ نے ماہ صفر کو کابل میں داخل ہوا۔ محمد حکیم میرزا غور بند کی طرف فرار کر گیا اور وہاں سے ایلچیوں کو بھیج کر اپنے جرموں کی معافی چاہی۔ بادشاہ نے اسے خطاؤں کی معافی سے سرفراز کیا اور کابل کے لوگوں کو عمدہ خلعتیں دیں۔ ۱۴/ ماہ صفر کو واپسی کا کوس بجاتے ہوئے دریائے نیلاب کے ساحل پر پہنچا اور وہاں ایک سنگین ومحکم قلعہ بنوا کر اسے اٹھک (۲۴۳) کا نام دیا۔ ۱۹/ رمضان کو فتح پور سیکری میں قدر و منزلت کے ساتھ اُترا۔ شاہباز خان کو، جو ایک معاملے کی بنا پر قید ہو چکا تھا، قید سے نکال کر بنگال کی لشکر کی مدد کو بھیجا۔ اسہال کی تکلیف کے باعث بادشاہ چند دنوں کے لئے بیمار تھا آخر شفا پائی۔

۹۹۱ھ کے شوال مہینے میں بادشاہ نے جوشی پریاگ (۲۴۴) میں آکر الہ آباد شہر بسایا اور سلطان مظفر گجراتی وہاں بساط بوسی کی عزت پا کر خوب جاگیروں سے نوازا گیا۔ کچھ عرصہ بعد بھاگ کر چلا گیا اور شیر خان کے ساتھ متفق ہو کر گجرات میں شورش اٹھائی۔ اعتماد خان (۲۴۵) اور شہاب الدین، جو گجرات کے حاکم تھے، اس کے ساتھ جنگ میں عاجز آگئے اور شکست کھا کر پٹن چلے گئے۔ بادشاہ نے مظفر خان کی مدافعت کے لئے بیرم خان کے بیٹے میرزا عبدالرحیم کو مامور کیا۔ مظفر خان نے بڑودہ کا قلعہ فتح کر لیا اور شاہی ذخیرے سے چودہ لاکھ روپے نکال کر قطب الدین خان (۲۴۶) بڑودہ کے حکمران کے اموال کے سمیت جو دس کروڑ سے بھی اُوپر تھی، لوٹ کے لئے گیا۔ وہاں سے احمد آباد آکر خیل وحشم کو جمع کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ میرزا عبدالرحیم جب پٹن پہنچا تو شہاب الدین کے ساتھ مل کر احمد آباد میں آیا اور ۱۵/ محرم ۹۹۲ھ (۲۴۷) کو جنگ ہوئی۔ طرفین سے ایک کثیر جماعت

ماری گئی۔ آخر مظفر خان شکست کھا کر احمد آباد میں سے نکل کے جام میں کھمایت کی راہ سے پناہ گزین ہوا۔ عبدالرحیم میرزا (۲۴۸) نے بروج قلعہ کا محاصرہ کرنے کے لئے قلیچ خان (۲۴۹) کو بھیج دیا اور خود احمد آباد میں آ گیا اور مظفر خان کا سالا نصیر خان، جو قلعہ بروج کا حاکم تھا، آٹھ ماہ کے محاصرہ کے بعد دکھن کی طرف بھاگ گیا اور قلعہ فتح ہو گیا۔ مظفر خان نے جام اور جونا گڈھ کے حاکم کی مدد سے جماعت تیار کر کے احمد آباد پر یلغار کیا۔ عبدالرحیم اُس کے مقابلے میں آ گیا اور مظفر خان سراسیمگی کی حالت میں جنگل کی طرف بھاگ نکلا اور حسن خدمات کے صلہ میں عبدالرحیم کو خان خانانی کا خطاب عطا ہوا۔

اسی سال شاہ ابوالفتح نے دکھن سے آ کر عضد الدّولہ کے خطاب سے اختصاص پایا ورُاسی کی تحریک پر بادشاہ نے دکھن کے ممالک کو مسخر کرنے کا ارادہ کر کے خان اعظم اور عضد الدّولہ کو دکھن فتح کرنے پر مامور کیا۔ خان اعظم نے لشکر کی جمعیت کے ساتھ دکھن میں داخل ہو کر ایلچی پور کو غارت کیا۔ میرزا محمد تقی اور راجہ علی خان جنگ کرنے کو نکلے۔ خان اعظم مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پا کر دکھن سے باہر آ گیا اور عبدالرحیم گجرات سے حضور کے پاس چلا گیا۔ فرصت پا کر مظفر خان گجراتی نے قریب دس ہزار سپاہی اکٹھے کر کے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کیا۔ آخر کچھ کام بن نہ پڑنے پر بھاگ نکلا۔ اسی سال میرزا سلیمان کے پوتے شاہ رُخ میرزا (۲۵۰) نے عبداللہ خان اُوزبک (۲۵۱) کے غالب آ جانے کی وجہ سے دربار کا رُخ کیا اور امراء عظیم کے حلقہ میں شامل ہو گیا۔ ان ہی ایام میں راجہ بھگوان داس کی بیٹی کا عقد شاہزادہ سلیم سے ہوا اور اسی سال کابل میں خاقانِ زمان کے برادر محمد حکیم میرزا کا کابل میں انتقال ہو گیا اور عبدالرحیم خان گجرات کی حکومت کا مختار بن گیا۔

ان ہی دنوں میں بادشاہ نے لاہور کا رُخ کیا اور راجہ مان سنگھ کابل کی حکومت پر

فائز ہوا۔ لاہور میں چند دنوں کے قیام کے بعد بلند قدر علم قلعہ اٹھک کی جانب اُٹھے اور وہاں راجہ بھگوان داس، شاہ قلی خان (۲۵۲) اور شاہ رُخ میرزا کو پچاس ہزار سواروں کے ساتھ کشمیر کو فتح کرنے پر مقرر کیا۔ زین خان کوکہ (۲۵۳) کو آراستہ فوج کے ساتھ سواد بجور کے افغانوں کی سرکوبی کے لئے مامور کیا۔ اُس کے پیچھے سعید خان گھکڑ اور شیخ فیضی وغیرہ نے زین خان کی مدد کے لئے ایک بھاری لشکر روانہ کی۔ لیکن ایسی لشکر کے باوجود اُنہیں افغانوں کے ہاتھوں شکست ہو کر ان کے قریب آٹھ ہزار سپاہی قتل ہوئے۔ بادشاہ اٹھک سے لاہور آ گیا۔ شاہ رُخ میرزا اور راجہ بھگوان داس نے کثرت برف وباران اور قحط غلہ کے سبب تنگ آ کر کشمیریوں سے صلح کر لی اور یوسف شاہ چک کو اپنے ساتھ لا کر لاہور میں بساط بوسی کی عزت سے فائز ہوئے۔ بادشاہ نے مصالحت کو قبول نہ کرتے ہوئے یوسف شاہ کو قید میں ڈال دیا۔

۹۹۴ھ (۲۵۴) میں امیر بحر محمد قاسم خان کابلی (۲۵۵) کو ایک جماعت کے ساتھ دوسری بار کشمیر کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ کشمیر کے لوگ چونکہ آپس میں جھگڑوں میں اُلجھے ہوئے تھے، شاہی فوج کشمیر میں داخل ہو کر قابض ہوگئی۔ چنانچہ اس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں گذر چکی۔ اسی سال شاہزادہ سلیم کو شاہزادہ خسرو نام بیٹا ہوا اور اسی سال جلالہ، جو درہ خیبر میں باغی ہو گیا تھا، حمزہ بیگ ترکمان کے ہاتھوں باغیوں کی ایک جماعت کے ساتھ قتل ہوا۔

۹۹۶ھ میں بادشاہی علم خطہ کشمیر پر سایہ انداز ہو کر وہاں کے سرکشوں کا صحیح تدارک کر کے لوٹ آیا اور یوسف خان مشہدی نے کشمیر کی حکومت کا اقتدار پایا۔ کشمیر سے واپس ہو کر صادق خان کو سواد بجور کے افغانوں کو ہٹا دینے پر مامور کیا گیا۔

۹۹۷ھ میں بدکردار یادگار کی سرکوبی کے لئے کشمیر کی طرف جانا ہوا۔ اس مقام کی سیر گلگشت کرکے ارادے کے گھوڑے کو کابل کی سیاحت (۲۵۶) کے لئے مہمیز لگائی اور قلیچ خان کو حکومت کشمیر پر مقرر کیا۔

۹۹۸ھ کے محرم مہینے میں واپسی کا علم لاہور میں بلند کیا اور خان اعظم (۲۵۷) کا مالوہ سے تبادلہ ہوا اور اُسے گجرات کی حکومت پر متعین کردیا گیا۔ گجرات کے انتظام کے بعد جام (۲۵۸) پر، جو گجرات کے مضافات کے زمینداروں میں سے تھا، لشکر کشی کی اور جام جونا گڈھ کے حکمران دولت خان سے متفق ہوکر بیس ہزار سواروں کے ساتھ مقابلہ کرنے کو آیا اور ایک عظیم جنگ (۲۵۹) ہوئی۔ جس میں بہت سے نامور امراء قتل ہوئے۔ جام کا بڑا بیٹا چار ہزار راجپوتوں کے ساتھ لقمہ اجل ہوا اور خان اعظم فتحیاب اور کامران ہوکر واپس چلا گیا۔

۹۹۹ھ میں خان خانان کو امراء کی ایک جماعت اور سو ہاتھیوں کے گروہ کے ساتھ سندھ فتح کرنے اور بلوچوں کی سرکوبی کے لئے حکم ملا۔ سندھ کا حکمران میرزا جانی جنگ کے لئے آگے آیا اور آٹھ ماہ (۲۶۰) تک آتش کارزار جاری اور روشن رہا اور جانبین کے بہت سے آدمی ہلاک ہوئے۔ دونوں طرف کے آپسی دشمنوں کی فوج میں قحط پڑا۔ بالآخر میرزا جانی نے اپنی بیٹی کا خان خانان کے بیٹے (۲۶۱) کے ساتھ عقد کرکے صلح کرلی (۲۶۲)۔

۱۰۰۱ھ میں بادشاہ نے تیسری بار کشمیر کی سیر و سیاحت کے لئے سایہ افگن ہوا اور اس علاقے کا سیر و تماشا کرکے رہتاس پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت خان خانان نے سندھ کے حکمران میرزا جانی کو خدمت میں حاضر کیا۔ میرزا جانی امراء عظام کے حلقہ میں اور سندھ اراکین سلطنت کے تصرف میں آگیا۔

اسی سال خان اعظم میرزا عزیز کوکہ کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مظفر خان گجراتی نے حجام کے اُسترے (۲۶۳) سے خود کو مار ڈالا۔ خان اعظم نے اس کا سر کاٹ کو حضور میں بھیج (۲۶۴) دیا۔ اسی سال راجہ مان سنگھ قتلوی افغان کے خلاف جنگ میں غالب آ گیا اور اوڑیسہ کو جو بنگال کی انتہا ہے، اُن کے تصرف سے نکال کر ایک سو بیس ہاتھیوں کو مال غنیمت کے طور پر پایا اور انہیں بادشاہ کی نظر سے گذار دیا۔ اسی سال شہنشاہ کی اجازت کے بغیر خان اعظم اپنے فرزندوں اور عیال کے ہمراہ حرمین الشریفین کی زیارت سے فائز ہوا اور اسکی جگہ شہزادہ مراد مقرر ہوا۔ اسی سال (۲۶۵) سلطان حسین میرزا کے فرزند میرزا رستم نے بھائی کے غالب آ جانے پر قندہار کا قلعہ اراکین سلطنت کے حوالے کر دیا اور وہ بادشاہ کی طرف سے ملتان کی حکومت پر فائز ہوا۔ اور اسی سال خان خانان (۲۶۶) دکھن کی تسخیر پر مامور ہوا۔ جب وہ منڈو پہنچا تو برار کے حکمران برہان نظام شاہ بحری کا بیٹا مقابلہ کرنے کو نکلا اور احمد نگر قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ شہزادہ مراد اور خان خانان نے لشکر اور امراء کے ساتھ احمد نگر میں داخل ہو کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور نقب لگائے۔ حسین نظام شاہ بحری کی بیٹی چاند بی بی نے مردانہ وار اُن کا مقابلہ کیا اور محاصرہ تین ماہ تک طول پکڑ چکا۔ کئی جنگیں لڑنے کے بعد صلح ہوئی اور برار کا ملک اراکین سلطنت کے تصرف میں آ گیا۔ احمد نگر مع مضافات کے بہادر شاہ بحری کے قبضے میں رہا۔ غرض طرفین میں عہد و پیمان ہو جانے کے بعد شہزادہ اور خان خانان نے برار کی طرف کوچ کیا اور بالا پور کے قریب شاہ پور نام شہر بسایا۔

کچھ عرصہ بعد چاند بی بی اور نظام شاہ بحری کے بیٹے بہادر شاہ (۲۶۷) نے شورش اٹھائی اور عادل شاہ اور قطب شاہ سے مدد چاہی اور مغل امراء کے خلاف جنگ کرنے کے ارادے سے پچاس ہزار سوار سپاہیوں کے ساتھ برار کا رُخ کیا۔ خان خانان اور شہزادہ

مقابلے میں بیس ہزار سواروں کے ساتھ آ کر جنگ میں مشغول ہو گئے۔ کافی جنگ وجدل اور کشت وخون کے بعد مخالفین مغلوب ہو گئے اور خان خانان فتح مندی کا نقارہ بجاتے ہوئے شاہ پور میں آیا اور اُسے گھوڑا اور خلعت (۲۶۸) عطا کیا؟ کچھ عرصہ بعد شہزادہ اور خان خانان کے درمیان ملال کا غبار اُٹھ گیا اور بادشاہ نے خان خانان کو اپنے حضور میں طلب کر کے یوسف خان مشہدی اور ابوالفضل کو شہزادہ کے پاس بھیج دیا۔ یوسف خان نے ترنالہ، کارپل اور کھڈہ کو، جو برار کے علاقے ہیں، فتح کر لیا۔

ان ہی ایام میں شوال کے مہینے میں شاہزادہ مراد نے وفات (۲۶۹) پائی اور نظام شاہی امراء نے پھر سے غلبہ کر کے دبیر قلعہ کا محاصرہ کیا۔ سید یوسف خان اور ابوالفضل ان سے مقابلہ کرنے میں عاجز آ گئے۔ بادشاہ نے خان خانان کے ساتھ مدارات و دلجوئی کرتے ہوئے اس کی بیٹی جانی بیگم کو شہزادہ دانیال کے ساتھ عقد کے لئے نامزد کیا اور حسن اتحاد کے ساتھ دونوں کو ممالک دکھن کی تسخیر کے لئے روانہ کیا اور خود بھی شایان شان وشوکت کے ساتھ اُن کی پشت گرمی کے لئے دکن کا رُخ کیا۔ خان خانان اور شہزادہ نے تیس ہزار سواروں کے ساتھ احمد نگر قلعہ کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ بہادر شاہ (۲۷۰) نے امان چاہی اور قلعہ آسیر بھی بادشاہ کے ملازمین کے حوالے کر دیا اور خزانے اور اسلحہ اور مال و متاع جس کا کوئی شمار نہ تھا ارکین سلطنت کے تصرف میں آ گیا۔ حکم عالی کے مطابق شہزادہ اور خان خانان نے برہان پور سے آ کر احمد نگر کا مال غنیمت نظر سے گذار دیا۔ صلح کا طلب گار بن کر ابراہیم عادل شاہ (۲۷۱) نے اپنی بیٹی شہزادہ دانیال کے نکاح میں دے دی۔ اور آسیر، برہان پور، احمد نگر اور برار کے علاقے بیٹی کے جہیز میں پیش کئے اور عبدالرحیم (۲۷۲) کو اُس کی اتالیقی کے لئے مقرر کیا گیا۔ فتح مند اور ظفریاب ہو کر بادشاہ دارالخلافہ آگرہ میں لوٹ آیا۔

آگاہی:

یہاں تک تاریخ کے پس منظر میں مغل بادشاہوں کے بعض کارناموں کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا۔ اب اس ملک کے اُن صوبیداروں کا ترتیب کے ساتھ ذکر ہوگا جو شاہانِ چُغت کے عہد میں کشمیر کے حکمران ہو گئے تھے۔

یادداشتیں

(۱) غازی چک کے حکومت کے تخت پر بیٹھنے کے سبب کے بارے میں ملک حیدر چاڈورہ (تاریخ کشمیر قلمی ص ۶۰) لکھتا ہے "چونکہ بے استعداد پادشاہ حبیب خان میں حکمرانی کرنے کی کوئی لیاقت نہ تھی سال ۹۶۲ھ (مطابق ۱۵۵۴ھ) میں جب کہ دربار میں بیٹھا تھا، احکام میں غلطی کی جس سے اکثر ارکان سلطنت خجل ہوئے۔ علی خان نے، جو غازی چک کا چھوٹا بھائی تھا، حبیب شاہ کے سر پر سے تاج اُٹھا کر غازی خان کے سر پر رکھ دیا۔"

(۲) ایضاً ص ۶۰۔

(۳) ملک حیدر چاڈورہ اور ملا سعد اللہ شاہ آبادی لکھتے ہیں کہ وہ عدل وانصاف برتنے میں اپنے حقیقی بیٹے حیدر خان کو بھی اُس کے ہاتھوں اُس کے خالو ملک محمد کے مارے جانے کے قصاص میں قتل کرنے سے بھی باز نہ رہا۔ اس بارے میں اول الذکر لکھتا ہے کہ "جیسے کہ مشہور ہے کہ اس کے فرزند ارشد حیدر خان کے ملازموں میں سے ایک ملازم نے کسی کے حق میں زیادتی کر کے اُس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا۔ حیدر خان اس سے دل آرزدہ ہوا اور اُسے بغاوت کا خیال آیا۔۔۔ خان مذکور نے بیٹے کو نصیحت کرنے کے لئے اس کے خالو ملک محمد چندو کو اس کے پاس بھیج دیا۔ گفتگو کے دوران ملک محمد نے کوئی ناملائم بات کہی اور اُس نے اپنے خالو کو قتل کر دیا۔ غازی خان نے بھی اپنے بیٹے کو قتل کر ڈالا اور شفقت پدری آڑے نہ آئی۔" ثانی الذکر مورخ نے لکھا ہے کہ۔

گشت از بس کہ در عدالت خاص کشت فرزند خویش رابہ قصاص

(انصاف کرنے میں چونکہ عظیم خاصیت پیدا کی تھی، قصاص لینے میں اپنے بیٹے کو بھی قتل کیا) تاریخ کشمیر ص ۶۱/اور باغ سلیمان ص ۲۵۵۔

(۴) ملا سعد اللہ نے اگرچہ کسی خاص فرقے کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن اس بارے میں اس کی رائے یہ ہے کہ۔

دست رافت بہ عدل و داد کشاد از تعصب بکرد دیگر یاد

(عدل وانصاف سے گو مہربانی ورافت کے ہاتھ دراز کئے لیکن تعصب کی وجہ سے بھی اُسے یاد کیا جاتا رہا (یا تعصب کی وجہ سے دوسرے متعصبین کی یاد دلائی)۔ باغ سلیمان قلمی نسخہ صفحہ مذکورہ۔

(۵) ہمایوں بادشاہ کی وفات سال ۹۶۳ھ (مطابق ۱۵۵۵ھ) میں ہوئی۔۔ مولانا قاسم کاہی نے اس مصرعہ میں اسکی تاریخ کہی ہمایوں پادشاہ از بام افتاد (۹۶۲ھ) ابوالفضل کے بقول اس تاریخ میں ایک سال کی کمی ہے۔

اس لئے اس کی وفات ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۵ء متعین ہو سکتی ہے۔

(۶) وفات یکم شوال ۹۷۱ھ (۱۳ مئی ۱۵۶۴ء) کابل میں۔

(۷) تاریخ ملک حیدر چاڈورہ قلمی ص ۶۱، تاریخ کشمیر مصنفہ ناراین کول عاجز قلمی صفحہ ۶۲، تاریخ اعظمی مطبوعہ ص ۵۹۔ ہانجی ویرہ یا ہانس ویرا ایک بڑا گاؤں ہے جو پٹن سے سرینگر جانے والی راہ پر ایک بڑی نہر دو میل لمبی کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔

(۸) تاریخ ملک حیدر (ص مذکور) تاریخ نارائن کول عاجز (ص مذکور) تاریخ اعظمی (ص مذکور)۔

(۹) بقول ملک حیدر چاڈورہ (ص مذکور) اور نارائن کول عاجز "باوجود اس کے کہ اُس کی بیٹی غازی خان کے بیٹے کے گھر میں تھی اُسے گلے سے لٹکا کر پھانسی دی"۔

(۱۰) بقول ملک حیدر یہ جنگ دو سال کے بعد زالڈگر (سرینگر میں ایک محلے کا نام) میں ہوئی۔

(۱۱) واقعات کشمیر ص ۹۱۔

(۱۲) مطابق ۱۵۵۹ء۔

(۱۳) قرابہادر کے لئے دیکھئے مآثر الامراء جلد ۳ ص ۴۹۔۵۰۔ قرابہادر کے ہمراہ بھاری لشکر کے علاوہ نو ہاتھی بھی تھے (طبقات جلد ۳)۔

(۱۴) ڈونب طائفہ ایک رذیل نیچ قوم ہے۔

(۱۵) تاریخ ملک حیدر چاڈورہ ص ۶۲، تاریخ نارائن کول عاجز ص ۲۴۔ دونوں مورخ متفق ہیں کہ اس جنگ میں مغل سپاہیوں کے سات ہزار سر غازی خان کے پاس لائے گئے۔

(۱۶) تاریخ ملک حیدر چاڈورہ ص ۶۲، نارائن کول ص ۶۴، باغ سلیمان ص ۲۵۵ اور مجموع التواریخ بیربل کاچرو قلمی ورق ۱۱۰۔

(۱۷) کشمیر کے سبھی مورخین کے برعکس فرشتہ اور ملا نظام الدین نے اسکی مدت سلطنت کل چار سال لکھی ہے (فرشتہ جلد ۴ مترجمہ مولوی فدا علی طالب ص ۸۱۹ اور طبقات اکبری جلد ۳ مترجمہ راجندر ناتھ)۔

(۱۸) ۱۵۶۳ء۔۱۵۶۴ء۔

(۱۹) ۹۷۱ھ۔

(۲۰) مورخ کشمیر ملک حیدر چاڈورہ کا جد۔

(۲۱) واقعات کشمیر ص ۹۱۔ لیکن بقول ملک حیدر چاڈورہ (تاریخ کشمیر قلمی ص ۶۳) حسین خان کے اوقات کی

تقسیم اس طرح سے تھی: جمعہ کا دن علماء فضلا کے ساتھ، سنیچر اور اتوار کا دن انصاف و دادرسی کرنے میں، سوموار کا دن ہندوستانی دانشمندوں کے ساتھ، منگلوار کا دن شکار میں، بدھوار کا دن سپاہیوں کے ساتھ اور گھوڑسواری، تیراندازی اور چوگان بازی میں اور جمعرات کا دن قوالوں اور اہل طرب کے ساتھ بیٹھتا تھا۔

(۲۲) دُوبی (دپر پیش اور وساکن) کشمیری لفظ یعنی دھوبی۔

(۲۳) بقول ڈاکٹر صوفی (کشیر جلد ا رص ۲۲۳) حسین خان چک ذاتی طور پر میرزا مقیم کے استقبال کے لئے ہیرہ پورا گیا۔ ہیرہ پور پیر پنچال کی وادی میں شوپیان کے قصبے سے جنوب مغرب میں سات میل دُور ایک گاؤں ہے۔ ڈاکٹر صوفی کی تحقیق کے مطابق ہیرہ پور کا قدیم نام شیورہ پور تھا۔ رجواری کی طرف کشمیر کا دروازہ ہیرہ پور ہندوستان کے چغتائی بادشاہوں کی شاہراہ ہے۔ آبادی ۱۵۳۵ نفر۔

(۲۴) واقعات کشمیر میں (ص ۹۱) یہ نام یوسف منڈو درج ہے۔

(۲۵) میر کمال الدین یا ملا محمد کمال مولانا جمال کا بھائی ہے۔ دقیق مسائل کا حل کرنے والا اور حقائق کا کشف کرنے والا تھا۔ علم و عمل اور زہد و تقویٰ کا مجموعہ تھا۔ پہلے بابا فتح اللہ کی خدمت میں اور اس کے بعد خواجہ عبدالرشید احراری، جو مقرب پروردگار حضرت خواجہ عبیداللہ کی بزرگوار اولاد میں سے تھے، کی خدمت میں جا کر کمالات سے مستفیض ہوا۔ سیالکوٹ اور لاہور میں علوم سے بہرہ مندی کی مسند آراستہ کی۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (وفات صفر المظفر ۱۰۳۵ھ مطابق نومبر ۱۶۲۵ء) اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ آپ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ سال ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ء) میں لاہور میں آسودہ ہوئے۔ واقعات کشمیر ص ۱۱۹۔

(۲۶) بقول فرشتہ (ص ۳۶۴) میرزا مقیم کے حکم سے دونوں مفتیوں کو فتح خان چک نے قتل کر دیا۔

(۲۷) ۹۷۳ھ (۱۵۶۵ء)۔

(۲۸) فرشتہ اور نظام الدین بخشی نے یہ نام لودنی ملک لکھا ہے جو ظاہراً سہو ہے۔

(۲۹) بقول حیدر ملک چاڈورہ (ص ۶۴) دِق سے اور بقول فرشتہ (ص ۳۶۴) اور بخشی نظام الدین صاحب طبقات اکبری (ص ۶۲۸) اسہال کے مرض سے مر گیا۔

(۳۰) ۱۵۷۰ء۔

(۳۱) شیخ مخدوم حمزہ کشمیریؒ (۹۷۴ھ مطابق ۱۵۶۶ء)۔

(۳۲) شیخ ہردی ریشیؒ بابا بقول صاحب واقعات کشمیر آہنگروں کے قبیلے سے تھے۔ کم عمری میں خدا پرستی کا ذوق پیدا ہو کر ریشیوں (دنیا کو ترک کرنے والے) کا طریقہ اپنانے میں مشغول ہو گئے۔ کثیر کرامتوں والے ہیں۔

بالآخر حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ کی صحبت میں آ گئے اور کلی فوائد سے فیضیاب ہوئے۔ جب رحلت فرمائی تو اسلام آباد قصبہ میں دفن ہوئے۔ شیخ دین بود (۹۸۶ھ مطابق ۱۵۷۸ء) آپ کے وصال کی تاریخ ہے۔

(۳۳) حضرت مخدوم العارفین شیخ حمزہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کے باصفا مریدوں میں سے تھے۔ ظاہری اور باطنی کمالات کا مجموعہ تھے۔ دوبار ہندوستان کا سفر کیا۔ پہلے ملتان میں اپنے پیر کی زیارت کے لئے گئے اور پھر یوسف شاہ چک کے زمانے میں شیعوں کے ہاتھوں موسیٰ چک کی شہادت کے واقعہ کے سبب دہلی گئے۔ سال ۹۹۴ھ (۱۵۸۵ء) آپ کا سال وصال ہے (تلخیص از واقعات کشمیر ص ۱۰۹)۔

(۳۴) یعنی شہمیری خاندان جو چک بادشاہوں سے پہلے حکمران تھے۔

(۳۵) ڈاکٹر صوفی کے بقول شنکر دیوی (کشیر ج ا ص ۲۲۰)۔

(۳۶) فتح خاتون اسلامی نام ہے شنکر دیوی کا جس کا ذکر حاشیہ (۳۴) میں ہوا۔

(۳۷) طبقات اکبری مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ص ۶۲۹ اور تاریخ فرشتہ جلد ۲ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ص ۳۶۵

(۳۸) صاحب طبقات (ص ۶۲۹) اور فرشتہ (ص ۳۶۵) کے بقول علی چک کے علی شاہ سے جھگڑے کی وجہ یہ تھی کہ حسین چک کے مدار الملک دوکہہ نے علی چک کی جاگیر میں گھس کر خلل اندازی کی۔ اُس نے اس بات کی شکایت علی خان کے پاس جا کر کی کہ اگر آپ دوکہہ کو نہیں روکیں گے تو میں اپنے گھوڑوں کے شکم چاک کر ڈالوں گا۔ علی شاہ نے اسے کنایہ جان کر سمجھ لیا کہ اس کا مقصد علی شاہ کے شکم کو چاک کرنا ہے۔ اس لئے غضب میں آ کر اسے بند کر کے کامراج میں بھیج دیا۔

(۳۹) صحیح ہے حسین قلی خان ترکمان حاکم پنجاب۔ ایضاً۔ ایضاً۔

(۴۰) یعنی ابراہیم خان۔

(۴۱) سید مبارک بیہقی (وفات ۱۵۹۱ء) علی شاہ چک کا وزیر اعظم اور سید ابراہیم بیہقی کا پوتا تھا۔ بیہقی سادات، جو سب سنی مذہب تھے، کا نسب سلطان زین العابدین بڈشاہ کے خسر سید محمد بیہقی تک پہنچتا ہے۔ یہ خاندان بیہق سے، جو ایران کے نیشاپور کے شمال مغرب میں واقع ہے، سلطان سکندر کے زمانے میں کشمیر آ کر آباد ہوا۔ سید مبارک خان سال ۹۹۹ھ (مطابق ۱۵۹۰ء) میں فوت ہوا۔ شہید رفت تاریخ وصال ہے۔ بہاء الدین گنج بخش مقبرے میں مدفون ہوا۔ واقعات کشمیر ص ۹۴۔

(۴۲) ۱۵۷۶ء۔

(۴۳) واقعہ ہفتم ''دربیان قحط سالیہای کشمیر''۔

(۴۴) فرشتہ اور صاحب طبقات (مذکورہ صفحات) کے بقول ابدال خان نے یوسف شاہ چک کے پاس آنے کی آمادگی ظاہر کی تھی لیکن چونکہ سید مبارک خان کا دل ابدال خان سے صاف نہیں تھا تو یوسف شاہ کے پاس جا کر کہا کہ میرے کہنے پر بھی ابدال خان نہیں آیا۔ اب تو پہلے اُس کا علاج کیا جانا چاہئے اُس کے بعد علی شاہ کو دفن کر دیا جائے

(۴۵) ۹۸۷ھ مطابق ۱۵۷۹ء۔

(۴۶) مطابق ۱۵۷۹ء۔

(۴۷) حبہ خاتون کا اصلی نام زون (یہ کشمیری لفظ ہے بمعنی مہتاب) تھا۔

(۴۸) چندہار ایک گاؤں ہے جو پانپور سے تقریباً دو میل دُور ہے۔

(۴۹) اس کسان کا نام عبداللہ تھا جو عبدی راتھر سے معروف تھا (ہماری کہانی حصہ ۲ ص ۴۷)۔

(۵۰) تاریخ بیربل کاچرو قلمی ورق ۱۱۲۔

(۵۱) تاریخ کشمیر ملک حیدر چاڈورہ ص ۷۴۔

(۵۲) مطابق ۱۵۸۰ء۔

(۵۳) بقول ملک حیدر چاڈورہ: ''سید مبارک شاہ پر یوسف خان کی لشکر کشی کرنے کی وجہ یہ تھی کہ سید مبارک نے چکوں کی ایک جماعت مثلاً لوہر خان کو یوسف خان کو معزول کر دینے کا مشورہ دیا تھا''۔ تاریخ ملک حیدر ص ٦٧۔

(۵۴) یہ واقعہ تاریخ حیدر ملک چاڈورہ (ص ٦٨) میں یوں آیا ہے!'' جب یوسف شاہ کو شکست ہوئی تو چتر و تاج شاہی کو ملک محمد ناجی اور شریعت پناہ قاضی موسیٰ کے ہمراہ سید مبارک خان کے پاس بھیج دیا اور خود ہندوستان کا رُخ کیا۔''

(۵۵) بقول ملک حیدر ص ٦٧: یوسف شاہ کی کل حکومت پہلی بار ایک چلہ تھی۔

(۵٦) لیکن خواجہ محمد اعظم نے سید مبارک خان کا سال جلوس ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) لکھا ہے (تاریخ کشمیر ص ۹۴)۔

(۵۷) کون دنیا کی دولت کی تمنا کرے۔ کس سے وفا کی کہ ہم سے کرے۔

(۵۸) اے بادشاہ! فقر و فنا میرا سوار ہے اور سلطنت و عزت و حشمت آپ کی ہے کہ دنیا میں کوئی وفا نہیں خواہ ہمارے حصے میں آئے یا آپ کے حصے ہیں۔

(۵۹) خواجہ محمد اعظم کے بقول "سید مبارک خان کی حکومت آٹھ ماہ پندرہ روز تک تھی" (واقعات کشمیر ص ۹۴) لیکن ابوالفضل نے کل دو ماہ کہا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ: "سید مبارک خان دس زبانیں رکھنے والے فتنہ گروں کی جادو زبانی اور چاپلوسی کے مکروفریب سے مسند حکومت پر آ بیٹھا اور دو مہینے پورے ہونے سے پہلے ہی بے شرم بد سرشتوں اور پست فرت نانہجاروں نے اُسے بے قدری کے گوشے میں بٹھا دیا اور یوسف خان کے چچیرے بھائی لوہر چک کو بزرگوار بنا دیا"۔ (اکبر نامہ جلد ۳، ص ۳۱۸)۔

(۶۰) مطابق ۱۵۸۰ء۔

(۶۱) تاریخ ملک حیدر چاڈورہ قلمی ص ۶۹ اور واقعات کشمیر ص ۹۴۔

(۶۲) راجہ مان سنگھ راجہ بھگوان داس کچھواہہ کا بیٹا ہے۔ عرش آشیانی کے امراء میں عقل کی درستی اور دلاوری کی فراوانی میں سرفہرست تھا۔ خلوص وقربانی کے جذبے کی کثرت کے پیش نظر دربار خلافت سے فرزندی اور کبھی میرزا راجہ کے القاب سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ سال ۹۸۴ھ میں مغرور رانا کیکائی کی تادیب کرنے کے لئے مقرر ہوا۔ ۹۹۳ھ میں میرزا محمد حکیم کی موت کے بعد جو عرش آشیانی کا سوتیلا بھائی تھا، کابل کا حاکم ہوا۔ روشنائی طائفہ کو جو راہزنی اور لوٹ مار میں خیبر کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے تھے اپنی دلاوری اور بہادری سے مناسب سزا دی۔ بیسویں سال میں خود اپنی خواہش پر کابل کی صوبہ داری اس سے واپس لی گئی اور چونتیسویں سال میں جب کہ اس کا باپ فوت ہوا راجگی کے خطاب اور پنج ہزاری کے منصب سے سرفراز ہوا۔ پنتالیسویں سال میں سات ہزاری اور سات ہزار سواروں کے منصب سے (کہ اس وقت کوئی بھی امیر اس منصب سے سرافراز نہ تھا) سرافراز ہوا۔ نویں جہانگیری سال میں جبکہ خان خانان کی مدد کے لئے دکن گیا تھا طبعی موت مرا۔ ساٹھ آدمی اس کے ساتھ آگ میں اُتر کر جل گئے (تلخیص ماثر الامراء جلد ۲ ص ۱۶۰ تا ۱۷۰)۔

(۶۳) مرزا یوسف خان رضوی مشہد مقدس کے صحیح النسب سادات میں سے ہے۔ عرش آشیانی (اکبر) کی خدمت میں عجب ترقی اور اعتبار پایا۔ تیسویں سال میں دو ہزار پانچ سو کے منصب پر سرفراز ہوا۔ اور جب شہباز خان بہار سے بنگال چلا گیا میرزا اودھ سے اس جگہ کی پاسبانی کے لئے نامزد ہوا۔ بتیسویں سال (۹۹۵ھ) میں (مطابق ۱۵۸۶ء) جب قاسم خان حاکم کشمیر نے وہاں کی پے در پے شورشوں سے تنگ آ کر استعفیٰ دے دیا تو میرزا اس مملکت کی حکومت کے لئے مقرر ہوا اور حسن تدبیر کے ساتھ لوگوں کے دل خوش کر دئے۔ انتالیسویں سال میں داروغہ توپخانہ ہوا اور اسی سال ۱۰۰۲ھ (۱۵۹۳ء) میں قلیج خان کی تبدیلی ہو جانے سے جون پور کی جاگیرداری پائی۔ اس کے بعد اکتالیسویں سال میں گجرات کی صوبیداری اور بتالیسویں سال میں شاہزادہ سلطان مراد کی اتالیقی کا افتخار ملا۔ سال

۱۰۱۰ھ (۱۶۰۱ء) میں شاہزادہ دانیال کے حکم سے میرزا رستم صفوی کے ہمراہ شیخ ابوالفضل اور خان خانان کی مدد کے لئے مالا گھاٹ جانے پر مقرر ہوا۔ اسی سال جمادی الآخر کے مہینے میں جالنا پور میں پھوڑے کے زخم سے وفات پائی اور اس کی نعش کو مشہد لے جایا گیا۔ اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑے۔ میرزا اصف شکن، میرزا عوض اور میرزا افلاطون۔ ان میں سے دوسرے بیٹے نے (میرزا عوض نے) چمن نام کتاب تصنیف کی جس میں دنیا کے حالات درج ہیں (تلخیص مآثر الامراء جلد ۳ ص ۳۱۴ تا ۳۲۱)۔

(۶۴) واقعات کشمیر کے بقول: ''پریشانی احوال کی وجہ سے یوسف شاہ لاعلاج ہو کر رہ گیا اور اس نے لاہور کے تاجروں سے قرض لے کر نو سو اور آٹھ سو پیدل اور سوار فوج تیار کر کے کشمیر کا رُخ کیا۔''

(۶۵) واقعات کشمیر ص ۹۵۔

(۶۶) مولانا محمد امین مستغنی کشمیر کے باشندوں میں سے ہے۔ ذہن سلیم اور طبع مستقیم کی زیادتی میں مشہور تھا اور یوسف شاہ کے عہد میں اُس کا رُتبہ اعتبار بہت بڑھا۔ فضل و کمال کے زیور سے آراستہ ہونے کے علاوہ شعر میں بھی فکر کرتا تھا۔ آروٹ محلّہ میں (دریای جہلم کے کنارے کے فریب) حضرت سید جلال الدین کے آستانہ کے باہر مدفون ہے (واقعات کشمیر ص ۱۱۶)۔

(۶۷) محمد شمس الدین حافظ ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء) میں پیدا ہوا اور ۷۹۲ھ (۱۳۸۸ء) میں وفات پائی۔ کسی نے حافظ کی تاریخ وصال کیا خوب کہی ہے ۔

چو در خاک مصلی گشت مدفون بجر تاریخش از خاک مصلیٰ (۷۹۲ھ)

(۶۸) اس کا دوسرا مصرع یہ ہے ۔ کلبہ احزان شود روزی گلستان غم مخور

(۶۹) خواجہ محمد اعظم کے بقول (واقعات کشمیر ص ۹۴) لوہر چک کی حکومت کی مدت ایک سال تھی۔

(۷۰) مطابق ۱۵۸۱ء۔

(۷۱) فرشتہ اور نظام الدین نے بالترتیب اس نام کو ہستی اور مستی کے نام لکھ کر غلطی کی ہے۔

(۷۲) راجہ مان سنگھ حاکم لاہور نے حیدر چک کے حق میں بھمبر اور نوشہرہ جاگیر کے طور پر مقرر کر دئے (واقعات کشمیر ص ۹۶ اور تاریخ ملک حیدر چاڈورہ قلمی ص ۷۴)۔

(۷۳) بقول ابوالفضل اس سفیر کا نام صالح عاقل تھا۔ چنانچہ کہتا ہے! ''اس لئے صالح عاقل کو مرزبان کشمیر یوسف خان کی نصیحت گوئی کے لئے بھیجا گیا تھا (اکبر نامہ جلد ۳ ص ۳۷۵)۔ لیکن ملک حیدر چاڈورہ نے سفیروں کے نام میرزا طاہر اور صالح عاقل لکھے ہیں (ص ۷۴)۔

(۷۴) بقول ابوالفضل: اقبال مندی کی راہ سے نصیحت قبول کی اور پادشاہ مہربان کی شکر گذاری میں تیسرے فرزند کو عمدہ اشیاء کے ساتھ درگاہ مقدس کی طرف روانہ کیا (ایضاً ص ۴۷۵)، ملک حیدر چاڈورہ (ص ۷۵) اور خواجہ محمد اعظم کے بقول (ص ۹۶) اس بیٹے کا نام میرزا حیدر تھا۔ یوسف خان کی طرف سے یعقوب خان کا اکبری دربار میں بھیجا جانا دوسری مرتبہ واقع ہوا تھا۔

(۷۵) ملک حیدر کی روایت سے اکبر کے پاس سے یعقوب خان کے بھاگ جانے کی وجہ یہ تھی کہ ایک دن اکبر بادشاہ نے کہا کہ: ''ہماری بارگاہ میں سربلندی پاکر یوسف خان اپنے ملک میں جاکر عیش وعشرت میں مشغول ہوگیا اور ارادتمندی وشیوہ بندگی کے نشان تک کا مظاہرہ نہیں کیا۔ فرمان عالی شان جواس کی طلب میں صادر ہوا کہ ہماری بارگاہ خلائق پناہ میں حاضر ہونے سے مشرف ہوجائے خود نہیں آیا اور اپنے بڑے بیٹے کو بھیجا جس کا دماغ خبط و دیوانگی سے خالی نہیں ہے۔'' جب یہ حقیقت یعقوب خان نے بلاواسطہ خود پادشاہ خلافت پناہ کی زبان سے سن لی تو بعینہ یہی بات یوسف شاہ کو عرضداشت کر کے بھیج دی۔ اس کے بعد فرصت کو غنیمت جان کو یعقوب خان نے کشمیر کا رُخ کیا (ص ۷۶/۷۷)۔ ابوالفضل کی روایت سے اکبر بادشاہ کے پاس سے یعقوب خان کے بھاگنے کا واقعہ تیسرے سال جلوس مطابق ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) میں ہوا (اکبرنامہ ج ۳ ر ص ۴۶۹)۔

(۷۶) ابوالفضل کی روایت سے (اکبرنامہ جلد ۳ ص مذکور) بہاء الدین کنبوہ کو بھی حکیم علی کے ہمراہ کشمیر پہنچا دیا گیا۔

(۷۷) لیکن ابوالفضل کے بقول: ''اس اطلاع کو پاکر یوسف خان کے سر میں جنگ کا ارادہ سما گیا اور اس نے بہت سے تجربہ کار آدمیوں کو روانہ کردیا کہ وہ نین سکھ دریا کے قریب فصیل تعمیر کریں'' (ایضاً ص ۴۸۰)۔

(۷۸) بابا طالب اصفہانی چکوں کے زمانہ حکومت میں اصفہان سے کشمیر آیا۔ فنون علم سے آراستہ اور گوناگوں کمالات سے پیراستہ تھا۔ اس ملک کے امراء وسلاطین کے نزدیک صاحب اعتبار آدمی تھا۔ جب فوت ہوا تو نواکدل میں مزار بابا خلیل میں آسودہ ہوا۔ فن شعر میں ماہر تھا (واقعات کشمیر ص ۱۱۴)۔

(۷۹) ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) نیو، گرفتار گو، کشمیری کلام ہے یعنی لے گئے اور گرفتار ہوا''۔

(۸۰) ابوالفضل کے بقول ''کشمیری امرا نے پہلے حسین خان چک کو وارمست کے قریب بزرگ بنانے کے لئے چنا لیکن جب یوسف خان کا بیٹا یعقوب خان آپہنچا تو نئے حاکم سے دل برداشتہ ہوکر اسی سے مل گئے''۔ (اکبرنامہ ج ۳ ر ص ۴۸۱)۔

(۸۱) ابوالفضل کی روایت سے اسی روز (۶ ماہ دی بتیسویں سال مطابق ۹۹۶ھ) کشمیر کے حاکم یوسف خان

کو جیل سے نکال کر عنایات سے نوازا گیا اور بہار کے علاقے میں اُسے جاگیر دی گئی۔ مقصد تھا اُسے باخبر کیا جائے گا کہ ادب سیکھو، رعایا پروری اور دل آگاہی سے کام لو اور ہشیاروں کی طرح چلو۔ اور جب یہ صفتیں تم سے ملاحظ ہونگی کشمیر کی دلکشا زمین تم کو لوٹا دیں گے۔ (اکبرنامہ ج ۳ ص ۵۲۵)۔

(۸۲) یوسف خان کی دیوانگی پر ابوالفضل لکھتا ہے کہ ''بادشاہ کے غرض و نیاز میں یہ بات پہنچی تھی کہ کشمیر کے حاکم نے مستی کی حالت میں عورتوں میں سے اپنی ایک عورت کو ایک اُونچی چھت سے گرا دیا۔ ایک روز جب بادشاہ کشمیر میں کشمیری شاہی محلات کو دیکھ رہا تھا تو ان سارے بلند و بالا دریچوں اور نظارہ گاہوں کو دیکھ کر زبان گہربار سے بیان ہوا کہ ''یقیناً اس چھت سے یوسف خان نے اس بیگناہ کو گرا دیا ہوگا۔'' جب تحقیق کی گئی تو ویسا ہی تھا (اکبرنامہ جلد ۳ ص ۵۴۹)۔

(۸۳) اکبرنامہ جلد ۳ ص ۴۸۱ لیکن خواجہ محمد اعظم کی روایت سے ''۹۹۴ھ (۱۵۸۵ھ) یعقوب شاہ نے فتح و نصرت کے ساتھ پایہ تخت کشمیر پر تصرف کا استحکام پایا اور حکمرانی کا تاج سر پر رکھا اور اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کیا'' (واقعات کشمیر ص ۹۸)۔

(۸۴) حیدر ملک چاڈورہ (ص ۸۱) اور خواجہ محمد اعظم (ص ۹۹/۱۰۰) کے بقول اس فتنے کو برانگیختہ کرنے والا دراصل ملا عینی تھا جس نے اذان میں علی ولی اللہ کے فقرہ کو شامل کرنے کے لئے یعقوب خان کو مجبور کر دیا۔ اس شخص نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ عارف حق مولانا نورالدین جامیؒ (وفات ۸۹۱ھ۔ ۱۴۹۲ء) کی بھی توہین کی۔ ملک حیدر کی روایت یوں ہے: ''یعقوب خان کسی کی بات نہیں مانتا تھا۔ وہ خد پسند اور مغرور آدمی تھا۔ اسی غرور و بیہودگی میں ایک دن اس نے ملا عینی اندھے کو جس نے خود تبرا خوانی میں ممتاز و مفتخر بنایا تھا بلوا کر کہا کہ قاضی موسیٰ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ اذان میں علی ولی اللہ شامل کرے۔ چونکہ ملا اس بات کا محرک اور باعث تھا، قاضی سے کہے بغیر ہی قاضی کی زبان سے عرض کیا کہ اس طرح کی اذان اہل سنت کے مذہب میں رفض ہے اور یہ دو شعر ملا کے طبع زاد ہیں۔

هنوز آن ابر رحمت درفشان است — می و میخانه با مهر و نشان است

درین دیر مسدّس خم تهی نیست — تهی گفتن بغیر از ابلهی نیست

بقول خواجہ محمد اعظم ملا عینی نے آخری مصرعہ میں مولانا عبدالرحمٰن حاجیؒ کی نسبت اظہار حماقت کیا ہے۔ یہ دو شعر اس کے مولانا جامیؒ کے اس شعر کے جواب میں ہیں کہ۔

حریفان بارہ ہا خوردند ورفتند — تہی پیمانہ ہا کر دندو رفتند

ملا عینی سمجھ نہ پایا کہ مولانا جامیؒ کی مرداد انبیاء اور ائمہ اور اہل بیت اور صحابہ کرامؓ کی مجلس پر فیض مجلس کا پورا ہو جانا ہے

جس کا ظہور اب اس زمانے میں امکان پذیر نہیں اور اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے ہر طائفے میں کیا اہل عرفان ،کیا اہل علم اور کیا سخندان ، فیضان میں فرق آ گیا ہے۔ شامل ہونے والے لوگ سابقین کی مانند نہیں ہیں۔ بلکہ اس تبرا میں بھی کلام ہے کہ جو کہا ہے کہ ؎

می و میخانہ با مہرو نشان است

گویا معتقد ہے کہ سابقین بھی شامل ہونے کی طرح فیض سے محروم رہ گئے ہیں۔

(۸۵) واقعات کشمیر ص ۹۶۔

(۸۶) واقعات کشمیر ص ۹۶۔

(۸۷) ابوالفضل کے بقول حیدر چک اور شیخ یعقوب صرفیؒ نے یوں گذارش کی کہ اس ملک کے بزرگ ہمیں دیکھ کر منہ نہیں موڑیں گے لیکن اگر پنجاب کے سپاہیوں کی ایک تھوڑی سی جماعت ساتھ رہے تو بے شک جنگ کیے بغیر جیت جائیں گے۔ اس لئے مبارک خان ، جلال خان گھکھڑ اور دیگر زمینداروں کو اجازت دی گئی۔ بنیر کے پاس یہ دونوں کشمیری کمک کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ اسی اثنا میں خاطر مقدس میں خیال کا پرتو پڑا کہ باہر والوں پر باشندے دل نہیں دیتے۔ تباہی کی یاد آ جاتی ہے اس لئے اس خدمت کے لئے قاسم خان کو جو کارشناسی اور شجاعت میں زمانے کے بے نظیر آدمیوں میں سے تھا ، سربلندی عطا کی گئی اور اس نے کشادہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا۔ اکبرنامہ ج ۳ ص ۴۹۶۔

(۸۸) خواجہ محمد اعظم کے بقول ایک سال اور چھ ماہ تک حکومت کی۔ واقعات کشمیر ص ۹۸۔

(۸۹) ابوالفضل کی روایت کے مطابق یعقوب شاہ چک نے اس کے بعد دو تین بار کشتواڑ کے مقام سے اکبری فوجوں پر شبخون مارے لیکن آخر سرکشی اور خودسری سے تنگ آ کر خود کو بادشاہی فوج کے حوالے کر دیا اور میرزا یوسف خان رضوی کی ایلچی گری سے قدسی اساس آستانے پر پہنچ گیا۔ مہربان دل بادشاہ نے قبولیت کا شرف بخش کر اُسے خوش کر دیا اور سال ۱۰۰۲ھ میں (۱۵۹۳ء) بنگال میں جاگیر پائی (اکبرنامہ جلد ۳)۔

ڈاکٹر صوفی کے بقول کشمیر کے آخری بادشاہ یعقوب شاہ کا مقبرہ کشتواڑ کے قصبے کے باہر شیر کوٹ کے جنوب میں چوگام کے راستے پر واقع ہے۔ فتح خاتون اُس کی ملکہ نے اپنے شوہر کی یاد میں ایک نہر کھدوائی جو ابھی تک کشتواڑ کے لوگوں کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے علاوہ فتح خاتون نے ایک تالاب اور زیوار گاؤں کے پاس کالی ناگ سے بھی ایک نہر کھدائی۔ ڈاکٹر صوفی کی تحقیق کے مطابق کشمیر کے آخری بادشاہ کی آرامگاہ ان دونوں مٹی اور پتھر کے ایک چھوٹے سے تودے کے بغیر اور کچھ نہیں اور یہ بھی ایک برہمن کے مملوکہ قطعہ زمین میں ہے (کشیر جلد

اول ص ۲۳۷)۔

(۹۰) ۸۳۰ھ-۸۷۳ھ (۱۴۲۶ء-۱۴۶۸ء)۔

(۹۱) ابن سلطان محمد میرزا (اکبر نامہ جلد اص ۹۲)۔

(۹۲) سلطان ابوسعید کی شہادت کا سبب یہ تھا کہ ترکمانوں کے خلاف ایک جنگ میں اس کی لشکر میں قحط پڑ گیا۔ قراباغ سے لوٹتے ہوئے اُس کا تعاقب کرتے وقت اُسے گرفتار کیا گیا اور آق قوینلو (سفید بھیڑ والے) ترکمانوں کے امیر آذون حسن کے پاس پہنچا کر اُسے قتل کر دیا گیا (تاریخ ایران فارسی تصنیف ملکم صاحب ص ۱۷۹)۔ ابوالفصل کے بقول (اکبر نامہ جلد ا/ص ۹۳) سلطان ابوسعید کی شہادت کی تاریخ ہے ۲۲/رجب ۸۷۳ھ۔

(۹۳) احمد میرزا سلطان ابوسعید میرزا کا سب سے بڑا بیٹا تھا اور سمرقند اور بخارا پر حکومت کرتا تھا (تزک بابری مترجمہ جان لیڈن وولیم ارسوکاین چھاپ آکسفوڈ یونیورسٹی ص ۱۰۔

(۹۴) محمود میرزا سلطان ابوسعید کا تیسرا بیٹا تھا اور استر آباد کا حکمران تھا۔ ۸۵۷ھ (۱۴۵۳ء) میں متولد ہوا اور ۹۰۱ھ (۱۴۶۵ء) میں وفات پائی (ایضاً ص ۴۳)۔

(۹۵) ظہیرالدین محمد بابر کا باپ عمر شیخ میرزا سلطان ابوسعید کا چوتھا بیٹا تھا ۸۱۰ھ (۱۴۵۵ء) میں سمرقند میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ ابوسعید نے جب دیکھا کہ تیمور بیگ نے اپنے بڑے بیٹے عمر شیخ کو فرغانہ کی حکومت دے دی ہے تو نام کی برابری کی مناسبت سے اس نے بھی عمر شیخ میرزا کو اندجان کی حکومت بخش دی (توزک بابری مترجمہ جان لیڈن وولیم ارسکاین ص ۱۴/۱۵/)

(۹۶) اندجان دریای سیحون کے جنوبی اضلاع میں ہے جو فرغانہ کا دارالخلافہ تھا۔ اندجان سردخیاصیت والے میوہ جات جیسے ناشپاتی وغیرہ میں مشہور تھا۔ بابر کے عہد میں اندجان کے تین بڑے دروازے تھے اور اس کا قلعہ جنوب کی طرف واقع تھا اور شہر میں نونہرین جاری تھیں۔

(۹۷) مقصد ہے قتلق نگار خانم۔ قتلق نگار خانم چنگیر خان کے دوسرے بیٹے چوانگی خان کی نسل سے یونس خان کی دوسری بیٹی تھی۔

(۹۸) ۸۸۸ھ (۱۴۸۳ء)۔

(۹۸) تزک بابری (ارسکن) ص ۱۰۔

(۱۰۰) لیکن خود اپنے بقول بابر بارہ سال کی عمر میں فرغانہ کا حکمران ہوا (توزک بابری مترجمہ ارسکن و جان لیڈن چھاپ مطبع آکسفورڈ لنڈن، ۱۹۳۱ء، ص ۱)

(۱۰۱) چغتائی سلاطین ماورالنہر اور ازبکوں کے ساتھ بارہ سال کے عرصہ میں بابر نے جو جنگیں لڑی اُن کی تعداد تین ہے۔ ایک سلطان محمود میرزا کے بیٹے بالیفقر میرزا کے ساتھ سال ۹۰۳ھ میں اندجان کے قریب، دوسری سیبک ناشپاتی خان کے ساتھ ۹۰۶ھ میں اور تیسری شیبک خان کے قتل ہوجانے کے بعد سال ۹۱۷ھ میں (اکبرنامہ جلد ا ص ۹۹ چھاپ لکھنو ۱۹۱۳ء)

(۱۰۲) خسروشاہ سلطان ابوسعید میرزا کے بیٹے سلطان محمود میرزا کے خوانین میں سے تھا۔ اس کی اصل قبچاق قبیلہ ترکستان سے ہے۔ جوانی میں ژخان بیگ کی خدمت میں تھا۔ عراق کے واقعہ میں خسروشاہ سلطان محمود میرزا کے ساتھ تھا اور اسکی مصاحبت میں پسندیدہ خدمات انجام دیں۔ بابر کے بقول پسندیدہ اطوار و عادات والا نہ تھا اور ایک لونڈے باز آدمی تھا۔ خسروشاہ کی بے رحمی اور احسان فراموشی کے قصوں میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے ایک محسن بیٹوں میں سے ایک بیٹے کی آنکھیں کاسہ چشم سے اکھاڑ دیں اور دوسرے کو قتل کردیا (توزک بابری ص ۴۰، مترجمہ ارسکن و جان لیڈن مطبع آکسفورڈ۔ لنڈن ۱۹۳۱ء)

(۱۰۳) صحیح یہ ہے کہ بابر نے کمال انسان نوازی اور جرانمردی سے انتقام سے صرف نظر کر کے حکم دیا کہ اپنے مال و دولت میں سے خسروشاہ جس قدر لینا چاہے لے جائے اور خراسان چلا جائے۔ اس نے خچروں اور اونٹوں کی پانچ چھ قطاریں مرصع آلات، سونے اور دیگر نفس اجناس کے بوجھ سے لاد کر خراسان کا رُخ کیا (ایضاً ص ۱۰۰)۔

(۱۰۴) بابر نے سال ۹۱۰ھ کے ربیع الثانی ماہ میں (۱۵۰۴ء) بغیر کسی مزاحمت کے میرزا محمد مقیم سے کابل اور غزنین لے لئے (لوزک بابری مترجمہ ارسکن و جان لیڈن ص ۲۱۶)۔

(۱۰۵) ان میں کابل میں بابر کی چھوڑی ہوئی یادگار چہار باغ بھی تھا (حاشیہ ۲/ توزک بابری مترجمہ ارسکن و جان لیڈن ص ۲۱۴)۔

(۱۰۶) بابر کے زمانے میں کابل چودہ تومانوں (ہندوستانی میں پرگنہ جات) میں بٹا ہوا تھا اور ذیل میں درج گیارہ زبانیں وہاں رائج تھیں: عربی، فارسی، ترکی، مغلی، ہندی، افغانی، پشائی، پراچی، برکی اور لمغانی (ایضاً ص ۲۲۵)۔

(۱۰۷) بابر کے بقول شیبانی خان کا قتل شیبانی خان اور شاہ اسماعیل صوفی کے درمیان ایک عظیم خونریز جنگ میں ہوا۔ اس جنگ میں شیبانی خان کی لشکر کے سپاہیوں کی تعداد ۲۵/ ہزار اور شاہ اسماعیل صفوی کے فوجیوں کا شمار ۱۷/ ہزار تھا (ایضاً توزک بابری ص ۶۷)۔

(۱۰۸) شاہ اسماعیل صفوی (وفات ۹۳۰ھ۔ ۱۵۲۳ء) ایران میں صفوی خاندان کا بانی اور امامیہ مذہب کو

رواج دینے والا تھا۔ قریب ۲۴/ سال تک حکومت کرنے کے بعد عالم فانی سے رخصت ہوا۔ ساری عمر میں ایک بار آذر بائیجان کے حدود میں سلطان سلیم عثمانی کے ہاتھوں شکست پائی۔ ایران کے لوگ اُس کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں اور اس کی توصیف کرنے میں از حد مبالغہ سے کام لیتے ہیں (ایضاً توزک بابری ص ۲۹۴/ نیز ترجمہ فارسی تاریخ ایرانی ملکم صاحب صفحہ ۱۸۵/ چھاپ ممبئی)۔

(۱۰۹) سلطان سعید سے مراد ہے کاشغر کا حکمران جو میرزا حیدر دوغلات مصنف تاریخ رشیدی کا باپ تھا (حاشیہ توزک بابری ص ۱۹/ مترجمہ جان لیڈن وارسکن)۔

(۱۱۰) ۱۵۲۰ء۔

(۱۱۱) اکبرنامہ جلد ا ص ۱۱۰۔

(۱۱۲) بقول ابوالفضل ''ایک ہزار جنگی ہاتھی ساتھ تھے''۔ (ایضاً ص ۱۱۰)۔

(۱۱۳) اکبرنامہ ج ا، ص ۱۱۰۔ بابر کے بقول جس شخص نے مقتولین میں سلطان ابراہیم لودی کی لاش کو پہنچانا وہ بابری فوج کا ایک آدمی طاہر طہری تھا (توزک بابری ج ۲ ص ۱۸۸ مترجمہ ارسکن)۔

(۱۱۴) یعنی ۱۱/ ماہ رجب ۹۳۶ھ (۲۱/ اپریل ۱۵۲۶ء)۔

(۱۱۵) مطابق ۳/ مئی ۱۵۲۶ء۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آگرہ میں بابر ۲۸/ رجب ۹۳۲ھ (۱۰/ مئی ۱۵۲۶ء) کو داخل ہوا (توزک بابری مترجمہ ارسکن ص ۱۹۲) لیکن ابوالفضل نے اُس کے داخل ہونے کی تاریخ آگرہ میں ۲۱/ رجب ۹۳۳ھ لکھی ہے (اکبرنامہ ص ۱۱۱)۔ فتح کابل (۹۱۰ھ-۱۵۰۴ء) سے ابھی تک بابر کو ہندوستان کو فتح کرنے کا خیال دل میں تھا لیکن نامساعد حالات کی وجہ سے وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہو پاتا تھا۔ آخر کار اب کی بار جو خود اس کے بقول پانچویں کوشش تھی تائید ایزدی سے تسخیر ہندوستان میں کامیابی پائی (توزک بابری ص ۱۶۳، مترجمہ ارسکن)

(۱۱۶) اس بارے میں ابوالفضل لکھتا ہے ''اس سال جب آگرہ کی زمین بلند اقبال سراپردوں کی خیمہ گاہ بنی تو ہوا کی سخت گرمی بادسموم وو با، آب وہوا کی ناسازگاری، راستوں کی دشواری اور سوداگروں کے دیر سے پہنچنے کی وجہ سے معاش کی تنگی اور اجناس کی کمی پیدا ہوگئی اور لوگوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اکثر امراء نے ہندوستان سے کابل اور اس طرح کے حدود میں منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا اور بہت سے جوانوں نے ان مقامات کو چھوڑ کر بلا اجازت ان اطراف کا رُخ کیا (اکبرنامہ ج ا، ص ۱۱۴)۔

(۱۱۷) بابر کے ہندوستان میں داخل ہونے کے وقت سات بادشاہ حکمران تھے۔ ان میں سے پانچ مسلمان

اور دو ہندو تھے۔ ۱) مرکز یعنی دہلی سے جون پور تک سلطان ابراہیم خان لودی افغان۔ ۲) گجرات میں سلطان محمد مظفر۔ ۳) دکن میں بہمنی خاندان (کلیم اللہ بہمنی ابن محمود شاہ بہمنی)۔ ۴) مالوہ میں سلطان محمود۔ ۵) بنگال میں نصرت شاہ۔ ۶) کرشن دیورائے (وفات ۱۵۲۶ء) بیجانگر میں۔ ۷) رانا سنگرام سنگھ المعروف رانا سانگا چتوڑ کا راجا (توزک بابری ص ۱۹۸)۔

(۱۱۸) ۹۳۴ھ (۱۵۲۸ء)۔

(۱۱۹) ایضاً توزک بابری کے حاشیہ نویسوں کے بقول (ص ۲۰۰) مدنی رائے مالوہ کے حکمران سلطان محمود دوم کا وزیر با اقتدار تھا۔ محمود اس کے غلبہ پانے کے خوف سے گجرات کے حکمران سلطان مظفر دوم کے پاس پناہ گزین ہوا اور سلطان مظفر نے بڑی جنگ لڑنے کے بعد مدنی رائے اور اس کی فوج کو شکست دے کر مالوہ کی حکومت سلطان محمود دوم کے حق میں واگذار کی۔ مدنی رائے اس کے بعد رانا سانگا سے خدمات کے صلے میں چندیری کی حکومت پائی۔ سلطان محمود نے دونوں کے خلاف کوچ کیا لیکن فریقین کے درمیان جو جنگ ہوئی اس میں محمود کی فوج کو شکست ہوئی اور محمود گرفتار ہوا۔ یہ واقعہ ۱۵۱۹ء میں واقع ہوا۔

(۱۲۰) اکبرنامہ کے بموجب (ج ۱، ص ۱۳۳) بابر کی وفات چہار باغ میں ہوئی جو آگرہ میں دریائے جون (جمنا) کے کنارے پر واقع تھا۔

(۱۲۱) ۹۳۷ھ (۱۵۳۰ء)۔ یہ تاریخ مولانا شہاب معمائی کے بیانات میں سے ہے (ایضاً یہی صفحہ)۔

(۱۲۲) ہمایوں کی ولادت منگلوار کی رات کو ۴/ ذی قعد ۹۱۳ھ (۱۵۰۷ء) میں کابل کے قلعہ میں سلطان حسین میرزا کی بیٹی ماہم بیگم کے بطن سے ہوئی۔ تاریخ پیدائش سلطان ہمایون خان اور شاہ فیروز قدر اور بادشاہ صف شکن پائی گئی ہے۔

(۱۲۳) اکبرنامہ کے مطابق اور طبقات اکبری کے بموجب ہمایوں کی تخت نشینی دارالخلافہ آگرہ میں ہوئی۔ خیر الملوک تاریخ ہے۔

(۱۲۴) طبقات اکبری ص ۱۹۴/ چھاپ مطبع منشی نول کشور لکھنو۔

(۱۲۵) ۱۵۳۱ء۔

(۱۲۶) سلطان جنید برلاس بابر کے وزیر اعظم نظام الدین خطیفہ کا بھائی تھا۔ ۹۳۳ھ (۱۵۲۶ء) میں بابر کی طرف سے جون پور کی حکومت پر مقرر رہا (توزک بابری ص ۵۱/ اور ۲۷۱/ مترجمہ جان لیڈن اور ارسکن)۔

(۱۲۷) بدیع الزمان کے فرزند محمد زمان میرزا کو بابر کا داماد ہونے کا شرف حاصل تھا (اکبرنامہ ج ۱، ص ۱۳۸/

چھاپ لکھنو ۱۹۱۳ء)۔

(۱۲۸) اکبر نامہ میں (ج ۱،ص ۱۴۶) یہ نام اُلغ بیگ میرزا آیا ہے۔

(۱۲۹) بخشی نظام الدین کے بقول محمد زمان میرزا کے حق میں بھی آنکھوں میں سلائی پھر دینے کا حکم ہوا تھا لیکن یادگار بیگ مردم کش کے نوکروں نے اُسے سلائی کے صدمے سے محفوظ رکھا (طبقات اکبری ص ۱۹۴، چھاپ مطبع منشی نول کشور لکھنو)۔

(۱۳۰) ابوالفضل کے بقول بہادر شاہ گجراتی نے قلعہ چتوڑ کو ۹۴۱ھ میں فتح کیا (اکبر نامہ جلد اول ص ۱۴۶)۔

(۱۳۲) منڈو (توزک بابری ص ۲۰۰، اکبر نامہ ج ۱،ص ۲۵۲، طبقات اکبری ص ۱۹۶)۔

(۱۳۲) نظام الدین کے بقول یہ جنگ بہادر شاہ گجراتی کے غلام عماد الملک اور میرزا عسکری کے درمیان احمد آباد سے بارہ کروہ دُور محمود آباد کے علاقے میں واقع ہوئی۔ عماد الملک کے فوجیوں کی تعداد پچاس ہزار سوار تھی۔ حسن کی روایت کے برعکس عماد الملک نے اس جنگ میں میرزا عسکری سے شکست پائی (طبقات اکبری ص ۱۹۸ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو)۔

(۱۳۳) یہ واقعہ پہلے واقعہ کے خلاف ہے اور اس کا عماد الملک کے حملے سے کوئی تعلق نہیں۔ حسن نے دو واقعات کو ایک ہی جگہ ذکر کرنے میں چشم پوشی سے کام لیا ہے۔

(۱۳۴) ۱۵۳۷ء۔

(۱۳۵) طبقات اکبری اور منتخب التوریخ مطبوعہ نول کشور میں یہ نام چنار آیا ہے۔

(۱۳۶) ملا نظام الدین کے بیان سے اخذ ہوتا ہے کہ ہمایوں کے ہاتھوں بنگال کی فتح سال ۹۴۳ھ (۱۵۳۶ء میں ہوئی (طبقات اکبری ص ۲۰۰

(۱۳۷) نظام الدین بخشی کے بقول میرزا ہندال کی بغاوت ۹۴۳ھ میں اور ملا عبدالقادر بدایونی کے بقول ۹۴۵ھ میں ہوئی (طبقات ص ۲۰۰، منتخب ص ۹۳)۔

(۱۳۸) شیخ بہلول شیخ محمد غوث گوالیاری کے بڑے بھائی تھے۔ اسماء کو مسخر کر لیا تھا۔ ہمایوں بادشاہ کو اُن کی نسبت کامل اعتماد تھا۔ فتنہ پردازوں کے گمراہ کرنے پر میرزا ہندال نے آپ کو شہید کر ڈالا۔ فقدمات شہیداً (۹۴۵ھ) آپ کی تاریخ وفات ہے۔

(۱۳۹) حسن نے اپنی عادت کے مطابق اس واقعہ کے بارے میں پیچیدگی اور اشکال سے کام لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "گنگا دریا پر شیر شاہ کے ہاتھوں ہمایوں کی شکست اور نظام سقہ کی معاونت" کا واقعہ میرزا ہندال کی

بغاوت کے ساتھ ظہور پذیر ہوا۔ ملا عبدالقادر بدایونی کے بقول ''جب آگرہ میں میرزا ہندال نے خطبہ اپنے نام پڑھا تو بادشاہ نے جہانگیر بیگ مغل کی مدد کے لئے پانچ ہزار آدمی مقرر کئے اور اس جگہ کی حکومت اس کے سپرد کر کے خود آگرہ کا رُخ کیا۔ بڑی بے سروسامانی کے ساتھ دریائے گنگا کے کنارے واقع جوسہ قصبے میں پہنچا اور جون پور اور چنار کے امراء آکر خدمت میں رہے۔ اس لشکر کی پریشانیوں سے واقف ہو کر شیر خان نے راستہ روک لیا۔ دریائے گنگا کے دہانے کو، جو برسات کی بارش سے مالا مال تھا، درمیان میں رکھتے ہوئے وہ تین ماہ تک بادشاہ کا مقابلہ کرتا رہا۔ کہتے ہیں مقابلہ کے دنوں میں ایک روز بادشاہ نے ملا محمد برغری کو، جو شیر شاہ کا آشنا تھا، سفیر کے طور پر بھیجا۔ بادشاہ کا پیغام سن کر شیر شاہ نے کہا کہ میری طرف سے بادشاہ کو عرض کیجئے کہ جنگ تو آپ خود چاہئے ہیں میں نہیں۔ اس کے بعد شیخ خلیل کو، جو شیر شاہ کا مرشد تھا، بادشاہ کے پاس بھیجا اور مصالحت پر آتے ہوئے التماس کیا کہ بنگال کے بغیر میں سارا ملک بادشاہ کے لئے چھوڑ دوں گا اور اس بارے میں کلام اللہ کی قسم کھا کر بادشاہ کی تسلی خاطر کی۔ دوسرے دن صبح کو بے خبری میں شاہی فوج پر حملہ کر دیا اور بادشاہ کی فوج کو مرتب ہونے تک کہ فرصت نہ دی۔ نتیجے میں ہمایوں کی فوج کو شکست ہوئی اور شاہی لشکر کے بہت سے لوگ شجر فنا میں غرق ہو گئے۔ بادشاہ نے بھی پانی میں گھوڑا ڈال دیا اور غرق ہو جانے کا اندیشہ تھا بلکہ کچھ بھی باقی نہ رہا تھا کہ ایک سقہ آیا اور اس نے مدد کر کے بادشاہ کو گرداب جانکاہ سے باہر نکال لایا۔ یہ واقعہ سال ۹۴۶ھ (۱۵۳۹ء) میں ہوا۔ سلامت بود بادشاہی کسے ۹۴۶ھ اس کی تاریخ ہے (منتخب التواریخ ص ۱۹۴ مطبوعہ منشی نول کشور لکھنو)۔

(۱۴۰) ہمایوں اور شیر شاہ کے درمیان دوسری جنگ قنوج کے پاس دریای گنگا کے کنارے پر ہوئی۔ اس وقت ہمایوں کی فوج کا شمار ایک لاکھ اور اس کے دشمن شیر شاہ کی فوج کی تعداد پچاس ہزار تھی لیکن اس کے باوجود فتح شیر شاہ کے نصیب میں تھی۔ یہ معرکہ عاشورہ کے روز محرم الحرام کی دس تاریخ سال ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) میں ہوا۔ اس واقعہ کی تاریخ حسب عادت ملا عبدالقادر نے خرابی ملک میں پائی ہے۔ اس جنگ کے بعد ہمایوں کسی بھی جگہ پر شیر شاہ کے مقابلے میں ٹھہر نہ سکا۔

(۱۴۱) میرزا حیدر کاشغری کے ہاتھوں کشمیر کی فتح ۲۲ر رجب ۹۴۷ھ کو ہوئی (طبقات ص ۲۰۳ اور منتخب ص ۹۵)۔

(۱۴۲) سلطان حسین ارغون بابر کے چچا سلطان احمد میرزا کے امراء میں سے تھا۔ قراقول کی حکومت کے سبب اُسے قراقولی بھی کہتے تھے۔ یہ شخص بابر کے ساتھ اکثر رہتا تھا (توزک بابری ص ۳۹)۔

(۱۴۳) صاحب طبقات اکبری ملا نظام الدین ہروی کے بقول ''ہمایوں کی نسبت راجہ مالدیو کی غداری کی وجہ

یہ تھی کہ ایلچی کی وساطت سے شیر خان نے اس کے ساتھ خفیہ طور پر بہت سے وعدہ وقرار کیئے تھے (۲۰۶)۔

(۱۴۴) خان خانان لقب کا حامل بیرم خان مغلیہ خاندان کے ممتاز امراء میں سے تھا۔ اصلاً ترکمان ہے۔ اجداد تک تیموری خاندان کی خدمت کی۔ بیرم خان ہمایوں بادشاہ کے ہمراہ ہندوستان سے ایران چلا گیا۔ اکبر کے تخت پر جلوس کرنے کے وقت خان خانان وزارت اعظمیٰ کے عہدے پر فائز تھا۔ ۹۶۵ھ میں (۱۵۵۷ء) اکبر نے اُسے اس عہدے سے برطرف کردیا۔ بیرم خان نے بغاوت کی لیکن ناکام ہوا۔ بادشاہ نے رحم سے کام لے کر اُسے معاف کردیا۔ اس کے بعد بیت اللہ کی اجازت پاکر گجرات روانہ ہوا لیکن مبارک خان لوحانی ایک شخص نے جس کا باپ ہمایوں بادشاہ کے زمانے میں اس کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا اُسے مار ڈالا۔ پہلے گجرات اور بعد میں مشہد میں دفن ہوا۔ اس کا قتل جمعہ کے دن ۱۴/ جمادی الثانی سال ۹۶۸ھ میں ہوا (مشاہیر عالم ج ۱، ص ۱۴۸ چھاپ مطبع نظامی بدایون ۱۹۲۴ء)۔

(۱۴۵) ۱۵۴۲ء۔

(۱۴۶) ۱۵۴۳ء۔

(۱۴۷) صابر قاق بقول ابوالفضل سہ گاہ مقام میں گانے میں عراق وخراسان میں یکتا تھا (اکبرنامہ ج ۱، ص ۲۳۴/ چھاپ مطبع نول کشور ۱۹۱۳ء)۔

(۱۴۸) یہ دو شعر غزل کے ہیں جو امیر شاہی شاعر خراسان نے کہی ہے۔ ان اشعار کو رُباعی کہنا حسن کے مسامحات میں سے ہے۔

(۱۴۹) ۱۵۴۴ء۔

(۱۵۰) ۹۱۹ھ-۹۸۴ھ (۱۵۱۴ء-۱۵۷۶ء)۔

(۱۵۱) اکبرنامہ میں (جلد اول ص ۲۳۷/ چھاپ لکھنو) یہ لفظ فلک آیا ہے۔

(۱۵۲) شاہ طہماسپ کی معاونت ہمایوں کے حق میں اس شرط پر تھی کہ ہمایوں شیعہ مذہب کا پیرو ہو کر ہندوستان میں بھی اس مذہب کو جاری کرے۔ فرشتہ کہتا ہے "ایک دن خلوت میں شاہ طہماسپ کی بہن سلطانہ بیگم نے ایک تقریب میں موقع پاکر جنت آشیانی (ہمایوں) کی یہ رُباعی شاہ حضور میں پڑھ دی۔

چشم بہ جان بندہ اولاد علیؑ ہمیشہ کردہ شاد با یاد علیؑ

چون سر ولایت زعلی ظاہر شد کردیم ہمیشہ ورد خود ناد علیؑ

حضرت شاہ (طہماسپ) یہ رباعی سن کر خوش ہو کر کہا اگر ہمایوں بادشاہ وعدہ کرے کہ اپنے مقبوضہ ممالک میں وہ

منبروں کو ائمہ معصومین کے نام کے ذکر سے مزین ومشرف کرے گا تو میں مدد کر کے اُسے اس کے موروثی ملک میں بھیج دوں گا۔ سلطانہ بیگم نے جنت آشیانی تک پیغام پہنچایا۔ انہوں نے جواب دیا گھوارے سے قبر تک میرے دل میں خاندان رسالت کی محبت مرکوز ہے (تاریخ فرشتہ ج ۱، ص ۲۳۷، چھاپ منشی نول کشور پریس)۔

(۱۵۳) اردبیل ایک شہر ہے ایران کا جہاں صفوی سلاطین کے سر سلسلہ (شاہ طہماسپ کے جد) شاہ صفی کا مقبرہ ہے۔

(۱۵۴) مطابق سنیچروار ۲۱/ مارچ ۱۵۴۵ء۔

(۱۵۵) ۱۶/ نومبر ۱۵۴۵ء جمعہ کا دن۔

(۱۵۶) لیکن بقول فرشتہ "بظاہر عیش وحضور اور بہ باطن فکر وفتور میں بسر کرتا تھا"۔

(۱۵۷) ۱۵۴۶ء۔

(۱۵۸) ایضاً ص ۲۳۸۔

(۱۵۹) میرزا عسکری کا سن وفات ۹۶۱ھ (۱۵۵۳ء) ہے (فرشتہ ج ۱، ص ۲۴۰)۔

(۱۶۰) ۳۱/ اکتوبر سنیچروار ۱۵۵۱ء۔ فرشتہ کے بقول ہندال میرزا کی شہادت اس شبخون کا نتیجہ تھی جو کامران میرزا نے اس روز اُس پر کیا۔

(۱۶۱) رُقیہ سلطان بیگم۔

(۱۶۲) ۹۵۳ھ (۱۵۴۵ء) سے ۹۶۱ھ (۱۵۵۴ء) تک۔

(۱۶۳) راجہ نگر کوٹ کے پاس سے میرزا کامران کے بھاگ جانے کی وجہ یہ تھی کہ سلیم شاہ میرزا کو صاحب غرض آدمی جانتا تھا۔ اس کے پیچھے ۹۶۰ھ میں پنجاب کے راجاؤں پر حملہ آور ہونے کے لئے روانہ ہوا (فرشتہ ج ۱، ص ۲۴۱، مطبوعہ منشی نول کشور پریس لکھنو)۔

(۱۶۴) ۹۵۹ھ۔ یہ تاریخ محمد مومن فرنخودی کی ہے۔

(۱۶۵) فرشتہ نے کامران میرزا کی تاریخ وفات ۱۱/ ذی الحجہ ۹۶۴ھ (۵/ اکتوبر منگل وار ۱۵۵۶ء) لکھی ہے

(۱۶۶) دسمبر ۱۵۵۴ء۔

(۱۶۷) تاریخ فرشتہ ج ۱، ص ۲۴۲ چھاپ لکھنو۔

(۱۶۸) ۱۴/ جنوری ۱۵۵۶ء۔

(۱۶۹) ۲۵ جنوری منگلوار ۱۵۵۶ء۔

(۱۷۰) ۹۶۲ھ۔ بقول ابوالفضل (چھاپ مطبع نول کشور لکھنو) یہ تاریخ مولانا قاسم کاہی کی کہی ہوئی ہے۔ تعمیرات میں دو ایک سال کی تاریخ میں فرق رکھا جاسکتا ہے لیکن وفات کی تاریخ کہنے میں نہیں۔ صحیح تاریخ یہ مصرع ہے۔ وارث ملک جلال الدّین باد۔

(۱۷۱) اشارہ ہے کامران میرزا کی طرف جو فرشتہ کے بقول (ج ا، ص ۲۴۳) اپنے بھائی ہمایوں کو شیعہ جانتا تھا اور اس کا سبب پر تھا کہ ہمایوں لڑکپن سے ہی خراسان اور عراق کے شیعوں کو اپنے پاس بلاتا تھا۔ کامران میرزا ہمایوں کے ساتھ شیعہ مذہب کے بارے میں بحثیں کرتا تھا۔ جب شیر شاہ کی وجہ سے پریشانی کے نتیجے میں سب لاہور میں جمع تھے، ایک روز دونوں بھائی سوار ہو کر کہیں سے گذر رہے تھے۔ ایک کتا نظر آیا جو پاؤں اٹھا کر ایک قبر پر پیشاب پھیر رہا تھا۔ کامران نے کہا: ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبر والا رافضی ہے''۔ بادشاہ نے کہا: ''ہاں ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ یہ کتا بھی سنی ہوگا۔''

(۱۷۲) اکبر کی تاجپوشی کا مقام کلانور ایک گاؤں ہے جو راوی اور بیاس دریاؤں کے درمیان گھورداسپور پنجاب میں واقع ہے (حاشیہ ۴، توزک بابری مترجمہ لیڈن وارسکن مطبع آکسفورڈ لندن ۱۹۲۱ء)۔

(۱۷۳) فرشتہ کے بقول شیخ جوتی ہمایوں کے دربار کے اراکین اور سلطنت کے معتمدین میں سے تھا۔

(۱۷۴) ۱۵ فروری سنیچر وار ۱۵۵۶ء۔

(۱۷۵) شاہ ابوالمعالی کاشغر کا عالی نسب سید زادہ تھا۔ اعضاء کے متناسب اور بہادری کی صفت میں اپنے نزدیک افراد میں ممتاز تھا۔ خاص توجہ کی وجہ سے ہمایوں نے اُسے فرزند کے خطاب سے سربلند کر دیا تھا۔ (منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی ص ۱۳۳، چھاپ لکھنو)۔

(۱۷۶) کوہ سوالک پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے جو تقریباً دو سو انگریزی میل تک پنجاب کے ضلع ہوشیار پور سے کوہ ہمالیہ کے متوازی اُتر پردیش کے ہردوار قصبے تک چلا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر دریائے گنگا اور دریائے بیاس کے درمیان جو چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں وہ سوالک پہاڑ کہلاتے ہیں۔ بابر کے خیال میں ان پہاڑوں کو سوالک اس لئے کہتے ہیں کہ سوا ہندی میں چوتھا حصہ ہوتا ہے اور لک کے معنی ہیں ایک سو ہزار۔ بالفاظ دیگر مذکورہ پہاڑ ایک سو پچیس ہزار عالی شان چھوٹے چھوٹے پہاڑوں کا ایک مجموعہ ہے (توزک بابری، ص ۲۰۲)۔

(۱۷۷) منتخب التواریخ میں رام چندر آیا ہے۔

(۱۷۸) ہیموں وہوسر قوم کا میوات کا رہنے والا تھا۔ سلیم شاہ نے اُسے بازاروں کا محافظ بنایا تھا اور محمد شاہ عادل نے وزیر مقرر کیا۔

(۱۷۹) ۹۶۱ھ (۱۵۵۴ء) تا ۹۶۳ھ (۱۵۵۶ء)۔

(۱۸۰) اس قتل کی تفصیل یہ ہے کہ ''تردی بیگ سے بیرم خان کا مزاج پھر گیا تھا لیکن اس کے باوجود اُسے توقان (بڑا بھائی) کہہ کر پکارتا تھا۔ فوج کی شکست کا باعث تردی بیگ کے نفاق کو جان کر اور شہنشاہ کے دل میں یہ بات اُتارنے کے بعد اور خان زمان اور دوسری جماعت کو اپنے مدعا پر گواہ بنا کر گویا اُس کو قتل کرنے کی ایک طرح کی اجازت حاصل کی۔ عصر کی نماز کے بعد پھرتے پھراتے تردی بیگ کے گھر گیا اور اُسے اپنے ساتھ اپنے گھر لا کر شامیانے میں بٹھا دیا اور شام کی نماز کے ختم ہونے کے بعد طہارت کرنے کے بہانے اُٹھا اور اس جماعت کو جو مقرر کی تھی تردی بیگ کو قتل کر دینے کا اشارہ کیا اور انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا (منتخب التواریخ چھاپ لکھنو ص ۱۳۴)۔

(۱۸۱) طبقات اکبری چھاپ لکھنو ص ۲۴۵، منتخب التواریخ چھاپ لکھنو ص ۱۳۴، تاریخ فرشتہ چھاپ لکھنو ص ۲۴۵۔

(۱۸۲) بدایونی کے خیال میں یہ دن جمعہ کا دن تھا اور تاریخ ۱۰ر محرم (عاشورہ) ۹۶۴ھ تھی (۱۳ر نومبر جمعہ ۱۵۵۶ء)، منتخب التواریخ ص ۱۳۵۔

(۱۸۳) یہ روایت فرشتہ سے ماخوذ ہے لیکن صاحب طبقات اور بدایونی یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ ہیموں بقال کا قاتل بیرم خان خانخانان ہے۔ دربار کے مصاحبین نے اکبر کو آمادہ کیا تھا کہ ثواب کی خاطر ہیموں کا سر اُس کے جسم سے کاٹ دے۔ لیکن بادشاہ نے جواب دیا اگر اس میں حس و حرکت ہوتی تو میں تیغ آزمائی کرتا۔ جواب سن کر خانخانان نے جہاد کی نیت سے تلوار ماری۔

(۱۸۴) سلطان حسین میرزا ابن بہرام میرزا ابن شاہ اسماعیل صفوی۔

(۱۸۵) خواجہ خضر خان اکبر بادشاہ کی چچی گل بدن بیگم کا شوہر تھا۔

(۱۸۶) مصاحب بیگ خواجہ کلان امیر ظہیر الدین بابر کا بیٹا تھا۔ خواجہ کلان مولانا صدر کا بیٹا تھا جو بابر کے باپ عمر شیخ میرزا کے امراء میں سے تھا۔ خواجہ کے چھ بھائی تھے جن میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی بابر کی خدمت میں گذار دی۔ ابوالفضل کے بقول یہ چھ بھائی اس کے دُور کے آشنا اور رشتہ دار تھے۔ (حاشیہ توزک بابر ص ۸۲ جلد ۲ر مترجمہ لیڈن وارسکن چھاپ آکسفورڈ پریس ۱۹۳۱ء)۔

(۱۸۷) ملا پیر محمد قندھاری الاصل تھا۔ ابتدا میں طالب علم اور فقیر آدمی تھا۔ آخر حسن قابلیت سے اکبر کے امراء کا مرتبہ پایا۔ خانخانان کی نیابت میں سارے ملکی اور مالی اُمور اسی کی وساطت سے انجام پاتے تھے۔ ارکان سلطنت کو اس کے ہاں بہت کم بار ملتا تھا (منتخب التواریخ چھاپ لکھنو ص ۱۳۹)۔

(۱۸۸) شیخ محمد غوث گوالیاری شیخ ظہور اور حاجی حضور عرف حاجی حمید کے مرید ہیں۔آپ کی نسبت سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامیؒ تک پہنچتی ہے۔ابتدائی حال میں چناروان پہاڑ کے دامن میں سخت ریاضت کی اور غاروں میں رہ کر درخت کے پتے کھایا کرتے تھے۔دعوت اسماء کے علم میں مقتدیٰ تھے۔صاحب متصرف وجذبہ تھے اور اس علم کی اجازت اپنے بڑے برادر پھول سے حاصل کی تھی جو صاحب کرامات وخوارق تھے۔ ہمایوں بادشاہ کو ان دونوں بزرگوں کی نسبت کمال خلوص تھا اور اس زمانے کے مشائخوں کا بھی اُن کی نسبت یہی حال تھا۔فقیر نے (عبدالقادر بدایونی) آپ کو ۹۶۶ھ میں ایک دن آگرہ کے بازار میں دُور سے دیکھا کہ سوار ہو کر گذر رہے تھے اور لوگوں کا اس قدر اژدحام تھا کہ کوئی اس بھیڑ میں سے گذر نہیں سکتا تھا۔آپ کی صحبت خانخانان بیرم خان کو راس نہ آئی اور رنجیدہ ہو کر آپ گوالیار چلے گئے۔فقر کے لباس میں بہت صاحب جاہ وجلال تھے۔ہر کسی کی حتیٰ کہ کافروں کی بھی تعظیم کرتے تھے جس کی وجہ سے فقیروں نے آپ کی ملامت کی۔الغیب عنداللہ! سال ۹۷۰ھ (۱۵۶۲ء) میں اسی سال کی عمر میں آگرہ میں آخرت کا سفر اختیار کیا اور گوالیار میں دفن ہوئے (منتخب التواریخ ص ۲۷۹۔ چھاپ مطبع نول کشور لکھنو)۔

(۱۸۹) بدایونی نے اس جھیل (بقول اس کے تالاب) کا نام سہنس لنگ لکھا ہے (منتخب التواریخ ص ۱۴۵ر چھاپ لکھنو)۔

(۱۹۰) بدالونی کے بقول "بیرم خان نے فتح کی ابتدا ہی میں اُس کے باپ کو قتل کر دینے کا حکم دیا تھا۔اس لئے انتقام لینے کے خیال میں تھا"۔(ایضاً ص ۱۴۵ر طبقات اکبری، ص ۲۵۳)۔

(۱۹۱) ۹۶۸ھ (۱۵۶۰ء)۔شہید شد محمد بیرام اس رُباعی کا حصہ ہے جسے بدایونی نے منتخب میں درج کیا ہے اور رُباعی یہ ہے ۔

بیرم بہ طواف کعبہ چون بستہ احرام درراہ شہید گشت نا یافتہ کام
تاریخ شہادتش زدل پرسیدم گفتا کہ : شہید شد محمد بیرام

(۱۹۲) اس مہم میں ادہم خان کے ساتھ جو سپہ سالار تھے ان میں پیر محمد خان، صادق خان، قبا خان کنک، عبداللہ خان اُوزبک اور شاہ محمد خان قندہاری بھی تھے (طبقات اکبری ص ۲۵۴ر چھاپ لکھنو مطبع نول کشور)۔

(۱۹۳) صحیح ہے باز بہادر۔

(۱۹۴) ۸ر جمادی الاول ۹۶۹ھ (۱۴ر جنوری ۱۵۶۲ء)۔

(۱۹۵) صوبہ مالوہ پر باز بہادر کا قبضہ دوسری بار سال ۹۶۹ھ (۱۵۶۱ء) میں ہوا (فرشتہ)۔

(۱۹۶) اتکہ (نقط دارت کے ساتھ) دودھ پلانے والی دایہ کے شوہر اور اس کے قرابت داروں کو کہتے ہیں

(فرشتہ ص ۲۵۲)۔

(۱۹۷) ۱۵۶۵ء۔

(۱۹۸) محمد حکیم میرزا شہنشاہ ہمایوں کا بیٹا تھا جو ۱۵/جماوی الاول ۹۶۱ھ (۱۸/اپریل ۱۵۵۴ء) کو کابل میں ماہ چوچک کے بطن سے پیدا ہوا۔ اکبر کے زمانے میں کابل کا حاکم تھا۔ پنجاب پر دوبار حملہ کیا۔ ایک ۹۷۴ھ (۱۵۶۶ء) میں اور دوسرا ۹۸۹ھ (۱۵۸۱ء) میں لیکن شکست کھائی ۔ ۱۷/ شعبان المعظم ۹۹۳ھ (۲۶ جولائی ۱۵۸۵ء) میں ۳۲ سال کی عمر میں کابل میں وفات پائی (قاموس المشاہیر جلد ۲، ص ۱۸۸ مطبع نظامی بدایون ۱۹۲۶ء)۔

(۱۹۹) فرشتہ کے بقول اکبر کا معالج حکیم عین الملک گیلانی تھا جسے علاج کرنے میں ید بیضا حاصل تھا۔ عین الملک کا تخلص دوائی تھا اور اکبری عہد کا معروف طبیبوں میں سے تھا۔ انشا پردازی اور مکتوب نگاری میں ید طولیٰ پایا تھا۔ ضلع الہ آباد میں ہنڈیا کے مقام پر سال ۱۰۰۳ھ (۱۵۹۴ء) کے ذی الحجہ مہینے میں فوت ہوا (قاموس المشاہیر ج ۱، ص ۲۱۲)۔

(۲۰۰) ۱۵۶۳ء۔ فرشتہ کے بقول امراء کی بغاوت کی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ خان اُوزبک جو جین میں باغی ہوا تھا کے قضیہ کے بعد عام افواہ کے مطابق بادشاہ نے ارادوہ کرلیا تھا کہ وہ تمام اُوزبک امراء کی بیخ کنی کرے گا۔

(۲۰۱) ولایت گڑھ۔

(۲۰۲) ۲۷/نومبر منگلوار/۱۵۶۶ء۔

(۲۰۳) فرشتہ ج ۱، ص ۲۵۶۔

(۲۰۴) وزیر خان آصف خان ہروی کا بھائی ہے۔ اکبر کے زمانے میں دونوں بھائی بزرگ امراء میں سے تھے۔ وزیر خان سال ۹۹۵ھ میں مطابق (۱۵۸۶ء) سال ۳۲/جلوس اکبری اسہال کی بیماری سے فوت کرگیا (ماثر الامراء جلد سوم ص ۹۲۹ چھاپ مطبع اُردو گائیڈ کلکتہ ۱۸۹۰ء)۔

(۲۰۵) الغ میرزا اور شاہ میرزا دونوں خطاب ہیں جو اُن کو بابر کی طرف سے دئے گئے تھے۔ ان دونوں کے اصلی نام ترتیب وار سکندر میرزا اور سلطان میرزا تھے (ایضاً ص ۱۹۲)۔

(۲۰۶) محمد سلطان میرزا ابن ولیس میرزا ابن بایقرا ابن منصور ابن بایقرا سلطان حسین میرزا بایقرا، جو اُس کا جد مادری تھا، کے عہد حکومت میں مکرم اور معزز تھا۔ اس بادشاہ کی وفات کے بعد بابر بادشاہ کی خدمت میں آگیا۔ باوجود اس کے کہ بار بار جرم وعصان کا ارتکاب کیا لیکن جنت آشیانی (بابر) نے کمال مروت سے انتقام لینے کی طاقت رکھتے ہوئے بھی معاف کردیا۔ جب عرش آشیانی کی نوبت آئی تو محمد سلطان پر اُس کے قبیلہ وقوم سمیت خاص عنایات کیں

اور بوڑھاپے کی وجہ سے نوکری کے فرض سے بھی سبکدوش کر کے سرکار سنبھل میں اعظم پور کا پرگنہ اخراجات کے لئے عطا کیا۔ بوڑھاپے میں مرزا کو وہاں تین بیٹے ہوئے ابراہیم حسین میرزا، محمد حسین میرزا اور تیسرا مسعود حسین میرزا اور عاقل حسین میرزا۔ ان بیٹوں کی فطرت میں بغاوت و سرکشی تھی۔ اس لئے اکبر کے حکم سے محمد سلطان میرزا کو قلعہ بیانہ میں قید میں ڈال دیا گیا اور وہاں اس کی وفات ہوئی (ایضاً ص ۱۹۲/۱۹۳)۔

(۲۰۷) الغ بیگ میرزا، حسن سے سہو ہوا ہے اور صحیح ہے محمد سلطان میرزا جیسے کہ اُوپر درج ہوا۔ اس کی تائید فرشتہ سے ہوتی ہے جو کہتا ہے: ''اور منعم خان خطاب بہ خان خانان نے محمد سلطان میرزا کو سرکار سنبھل سے گرفتار کر کے قلعہ بیانہ میں قید کر دیا اور وہیں پر اُس کی موت ہوئی (فرشتہ جلد ۱، ص ۲۵۶ ر چھاپ لکھنو)۔

(۲۰۸) علی قلی خان المعرف بہ خان زمان سلطان حیدر اُوزبک شیبانی کا بیٹا اکبر کے پنج ہزاریوں میں سے اور صاحب نام و شکوہ تھا۔ ہمت و سخاوت اور سپہ گری و سرداری میں یکتا تھا۔ باوجود اس کے کہ اُوزبک تھا لیکن ایران میں نشوونما پانے اور ماں کے ایرانی ہونے کی وجہ سے امامیہ مذہب کا تھا۔ لیکن ہرگز تقیہ سے کام نہیں لیتا تھا۔ سلطان تخلص کرتا تھا (ماثر الامراء ج ۱، ص ۲۳۰)۔

(۲۰۹) علی قلی خان کا بھائی تھا۔

(۲۱۰) سہو کاتب ہے۔ خان زمان علی قلی خان کے سوا اور کوئی نہیں۔ دونوں کے لئے دیکھئے علی قلی خان کا ترجمہ حالی ماثر الامرا میں ج ۱، ص ۶۲۰ تا ۶۳۰۔

(۲۱۱) ۹۷۴ھ (۱۵۶۷ء) صاحب ماثر الامراء میر عبدالرزاق نے دوسری تاریخ بھی دی ہے۔

جانان میرس از من بیدل کہ چون شدہ — قتلی علی قلی و بہادر زجور چرخ

آہی ز دل کشید و بگفتا دو خون شدہ — جستم ز پیر عقل چو سال وفات شان

اس تاریخ میں ایک سال زاید ہے۔ لیکن چونکہ اُن کے قتل کا حادثہ ماہ ذی الحجہ میں ہوا جو سال ۹۷۴ھ کا آخر ہے اس لئے اتنی سی فرق روا ہے اور ممکن ہے کہ آہی کشیدہ سے بطریق تحمید ایک عدد کو کم کر دینے کا کنایہ ہو۔

(۲۱۲) شمالی ہندوستان میں اُتر پردیش صوبے میں گورکھپور ایک بڑا شہر ہے۔

(۲۱۳) ۲۵ ر جولائی جمعرات ۱۵۶۷ء۔

(۲۱۴) خواجہ عبدالمجید ہروی آصف خان مذکورہ وزیر خان ہروی کا بھائی ہے۔ اکبر کے دربار میں خدمات لائق بجالانے سے عزت اور سرافرازی پائی۔

(۲۱۵) ۱۵۶۸ء۔

(۲۱۶) ۳۰/اگست منگلوار ۱۵۶۹ء۔

(۲۱۷) حضرت شیخ سلیم چشتی رحمتہ اللہ علیہ مخدوم شیخ فرید الدین گنج شکر قدس اللہ روحہ کی اولاد سے ہیں۔ آپ اصل میں دہلی کے ہیں۔آپ کی امانت ووسعت کی نسبت خواجہ ابراہیم سے ہے جو چھ واسطوں سے خواجہ فضیل عیاض کے فرزند ہیں۔ خشکی وتری کی راہ سے ہندوستان سے دوبار حرمین الشریفین گئے اور روم، بغداد، شام، نجف اشرف اور دیگر ممالک مغرب کو بھی دیکھا۔ پورا سال سفر میں گذارا۔ حضرت شیخ یعقوب صرفیؒ کشمیری کے ہمعصر تھے اور دوسری بار حج میں اُن کے ساتھ تھے۔ اسلامی ملکوں میں آپ شیخ الہند سے جانے جاتے تھے۔ ۹۵/سال کی عمر میں بھی آپ سخت ریاضت کرتے تھے۔ عربی عبارات لکھنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ سال ۹۷۹ھ (۱۵۷۱ء) میں رحمت حق ہوئے۔ شیخ ہندی سے تاریخ نکلتی ہے (خلاصہ از منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی ص ۲۸۱/۲۸۲ مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو)۔

(۲۱۸) ۱۵۷۰ء۔

(۲۱۹) حضرت فرید الدین بابا شکر گنج ہندوستان کے اکابر اولیاء میں سے تھے۔ ۱۱۷۳ء میں (۵۶۹ھ) متولد ہوئے اور ۱۷/اکتوبر (بروز سنیچر وار ۵ محرم الحرام ۶۶۴ھ) ۱۲۶۵ء کو ۹۴ سال کی عمر میں صدای موت کو لبیک کہی۔ آنجناب کا مزار پرفتوح ضلع ملتان (پنجاب پاکستان مغربی) کے جودھن گاؤں میں ہے جواب پاک پٹن کے نام سے مشہور ہے۔ آپ حضرت شیخ نظام الدین ولی دہلویؒ کے مرشد تھے۔ ساری عمر میں سخت ریاضتیں کر کے اللہ اور لوگوں کے ولی کامل ہو گئے (خلاصہ از قاموس المشاہیر جلد ۲، ص ۱۲۴/ مطبوعہ نظامی پریس بدایون سال ۱۹۲۶ء)۔

(۲۲۰) ۲۵/جون سوموار ۱۵۷۱ء۔

(۲۲۱) ۱۵۷۲ء۔

(۲۲۲) رائے سنگھ اکبری دربار کے چار ہزاری امراء میں سے تھا۔ ۱۹/رجب ۹۹۵ھ (۱۵۸۶ء) کو اپنی پشتی بیٹی کا نکاح شہزادہ سلیم کے ساتھ کر دیا۔ ۱۰۰۰ھ میں خانخانان، جو حاکم ٹھٹھ جانی بیگ کے ساتھ مصروف پیکار تھا، کی مدد کرنے کے لئے گیا۔ ۱۰۰۲ھ میں جب شہزادہ دانیال کو دکھن فتح کرنے کی اجازت ملی تو شہزادہ کی مدد ومعاونت کرنے پر دوسری بار متعین ہوا۔

(۲۲۳) سید محمود خان بارسہہ کا چھوٹا بھائی ہے۔ جلوس اکبری کے سترہویں سال میں خان کلان کے ہمراہ ہراول فوج میں گجرات کی جانب متعین ہوا۔ احمد آباد فتح ہونے کے بعد بادشاہ نے اُسے ایک بھاری جماعت کے ساتھ شیر خان فولادی کے بیٹوں کا تعاقب کرنے کے لئے نامزد کیا اور ان کا بہت سا سامان شاہی فوج کے ہاتھ لگا۔

اس کے بعد سید احمد خان کو پٹن کی حکومت تفویض ہوئی۔ اسی سال محمد حسین میرزا اور شاہ میرزا نے بغاوت کا جھنڈا لہراتے ہوئے شیر خان کے ساتھ پٹن آ کر محاصرہ کیا لیکن اعظم خان کوکہ کی مدد سے نامراد و ناکام ہو کر لوٹ گئے۔ سال ۹۸۰ھ میں وفات پائی۔ دو ہزاری منصب پر ممتاز تھا (ماثر الامراء ص ۳۷۸)۔

(۲۲۴) شرف الدین حسین میرزا ابتدا میں اکبری امراء میں سے تھا اور اجمیر کے نوائی میں مرتھا کا صوبہ دار تھا ۔اس کے بعد ناگور کی جاگیر سے سرافراز ہو کر امیر الامرا کا لقب پایا لیکن کسی شبہ کی وجہ سے جو چغل خوروں نے میرزا اور بادشاہ اکبر کے درمیان پیدا کیا تھا میرزا ناگور کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے نتیجے میں حسین قلی بیگ کو، جو بیرم خان کے رشتہ داروں میں سے تھا، شرف الدین میرزا کی جاگیر مل گئی۔ اب شرف الدین حسین میرزا نے سرکشی کی اور شاہ ابو المعالی کی مدد سے باغیوں کا سرگرہ ہو کر سال ۹۷۰ھ میں اکبر فوج کے ہاتھوں قید ہوا (طبقات اکبری ص ۲۷۳ تا ۳۷۵)۔

(۲۲۵) مراد ہے راجہ بہار جوئی بگلانہ کا حکمران جس نے ۹۸۰ھ میں (۱۵۷۲ء) مرزا شرف الدین حسین کو قید کر کے اکبر کے حضور میں پیش کر دیا۔

(۲۲۶) ۳ جون بدھوار ۱۵۷۳ء۔

(۲۲۷) صاحب طبقات اکبری کے بقول (جلد ۲ مترجمہ بی ڈی۔ ایم اے، آئی سی ایس ص ۴۱۷) جس آدمی نے محمد حسین میرزا کو گرفتار کیا وہ گدا علی بدخشانی تھا۔ جب مذکورہ میرزا نے محمد جلال الدین اکبر سے شکست کھائی راہ میں ایک خارزار آیا تو چاہا کہ گھوڑے پر سے چھلانگ لگا کر اسے پار کرے لیکن بدقسمتی سے گر پڑا اور گدا علی بدخشانی نے جو اُس کے تعاقب میں تھا اسے پکڑ کر جلال الدین اکبر کے سامنے لایا۔

(۲۲۸) صحیح یہ ہے کہ محمد حسین میرزا رائے سنگھ کے راجپوتوں کے ہاتھوں، جو اکبر کی طرفداری کرنے کی وجہ سے نصرت و کامیابی کی شراب سے مست ہو چکے تھے، قتل ہوا۔ اس قتل میں رائے سنگھ کے حکم کا کوئی دخل نہیں تھا (طبقات اکبری جلد ۲، مترجمہ بی ڈی، ایم اے ص ۴۱۹)۔

(۲۲۹) مختار الملک کا قاتل ایک شخص سہراب بیگ ترکمان تھا جو تعاقب کرتے ہوئے اُس کے سر پر آ گیا تھا۔ مختار الملک نے چاہا کہ سید جتلا کر اس آئی ہوئی بلا کو ٹالے لیکن سنگدل ترکمان کا دل موم نہ ہوا اور اس کا سر جسم سے الگ کر دیا (ایضاً یہی صفحہ) نظام الدین کی روایت سے مقتولین کی تعداد اس معرکہ میں دو ہزار تھی۔

(۲۳۰) بھکر سندھ میں۔

(۲۳۱) اصل میں اس گاؤں کا نام بامی پور آیا ہے۔

(۲۳۲) لیکن اصل نسخے میں ترمذی ہے جو کاتب کا سہو ہے۔ خواجہ مظفر علی تربتی اکبری امراء میں سے تھا۔ بیرم خان کے دیوانی سے ترقی کر کے جمعہ کے روز ۲۴/رجب المرجب ۹۸۱ھ (۱۵۷۳ء) کو حکومت کے صدر اعظم کے رُتبہ پر پہنچ کر جملۃ الملک کے خطاب سے معزز اور سرافراز ہوا۔ آخر ۹۸۸ھ (۱۵۸۰ء) میں زندگی کی اُونچ نیچ سے دوچار ہو کر معصوم خان کا ملی وغیرہ کے ساتھ معرکہ بہار میں مخالفین کے ہاتھوں مارا گیا۔ میاں رفیق کڑہ کے نزدیک جامع مسجد مظفر خان کی بنائی ہوئی ہے (ماثر الامرا جلد ۳، ص ۳۲۷)۔

(۲۳۳) ۱۵۷۵ء۔

(۲۳۴) اصل نسخہ میں اس قصبہ کا نام خواص پور کا مانڈ آیا ہے جو بظاہر کاتب یا مصنف کا سہو ہے۔

(۲۳۵) بقول خواجہ نظام الدین احمد گڈھی کی فتح خانخانان کے ہاتھ سے ہوئی (طبقات اکبری جلد ۲ مترجمہ بی ڈی ص ۴۵۲)۔ ابوالفضل نے گڈھی کی فتح کو سوریہ گڈھ شہر، جو دریای گنگا سے قریب اسی میل پر ہے، کے فتح ہو جانے کے بعد قرار دیا ہے۔ اس کے بقول اکبری فوج کے سردار قیا خان اور مجنون خان قاقشال تھے۔ اس بارے میں ابو الفضل کی روایت یوں ہے کہ ''پہلے خانخانان کے ملازموں کی ایک جماعت نے وہاں ٹھہر کر اُس گروہ کا خوف بڑھاتی رہی اور جب قیا خان آراستہ فوج کے ہمراہ اس طرف آملا تو فوراً ہی وہ بدبخت گروہ کوئی تدبیر نہ کر پایا اور سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلا اور ایک ایسی جگہ پر خدا کی مدد سے آسانی کے ساتھ پکڑے گئے جہاں پر جنگ کم ہی ہوسکتی ہے۔ دوسری صبح کو خانخانان نے آکر خدا کا شکر ادا کیا اور مجنون خان نے فتح پا کر اس ٹیلے پر قبضہ کر لیا اور اسی روز آ کر مل گیا'' (اکبر نامہ جلد ۳ مطبوعہ رایل ایشاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۸۶ء)۔

(۲۳۶) ۱۵۷۷ء۔

(۲۳۷) یہ معصوم خان اصل میں کابلستان کا ہے۔ ۹۸۶ھ میں اکبری ملازمت کی سعادت پائی۔ خراسان میں تربت کے سادات میں سے تھا۔ اس کا چچا میر عزیز حضرت جہانبانی (ہمایوں) کی ملازمت میں وزارت کے رُتبہ پر پہنچا تھا اور میرزا حکیم کے ساتھ (جو جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کا سوتیلا بھائی تھا) اسکی رضاعی نسبت تھی۔ بہادری اور مہموں کو سر کرنے میں نام پیدا کیا۔ خواجہ حسن نقشبندی نے ملال خاطر کی وجہ سے اُس (معصوم خان) کو تباہ کرنے کے درپے رہا۔ دُور اندیشی سے کام لے کر دربار عالی میں پناہ لے کر لائق خدمات کا اہل بن گیا (اکبر نامہ جلد سوم ص ۱۵۸)۔

(۲۳۸) اکبر نامہ (جلد ۳، ص ۱۶۸) میں اس راجہ کا نام گجپتی آیا ہے۔ یہ راجہ صوبہ بہار کے نامور زمینداروں میں سے تھا اور آستان خلافت کے مبارزوں کے ساتھ ہمیشہ رہتا تھا۔ فتح بنگال میں شائستہ خدمات انجام دیں۔ بیہودہ

خیالات کی وجہ سے ایک طرح سے اجازت پاکر اپنے ملک میں آ گیا اور بنگال کی شورش میں خان جہان کے پاس پناہ لی۔ جب اس بدخصلت کی شورش کی خبر مبارک کانوں تک پہنچی تو اس بدکردار کو سزا دینے کے لئے شہباز خان کو اجازت دی گئی (ایضاً ص ۱۶۸/۱۶۹)۔

(۲۳۹) ۱۵۷۷ء۔

(۲۴۰) ابراہیم حسین میرزا کا بیٹا مظفر حسین میرزا (یا کامران کی بیٹی کا بیٹا) قید و بند کی سختیوں کو جھیلنے کے بعد اکبری امراء کے حلقہ میں آ گیا۔ صاحب طبقات اکبری (ج ۲، ص ۶۶۸) کے بقول ایک ہزار سواروں کا قائد تھا۔

(۲۴۱) ۱۶ فروری ۱۵۸۱ء۔

(۲۴۲) شاہ منصور شیراز کے ادیبوں اور حسابدانوں میں سے تھا۔ ابتداء میں عطریات کی آگاہی میں نظر خاص رکھتا تھا۔ اس زمانے میں مظفر خان بہت مقتدر تھا۔ اس نے جب شاہ منصور میں حد سے زیادہ فہم و فراست دیکھی تو پیچیدہ مہمات و معاملات میں پھنسا کر اُسے قید میں ڈال دیا۔ اس کے بعد منعم خان کی خدمت میں چلا گیا اور آہستہ آہستہ اس کا دیوان بن گیا۔ چند سال کے بعد اکبری دربار کا ملازم ہو گیا اور خداداد لیاقت سے وزارت کے منصب پر فائز ہوا (طبقات اکبری جلد ۲، ص ۴۹۴ مترجمہ بی ڈی) خواجہ نظام الدین نے خواجہ منصور شیرازی کی نسبت جو روایت لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قتل ہونے میں اس کے دشمنوں کی سازش تھی۔ چنانچہ بادشاہ نے شاہ منصور کے قتل ہو جانے پر بہت افسوس کیا۔ ملا خمین (ص ۴۳۱) کی روایت سے جس درخت پر شاہ منصور کو پھانسی دی گئی وہ سرائے کوٹ کچھوہہ کے قریب کرنال کی سڑک پر جو لدھیانہ کی طرف جاتی ہے، واقع تھا۔ صاحب ماثر الامراء نے انکشاف کیا ہے کہ اس ساز کا سرگروہ شہباز خان کا بھائی کرم اللہ تھا اور وہ اندر سے راجہ ٹوڈرمل کا کارندہ اور وکیل تھا (طبقات اکبری جلد ۲ / مترجمہ بی ڈی ص ۵۴۷/۵۴۹/۵۵۴)۔

(۲۴۳) خواجہ نظام الدین کی روایت سے (طبقات جلد ۳، ص ۵۴۸) اٹک بنارس کا نام دیا۔

(۲۴۴) ایک خطی نسخہ میں اس جگہ کا نام جوساو بیاک آیا ہے لیکن ایلیٹ کے انگریزی ترجمہ میں (ج ۵) اور بدایونی نے اس کا نام جوسی و بیاک لکھا ہے۔

(۲۴۵) اعتماد خان سلطان بہادر اور سلطان محمود گجراتی کے امراء میں سے تھا۔ فتح گجرات کے بعد اعتماد خان نے اکبری دربار کے ملازمین میں شامل ہو کر بادشاہ کی خوشنودی حاصل کی اور چار ہزاری سواری کے امراء میں سے ہو گیا۔ سال ۹۹۵ھ (۱۵۸۶ء) میں وفات پائی (طبقات اکبری جلد ۲ ترجمہ بی ڈی ص ۶۶۳)۔

(۲۴۶) قطب الدین خان خان اعظم آتکہ کا بھائی اور بیگلر بیگی اور امیر الامراء کے عہدے پر تھا۔ پانچ

ہزاری امراء میں شمار ہوتا تھا (ایضاً ص ۶۶۲)۔

(۲۴۷) ۱۸ جنوری ۱۵۸۳ء۔

(۲۴۸) عبدالرحیم خان المعروف بہ میرزا خان بیرم خان کا بیٹا تھا۔ فتح گجرات کے بعد خانخانان کے عہدے پر (اکبری فوج کا سپہ سالار) فائز ہوا اور قریب دس سال تک اس عہدے پر رہا۔ ملا نظام الدین نے (طبقات اکبری جلد۲، ص ۶۵۴) اس کی بڑی تعریفیں کی ہیں اور کہا ہے کہ اُسے درویشوں اور دوستان خدا خاص کر علماء وفضلا کی بہت محبت تھی۔

(۲۴۹) قلیچ خان کی نسبت خواجہ نظام الدین ہروی نے لکھا ہے کہ ایک لمبی مدت تک خلافت پناہ کی ملازمت میں رہ کر بالآخر وزارت کے عہدے پر فائز ہوا۔ چار ہزار سواری امراء میں سے تھا (ایضاً ص ۶۶۲)۔

(۲۵۰) ابراہیم مرزا کا بیٹا شاہ رُخ میرزا دربار اکبری کے پانچ ہزار سواری امراء میں سے تھا۔ خواجہ نظام الدین ہروی کے زمانے میں مالوہ کی صوبہ داری کے عہدہ پر فائز تھا۔

(۲۵۱) ۱۵۸۲ء سے ۱۵۹۷ء تک۔

(۲۵۲) شاہ قلی خان پہلے بیرم خان کے غلاموں میں سے تھا۔ اس کے بعد تیس سال تک تین ہزاری امراء کے حلقہ میں رہا۔ اچھے اوصاف کا اور قابل ستائش خصلتوں کا مالک تھا۔ ایک وقت میں آگرہ کا حاکم بھی تھا (طبقات اکبری جلد۲، ص ۶۶۴ مترجمہ بی ڈی)۔

(۲۵۳) زین خان کوکہ، جو پانچ ہزاری امراء میں سے تھا، بہادری وشجاعت میں لائق تحسین تھا اور ان صفات میں وقت کے لوگوں میں ممتاز تھا۔ بادشاہ اس کی زیرکی اور فہم وفراست سے بہت متاثر تھا (ایضاً ص ۶۵۹)۔

(۲۵۴) ۱۵۸۵ء۔

(۲۵۵) محمد قاسم خان میر بحر اکبری خاندان کے قدیم امراء میں سے تھا۔ خواجہ نظام الدین ہروی کے زمانے میں کابل کا ناظم تھا (طبقات اکبری جلد۲، ص ۶۶۸ مترجمہ بی ڈی)

(۲۵۶) ابوالفضل کے بقول اکبر کا کابل میں ورود چونتیسویں سال جلوس کے مہر ماہ میں مطابق ۲۱ ستمبر ۱۵۸۸ء واقع ہوا (ایضاً ص ۵۶۶)۔

(۲۵۷) مطلب ہے میرزا عزیز کوکلتاش اکبری فوجوں کا سپہ سالار۔

(۲۵۸) طبقات اکبری کے حاشیہ نگار بی ڈی ایم اے (ص ۶۳۰) کے بقول جام کا سابق نام ستر سال تھا۔

(۲۵۹) اس جنگ کے بارے میں خواجہ نظام الدین احمد کہتا ہے کہ آٹھ حصوں میں فوج کو تقسیم کر کے خان

اعظم نے یہ جنگ لڑی۔ یہ ہندوستان میں لڑی جانے والی خوفناک ترین جنگوں میں سے تھی۔ اس جنگ میں سید قاسم بارہہ، خواجہ محمد رفیع بدخشی اور محمد حسین شیخ نے بڑی بے جگری اور دلاوری کے ساتھ لڑا لیکن دو آخری آدمی شہید ہو گئے۔ اس طرح میر ابوتراب اور میر مشرف الدین اس معرکہ میں کام آ گئے۔ راجپوتوں میں سے کم وبیش چار ہزار آدمی قتل ہوئے۔ پردہ غیب سے یہ فتح اتوار کے دن ۶ شوال ۹۹۸ھ (۱۵۸۹ء) کو ظاہر ہوئی (طبقات اکبری جلد۲، ص ۶۳۱ مترجمہ بی ڈی۔ ایم اے مطبوعہ بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ)۔

(۲۶۰) لیکن بقول خواجہ نظام الدین احمد جانی بیگ کے ساتھ خانخانان کی جنگ صرف دو ماہ تک رہی (ایضاً ص ۶۳۷)۔

(۲۶۱) میرزا ایرج بیگ۔

(۲۶۲) اب کی بار کشمیر میں اکبر کا آنا میرزا یوسف رضوی کے بھتیجے یادگار کی سرکوبی کرنے کے لئے تھا جس نے کشمیریوں کی مدد سے کشمیر میں بغاوت کا جھنڈا بلند کیا تھا۔ اکبر لاہور میں کشتی میں راوی دریا کی سیر کر رہا تھا کہ یادگار میرزا کی بغاوت کی خبر سنی۔ کہتے ہیں کہ اسی وقت اس کی زبان سے یہ شعر نکلا۔

کلاہ خسروی و تاج شاہی   بہ ہر کل کی رسید حاشا وکلا

(اکبر نامہ جلد۳، کلکتہ ۱۸۸۶ء، ص ۶۱۷، طبقات اکبری جلد۲ مترجمہ بی ڈی، ایم اے، ص ۶۴۲)۔

(۲۶۳) ملا عبدالقادر بدایونی نے استرے کی وضاحت نہیں کی ہے صرف کہا ہے کہ قضای حاجت کے بہانے سے مظفر خان گجراتی نے خیمہ میں موجود اشیا سے جو اُس کے پاس تھیں خود کو مار ڈالا (منتخب التواریخ جلد۲، مترجمہ ڈبلیو ایچ لوئی، ایم اے مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۴ء)

(۲۶۴) ابوالفضل کے بقول جس شخص نے مظفر خان گجراتی کا سر دربار میں پیش کیا وہ خواجہ نظام الدین احمد تھا (اکبر نامہ جلد۳، ص ۶۳)۔

(۲۶۵) لیکن صاحب طبقات اکبری کے بقول اکبر کے دربار میں سلطان حسین صفوی کے فرزند میرزا رستم کا وُرود ۱۲/ محرم الحرام ۱۰۰۲ھ (۱۵۹۳ء) کو ہوا۔ بادشاہ نے اُسے ایک کروڑ تنکوں کے علاوہ ملتان کی جاگیرداری اور پانچ ہزاری کے سپہ سالاری کا عہدہ دے دیا۔ خواجہ نظام الدین احمد کے بقول میرزا رستم ''لادر زمین'' کی حکومت پر فائز تھا۔ اُوزبکوں کی دشمنی اور اپنے بھائی کی دشمنی کے مقابلے میں خود کو سنبھال نہ سکا۔ اس لئے ہندوستان آ گیا (ہسٹری آف انڈیا، ج ۵، تالیف سر ایچ ایم ایلیٹ مطبوعہ لنڈن ۱۸۷۳ء ص ۴۶۷)۔

(۲۶۶) پہلے طے ہوا تھا کہ شہزادہ دانیال بھی اس مہم میں میرزا عبدالرحیم خانخانان کے ہمراہ جائے گا لیکن مجلس

شوریٰ میں جو اکبر اور خانخانان کے درمیان شیخو پورہ (پنجاب) میں ہوئی اکبر نے رائے دی کہ خانخانان تنہا اس مہم کو سر کرے اور دانیال یہیں پر رہے (ایضاً ص ۴۶۸)۔

(۲۶۷) صحیح ہے راجہ علی خان فاروقی برہان پور کا حکمران (وفات ۱۰۰۵ھ۔ ۱۵۹۶ء) گلشن ابراہیمی المعروف بہ تاریخ فرشتہ جلد ۴ مترجمہ فدا علی طالب مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکھن ۱۹۳۲ء ص ۶۵۰۔ ۶۵۱)۔

(۲۶۸) مؤلف حسن کی عبارت یہاں پر واضح نہیں گویا کوئی جملہ چھوٹ گیا ہے۔(ڈاکٹر شمس الدین احمد۔ مترجم)

(۲۶۹) فرشتہ کے بقول جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے بیٹے شہزادہ مراد کی وفات شاہ پور دکن میں ہوئی۔ (فرشتہ جلد ۴، مترجمہ فدا علی طالب، ص ۶۵۲)۔

(۲۷۰) فرشتہ کے بقول فاروقی سلاطین کی حکومت ۱۰۰۸ھ (۱۵۹۹ء) میں بہادر خان کے ہاتھوں ختم ہوئی ۔ برار کی فتح کے بعد اکبر بادشاہ بہادر شاہ کو اپنے ساتھ لاہور لے گیا۔ اس شخص نے پھر دوسری بار بادشاہت کا چہرہ نہیں دیکھا۔ اکبر بادشاہ کے فرزند نورالدین جہانگیر کے عہد تک بہادر شاہ زندہ تھا اور حکومت کی طرف سے اُسے اور اس کے بیٹے کو وظیفہ ملتا تھا۔ آخر ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ء) میں آگرہ میں فطری موت مر گیا (ایضاً ص ۶۵۵)۔

(۲۷۱) یعنی ابراہیم عادل شاہ ثانی۔ ۹۸۸ھ تا ۱۰۳۶ھ (۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۶ء)۔

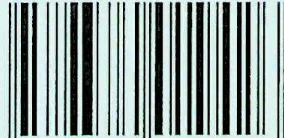
(۲۷۲) عبدالرحیم خان خانان، تخلص رحیم تھا۔ اکبر کا وزیر اعظم تھا اور بیرم خان کا بیٹا۔ ۱۴ صفر ۹۶۴ھ (۱۵۵۶ء) کو پیدا ہوا اور ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۶ء) میں وفات پائی اور حضرت محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کے جوار میں دفن ہوا۔ عربی، فارسی، سنسکرت اور برج بھاشا زبانوں کا بڑا عالم تھا۔ میرزا عبدالرحیم نے ترکی زبان سے واقعات بابری کا فارسی میں بھی ترجمہ کیا ہے (خلاصہ از قاموس المشاہیر جلد ۲، ص ۶۱، مؤلفہ نظامی بدایونی چھاپ ۱۹۲۶ء)۔

ختم شد

شمس التواریخ جلد دوم (حصہ اول)



حاجی شیخ غلام محمد اینڈ سنز
مائسمہ بڈشاہ چوک، سرینگر کشمیر



Email: hsgmbooks@gmail.com Rs. 7995/- 7 Vols. Set I to IV